مولانا عبدالمجید خادم رحمۃ اللہ علیہ

سیرتِ ثنائی

رحمہ اللہ

سوانح حیات

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ قدوسیہ 8 اردو بازار لاہور

فاقصص القصص لعلهم یتفکرون

سیرۃ ثنائی

شیخ الاسلام رئیس المناظرین امام اہلحدیث حضرت مولانا

ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

کی

سوانح حیات

مرتبہ

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی

ناشر

مکتبہ قدوسیہ

اہلحدیث مارکیٹ
غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

اشاعت اوّل ———— مئی ۸۹ء

تعداد ———— ایک ہزار

مطبع ———— زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت ———— [redacted] روپے

90/=



مولینا ثناء اللہ اسلام کے بڑے مجاہد تھے
.... اسلام کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے
آگے بڑھتا وہ آپ ہی ہوتے ۔

(علامہ سید سلیمان ندویؒ)



مولینا ثناء اللہ کی وفات حسرت آیات سے
دنیا سے حاضر جوابی ختم ہو گئی ۔"

(ظفر علی خانؒ)



اگر رات کو کوئی فرقہ اسلام کے خلاف پیدا ہو
جائے تو مولانا ثناء اللہ صبح اس کا جواب دے
سکتے ہیں ۔

(امام العصر حافظ ابراہیم میر سیالکوٹیؒ)



شیر دل انسان، فاتحِ قادیان، ابوالوفاء
ملّتِ مرحوم میں اب کون ہے ہمسر ترا
(خالد افغانی)

وہ عالم تھا مجاہد تھا، محدّث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی، مجدّد تھا زمانے کا
(مولانا نور حسین ؒ)

خرمنِ بدعت کے حق میں آپ تھے برقِ تپاں
اہلِ سنت کے لیے آپ تھے بوئے عنبری
(مولانا راز ؒ)



○

تُو مناظر، تُو مفسّر، تُو محدّث باکمال!
تاب تھی کس آنکھ میں دیکھے ترا رعب وجلال
(ابوالبشیر نشتر)

○

تکتے ہیں تارے شبانہ ماہ عالمتاب کو
ڈھونڈتا پھرتا ہے ہندوستاں "شیرِ پنجاب" کو
(حجاز اعظمی)

○

خدا سمجھائے اس "ظالم" ثناء اللہ کو
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو
(ظفر علی خانؒ)

○

عرضِ ناشر

"سیرت ثنائی" حضرت العلّام مولینا عبدالمجید خادم سوہدرویؒ کی گرانقدر تالیف ہے۔ جو شیخ الاسلام حضرت مولینا ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر ہندو پاک میں اور بھی کتب چھپی ہیں لیکن "سیرت ثنائی" کی تبویب و ترتیب ان سب سے الگ اور طرزِ تحریر جدا ہے۔

"سیرت ثنائی" کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مولانا امرتسریؒ کو ملّت اسلامیہ کے سامنے بطور آئیڈیل پیش کیا گیا ہے۔ جس کی روشنی میں افرادِ قوم نہ صرف یہ کہ اپنی اصلاح کر سکتے ہیں، بلکہ ہمدوشِ ثریا ہو سکتے ہیں اور کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر سکتے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدّث، مدرّس، خطیب، ایڈیٹر، مصنّف، متکلم اور لاثانی مناظر تھے۔ ان سب پر یہ کہ آپ عالم باعمل تھے۔ آپ مرنجاں مرنج، ہشاش بشاش، صابر، قانع، نرم خُو، شیریں مقال، منکسر مزاج اور عالی اخلاق تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ میں بیسیوں اوصاف یکجا کر دیئے تھے۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھیں آپ اپنے دور کے مثالی انسان نظر آتے ہیں۔ یہ تمام تفصیل آپ کو کتاب ہذا

میں مل جائے گی۔ لیکن جس بات نے آپ کو منفرد اور ممتاز مقام دیا وہ آپ کی فن مناظرہ میں مہارت تامہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ میں رسوخ فی العلم اور وسعت معلومات کے علاوہ برجستگی و حاضر جوابی جیسے خصائل کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ آپ کی گرفت اس قدر مضبوط اور طاقتور ہوتی کہ حریف کے لیے جان چھڑانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا۔ بڑے بڑے آزمودہ کار اور جہاندیدہ مناظر آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے۔ آپ کی مناظرانہ مساعی کی بدولت سینکڑوں نہیں ہزاروں گم گشتہ راہ لوگ راہ حق پر آ گئے۔ اور کئی خوش نصیب عام طور پر میدانِ مناظرہ ہی میں قبولِ حق کا اعلان کر دیتے۔

آپ نے تقریر کے علاوہ تحریر سے بھی اسلام کی بے پناہ خدمت کی۔ آپ کے تین جریدے "اہلحدیث" "مسلمان" اور "مرقع قادیان" تھے جو باقاعدگی سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے تھے۔ جن کے ذریعے "مسلمانان برصغیر" کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی جاتی۔ علاوہ ازیں آپ نے مختلف موضوعات پر کوئی ڈیڑھ صد کے قریب کتب تصنیف کیں۔ جن میں سے بہت سی کتب مخالفینِ اسلام کے جواب میں لکھی گئیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دنیا کے قطعہ پر جہاں کہیں بھی اسلام یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آواز اٹھتی، وہ آپ ہی تھے جو سب سے قبل اس کا دندان شکن جواب شائع کرتے۔ اس سلسلے میں "حق پرکاش" "مقدس رسول" "ترکِ اسلام" "تبرِ اسلام" وغیرہ کتب کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔

آپ کی تقریری و تحریری اور مناظرانہ سرگرمیوں کی بدولت بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور راہِ ہدایت پر آ گئے۔

آپ مذہب کے علاوہ سیاست میں بھی اونچا پایہ رکھتے تھے، تحریک پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور تحریک آزادی کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت بھی فرماتے رہے۔ آپ کی ملی اور جماعتی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں آپ نے حاملین حدیث کو منظم کیا۔ ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے اور بڑے اچھے مشورے دیئے۔ آپ ہمیشہ اس کے رکن رہے۔ جمعیتہ العلماء کے قیام کی تحریک چلائی جو کامیاب رہی۔ آپ ہی کی کوشش سے جمعیت العلماً کا پہلا اجلاس ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں منعقد ہوا۔

"سیرت ثنائی" میں یہ اور اس قسم کی بہت سی اور تاریخی باتوں کا شرح وبسط سے ذکر ہے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ علمی، ادبی، سوانحی تاریخی ہونے کے ساتھ سلیس، رواں اور دلچسپ ہے۔ کتاب ایک دفعہ شروع کر دیں تو ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ "سیرت ثنائی" کیا ہے، تاریخ، سیرت، علم، ادب کا حسین مرقع ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔

"سیرت ثنائی" کا ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ یہ حضرت مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی کا خامۂ اثر ہے۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی نے شیخ الاسلام کو قریب سے دیکھا۔ ان کی مجالس میں بیٹھے۔ ان کے مناظرے سنے اور دیکھے۔ ان سے فیض حاصل کیا۔ انہیں کی ڈگر پر چلے۔ تحریر و تقریر میں نام پیدا کیا۔ آپ فنِ مناظرہ سے بھی آگاہ تھے۔ بلکہ کامیاب مناظر تھے۔[1]

---

[1] ہم حضرت مولانا سوہدروی کے حالاتِ زندگی مرتب کر رہے ہیں۔ (فاروقی)

ظاہر ہے یہ کتاب آپ کے مشاہدات، تاثرات اور حقائق پر مبنی ہو گی۔ اور یقیناً ہے۔

"سیرت ثنائی" اب دوسری مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ اس میں ہم نے مناسب تخریج، تزئین اور حک و اضافہ سے کام لیا ہے۔ اور جابجا خوبصورت عنوانات قائم کیے ہیں۔ غرض اسے ہر اعتبار سے کامل و مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ والسلام

محمد ادریس فاروقی
مسلم پبلیکیشنز لاہور

فہرست مضامین

چند آراء

- مولانا ثناء اللہ مناظرہ کے امام تھے۔

(سید سلیمان ندویؒ)

- آپ کو اگر خاتم المناظرین بھی کہہ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

(مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ)

- آپ فاتح قادیان تھے۔ (شورش کاشمیریؒ)
- آپ پر حاضر جوابی ختم تھی۔ (ظفر علی خاںؒ)
- آپ بڑے ذہین اور روشن دماغ تھے۔

(شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

- آپ رئیس المناظرین تھے۔ (مولانا ابوالحسنات سعیدیؒ)
- آپ حجۃ الاسلام و المسلمین تھے۔

(مولانا عبدالرشید صدیقیؒ)

- آپ جماعت اہل حدیث کے سردار تھے۔

(علمائے اہلحدیث بحوالہ نقوش ابوالوفا ص ۶۰)

- امام غزالیؒ کے بعد مولانا ثناء اللہ کی ٹکر کا کوئی مناظر پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔ (امام العصر فاضل میر سیالکوٹیؒ)
- مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔ (علامہ رشید رضا مصریؒ)

- شیخ الاسلام مولانا امرتسری اعاظم رجال میں سے تھے۔

(علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ)

- حضرت ابوالوفاء کی کتاب زندگی کے اوراق ملک کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

(مولینا امام خان نوشہرویؒ)

- ؎ ہم چوں ابن جریر در تفسیر
در حدیث عسقلانی ، ثانی

(مولانا سعید احمد اعظمی)

- مولینا ثناءاللہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

(مولانا ابو علی اثری اعظم گڑھ)

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا تجزیہ

" اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم، شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔ اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد تھے۔ زبان اور قلم سے جس نے بھی حملہ کیا، اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ آپ ہی ہوتے

(یاد رفتگاں ص ۴۱۸)

شورش کاشمیریؒ کے تأثرات

جن علمائے اہل حدیث نے مرزا صاحب اور ان کے بعد قادیانی امت

کو زیر کیا ان میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سر فہرست تھے۔ لیکن جس شخصیت کو علمائے اہلحدیث میں فاتح قادیان کا لقب ملا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب اور اس کی جماعت کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ اپنی زندگی ان کے تعاقب میں گزار دی۔ ان کی بدولت قادیانی جماعت کا پھیلاؤ رک گیا۔ مرزا صاحب نے تنگ آ کر انہیں خط میں لکھا کہ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا ہے اور صبر کرتا رہا ہوں۔ اگر میں کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں تو آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ ورنہ آپ سنت اللہ کے مطابق مکذبین کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ خدا آپ کو نابود کر دے گا۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مفسد اور کذاب کو صادق کی زندگی میں اٹھا لے۔[1]
(تحریک ختم نبوت ص ۴۰،۴۱)

اس خط کے ایک سال ایک ماہ اور بارہ دن بعد مرزا صاحب لاہور میں اپنے میزبان کے بیت الخلاء میں دم توڑ گئے[2] مولانا ثناء اللہ نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں رحلت فرمائی۔ وہ مرزا صاحب کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور دیگر مشاہیر کی رائے

"تفسیر کا فن اعلیٰ درجے کا فن ہے۔ تمام عربی علوم و فنون اس کے

---

[1] یہ خط اور اس کا جواب بمعہ تفصیلات کتاب ہذا کے صفحہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (فاروقی)

[2] ؏ پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ (فاروقی)

خادم ہیں۔ اس لیے تمام سلف صالحین اپنی اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر متوجہ ہوئے۔ انہیں مفسرین میں مولینا ثناء اللہ صاحب ہیں جنہوں نے قرآن کی ایک تفسیر قرآن اور حدیث سے کی ہے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ بہت ہی اچھا لکھا ہے"۔

(غزنوی نزاع کا فیصلہ ص ۲۲)

اس کی تصدیق برصغیر کے ۶۷ علمائے کرام نے کی۔ چند قابلِ ذکر علماء کے نام یہ ہیں:

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی
۲۔ مولانا شبلی نعمانی
۳۔ مولینا حافظ عبداللہ غازی پوری
۴۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی
۵۔ مولینا سید سلیمان ندوی
۶۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۷۔ مولینا عبدالرحمان مبارکپوری
۸۔ مولانا محمد سعید محدث بنارسی
۹۔ مولینا عبدالتواب ملتانی
۱۰۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی
۱۱۔ مولانا ابویحیٰی محمد شاہ جہانپوری
۱۲۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی

اخبار "ندائے مدینہ" کا تبصرہ

اخبار مذکور نے لکھا:

"اگر ہم پوری دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں۔ اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچریوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث چکڑالویوں، بریلویوں، اور دیوبندیوں سے غرض ہر فرقہ سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت پیش آئے۔ تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں

گی۔ مجھے معلوم نہیں، لیکن پاکستان و ہندوستان، برما اور لنکا، جزیرہ جاوا، سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی تھی — اور وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کی تھی۔ آج ان کی رحلت کے بعد ہندوستان و پاکستان کی یہ سربلندی شاید باقی نہیں رہی۔ ان کے جاتے ہی بازار علمی کی یہ صدر نشینی بھی شاید اب ختم ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(حیات ثنائی مطبوعہ کراچی ص ۱۵)

مولانا ابوعلی اثری دارالمصنّفین اعظم گڑھ کا نظریہ

ان کا (یعنی مولانا ثناء اللہ امرتسری کا) کوئی حریف ہی نہیں تھا۔ انہوں نے آریوں سے بڑے معرکے، مناظرے کیے۔ اور ہمیشہ کامیابی کا سہرا ان کے سر رہا۔ آریوں سے پیہم مقابلہ و مناظرہ ہی کی وجہ سے وہ "شیر پنجاب" کے پُرہیبت نام سے مشہور ہو چکے تھے۔ اور واحد مناظر اسلام کی حیثیت سے ملک کے ہر حصہ میں جاتے تھے۔ اور آریوں کے اپدیشکوں کا تنہا مقابلہ کرتے تھے۔ اور کامیاب لوٹتے تھے۔

(تذکرہ ابوالوفاء ص ۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

آغازیہ

لکھتا ہوں اسؔد سوزشِ دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

حکمائے یونان کا قول ہے۔ کہ جب کسی مذہب، کسی قوم یا کسی ملک کا کوئی بزرگ اور لیڈر دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھارتا ہے۔ تو خلقِ خدا اس کے بعد جو سلوک اس سے کرتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اس کو معبود بنایا جاتا ہے اور اس کی قبر پر گنبد و مینار کھڑے کیے جاتے ہیں۔
۲۔ اس کی کوئی یادگار قائم کی جاتی ہے ۔۔۔ یا
۳۔ اسے بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے۔

ابوالوفاء حضرت مولینا ثناء اللہ مرحوم جب تک ہمارے درمیان زندہ رہے۔ ان کے ارادتمند انہیں دین وملت کی آبرو سمجھتے رہے۔ ان کی خدمات کو سراہتے رہے ان کے تبحرِ علمی، ان کے کمالِ مناظرت، ان کی بے مثال تقریر اور ان کی بے عدیل تحریر اور ان کی ذہانت وفطانت کی تعریف کرتے رہے۔ وہ ناخدائے قوم جہاں کہیں تشریف لے گیا، ہجوم معتقدین "رواقِ گوشہ چشمِ من آشیانہ تست"[1] کہتا ہوا اسے آنکھوں میں جگہ دیتا رہا۔ اس مردِ مجاہد کی زندگی گو اعداء کی فتنہ پردازیوں سے خالی نہ تھی۔ مگر اکثر مواقع پر مخالفین بھی اس کی تعریف میں تر زبان نظر آتے تھے۔ الغرض اس کے پاک وجود کو یار و اغیار، دوست و دشمن سب ہی واجب التعظیم اور قابلِ ستائش سمجھتے۔ نیز مفید اور نفع بخش بھی!

لیکن جونہی اس شیر بیشۂ ملت کی آنکھیں بند ہوئیں، وہ بقول دانایانِ یونان

[1] یعنی میری آنکھوں کی پتلی میں تیرا گھر ہے۔ (فاروقی)

رہنماؤں کی تیسری قسم میں شامل ہو گیا۔ اسے یکسر بھلا دیا گیا۔ فراموش کر دیا گیا۔ اس کا نام زندہ رکھنے کا فرض جن افراد قوم، جن احباب، جن معتقدین اور جن اکابر جماعت پر عاید ہوتا تھا، انہوں نے تجاہل عارفانہ سے نہیں، تغافل مجرمانہ سے کام لیا۔ وہ اصحاب جن پر امید تھی کہ اس کے کام اور اس کے مشن کو مرنے نہیں دیں گے اس کے رخصت ہوتے ہی بیگانے بن گئے۔ اور اس طرح چپ سادھ لی، جیسے وہ اس بزرگ سے واقف ہی نہ تھے۔ آہ! ؎

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر کو لگی ایسی، کہ جو تھا جل گیا

ہمیں اعتراف ہے کہ حضرت ابوالوفا کسی مغربی ملک ــــ یورپ امریکہ، جرمنی، فرانس میں پیدا نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس سرزمین میں ولادت فرمائی جس کے باشندے بمشکل پانچ فیصدی تعلیم یافتہ ہیں، جہاں علم کی یہ قدر ہے، کہ علماء کس مپرسی کی حالت میں سِسک سِسک کر مرجاتے ہیں، اور یہ بھی تسلیم! کہ مولینا مرحوم کوئی سٹیفن، ایڈیسن، گوئیٹے، نٹشے، اور شیکسپیئر نہ تھے، جن کے سر و آبرو پر بٹھایا جاتا، جن کے نام کو اچھالا اور بلند کیا جاتا۔ جن کے کام کو حیاتِ جاوید بخشی جاتی، اور جن کا مشن غیر فانی زندگی پاتا، وہ اس قوم میں پیدا ہوئے جس کے چمن میں اول تو کوئی دیدہ ور پیدا ہی نہیں ہوتا، ہوتا ہے تو بیسیوں نہیں سینکڑوں سال بعد، اور وہ بھی اس طرح کہ ساری عمر دین و ملت کی خدمت کرتا ہے، احیائے کتاب و سنت کے لیے جیتا ہے، تبلیغ اسلام کرتے کرتے مفلوج ہو جاتا ہے، توحید پھیلاتے اور قرآن و حدیث سناتے شہید ہو جاتا ہے، تو اس کے عشّاق اور مشتاقین ہیں، اس کے یاروں اور دوستوں ہیں، اس کے ارادتمندوں اور معتقدوں ہیں، اس کے مداحوں اور تعریف کرنے والوں میں اتنی جرأت اور اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی، کہ اس کے نام اور اس کے کام کو زندہ رکھنے کے لیے کوئی چھوٹی سی یادگار، کوئی معمولی سا میموریل ہی قائم کردیں۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ

کر یہ تو کہہ سکیں کہ ثناء اللہ بھی ایک ذیفار مرہو گزرا ہے ۔

ہمارے زخمی دل پہ اُس جلسے کی یاد نمک پاشی کر رہی ہے ۔ جس میں حضرت مغفور نے اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا تھا ــ کہ ؎

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

مرحوم کی رُوح بہت خوش ہوگی کہ ان کی پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے ۔ سچ پوچھیے تو یہ مہر و وفا کا پتلا تھا بھی اسی لائق ، کہ ساری عمر مذہب و قوم کی خدمت کر کر کے پنجاب کے ایک ایسے گمنام گوشے میں دفن ہو جائے ، جہاں اس کا کوئی یار و غمخوار دعائے مغفرت کے لیے بھی نہ پہنچ سکے ۔

کیا قائم کرنی ہے کسی نے اس کی یادگار ؟ خدا ہی ہے جو اس کی قبر ٹھنڈی رکھے اور وہ جو لحد میں پڑا قیامت کو جی اٹھنے کا خواب دیکھ رہا ہے ، اس کے کام اور اس کے نام کو حیات ابدی بخشے ! آمین !!

مرحوم نے اپنی زندگی میں (نعوذ باللہ) دو چار عشقیہ ناول ، رومانی افسانے یا ڈرامے لکھے ہوتے ، مخرب اخلاق نظموں اور قیس و فرہاد بنانے والی غزلوں کے مجموعے آپ نے ترتیب دیئے ہوتے تو شاید یہ غافل و بے حس قوم ، جس کی رگ رگ میں غلامی کی دماغ پھاڑنے والی بدبو اب تک دوڑ رہی ہے ، ان کی قدر دان ہوتی ۔ ان کی کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہوتے ، ان کی چھوٹی سی چھوٹی تصنیف آنوں میں نہیں ، پونڈوں میں بکتی ۔ اور ممکن ہے ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کوئی ہسپتال کوئی لیبارٹری ، کوئی مسجد کوئی دارالعلوم بھی تعمیر کر دیا جاتا ، مگر بدقسمتی سے مرحوم ایک مذہبی آدمی تھے ، جو عمر بھر مذہبی کتابیں لکھنے اور دین کی تبلیغ کرتے رہے ، بھلا کیا ان کی کتابیں یا ان کی خدمات اس قابل نہیں ؟ کہ انہیں باقی رکھا جائے ، انہیں یاد کیا جائے ، اور انہیں بار بار چھپوایا جائے ۔ آج تو یہ حالت ہے کہ مرحوم کی سوانحعمری لکھنا تو ایک طرف ، غالباً اسے کوئی پڑھنا بھی پسند نہ کرے گا ۔ یہ ہے اس

خیرالامم قوم کا دینی نقصان، جس نے حشر تک خود زندہ رہنا اور اسلام، قرآن وحدیث کو زندہ رکھنا ہے — انا للہ!

ع "مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات"

مولینا ابوالوفاء کی وفات سے ایک سال بعد جب ہم نے دیکھا کہ اب کوئی ان کی علمی یادگار "اخبار اہلحدیث" کو جاری و قائم رکھنے والا نہیں ہے تو ہم نے نہ صرف اس بارِ گراں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا، بلکہ مصمم ارادہ کر لیا، کہ آپ کی سوانح حیات بھی مرتب کریں گے اور اسے اس رنگ میں پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے کہ وہ نہ صرف اہل توحید ہی کے لیے نفع رساں نہ ہو، بلکہ احناف اور دیگر مقلدین بھی اس سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ ہم نے متواتر کئی ماہ تک اپنے جریدہ "اہلحدیث" میں اعلان شائع کیا اور احباب و بزرگانِ جماعت کو خصوصیت سے دعوت دی کہ انہیں مولینا مرحوم کے جو جو حالات معلوم ہوں اور جو جو واقعات یاد ہوں، وہ ہمیں لکھ کر بھیج دیں، اور اس کار خیر میں شرکت فرما کر ہمارا ہاتھ بٹائیں، مگر حیف اور صد حیف! کہ ابوالوفاء کے احباب و یارانِ غار نے کوئی توجہ نہ دی اور چند[1] ایک افراد جماعت کے سوا کسی نے سمندِ خامہ کو حرکت میں لانے کی تکلیف نہ اٹھائی۔ آہ سے

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

---

[1] اس سلسلہ میں ہم قاضی منظور حسین صاحب امرتسری کلرک دفتر اہلحدیث اور شیخ دین محمد صاحب امرتسری ٹیلیگرافسٹ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے حالات فراہم کرنے میں سب سے زیادہ ہماری مدد کی۔ علاوہ ازیں ہم منشی مولا بخش صاحب کشتہ امرتسری، مولوی عبدالعزیز خونی چک، منشی محمد خان سیف گوندل، جناب محمد ابراہیم صاحب قریشی میانوالی، بی باسط بلہاردی، مولوی ابوالعرفان محمد سفیان عظیم آبادی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی کچھ نہ کچھ حالات لکھ بھیجے۔ (خادم)

اہل شرک و بدعت نے اگرچہ زندہ اولیاء و اقطاب کی تعظیم و قدر نہیں کی۔ وہ ان کو ساری عمر ستاتے، دکھ دیتے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتے رہے۔ مگر اتنا تو ہے کہ وہ مردہ بزرگوں کی یادگار کسی نہ کسی صورت میں قائم کر دیتے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کے خلاف شہادت دینے والی عیسائی قوم، جس کو آج اپنی مذہبی بے رغبتی اور مادہ پرستی پر بڑا ناز ہے۔ الحاد و دہریت کے اس مغربی دور میں بھی اپنی کسی مشنری کے نام اور کام کو ابدی زندگی دے ہی دیتی ہے۔ مسٹر واٹن شروک اہل فرنگ کا ایک مسیحی مبلغ تھا۔ جس نے عیسائیت کی صداقت میں اپنی ہفتاد سالہ عمر میں صرف آٹھ کتابچے لکھے ہیں۔ بڑے سے بڑا رسالہ ۸۹ صفحات سے زائد نہیں۔ لیکن سن لیجیے! کہ یہ آٹھ رسائل بائیس سال میں پانچ پانچ سو مرتبہ چھپے ہیں۔ اور ہر بار ان کی اشاعت کی مجموعی تعداد پندرہ لاکھ سے کم نہ تھی۔ مسٹر واٹن مئی ۱۹۴۹ء میں وفات پا گئے۔ ان کے دوستوں اور معتقدوں نے ان کی یادگار کے طور پر واٹن ریلیجس ریسرچ سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس کا آغاز ۷۶ ہزار پونڈ کے خرچ سے ہوا۔ سوسائٹی نے واٹن کی لائف مرتب کرنے کے لیے اس کے ارادتمندوں سے اپیل کی کہ وہ آنجہانی کے حالات بھی لکھ بھیجیں اور کتاب چھپوانے کے لیے امدادی رقم بھی دیں۔ بس اعلان کا چھپنا تھا کہ نہ صرف واٹن کے حالات کا پلندا جمع ہو گیا، بلکہ انجمن کو دو لاکھ چالیس ہزار پونڈ کی خطیر رقم بھی وصول ہو گئی۔ اب اس کی سوانح عمری جو چار سو صفحات پر حاوی ہے بارہ پونڈ یعنی ۵۶ا روپے پاکستانی میں فروخت ہو رہی ہے۔ علاوہ بریں سوسائٹی نے واٹن کے نام سے ایک ہسپتال، ایک دار الیتامیٰ اور ایک دار المطالعہ بھی کھول رکھا ہے، جن کا خرچ عوام کے چندوں ہی سے پورا ہو جاتا ہے۔ یہ ان قوموں کے کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں خود زندہ رہنا اور اپنے بزرگوں کا نام زندہ رکھنا ہے — اور ہمارے لیے یہی فخر کافی ہے کہ ہم نام کے مسلم ہیں کام کے نہیں!

مولانا ثناء اللہ مرحوم کے حالاتِ زندگی جمع اور مرتب کرنا تنہا ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ اسی لیے ہم نے حضرت مرحوم کے واقف کاروں اور بزرگانِ جماعت اہلِ حدیث کو دعوتِ فکر و عمل دی۔ لیکن جب ہماری پکار کا جواب سکوت و خامشی میں ملا۔ تو ہم نے یاس و قنوط کو گناہ سمجھا۔ اور کنجِ عزلت میں اکیلے بیٹھ کر اللہ کے نام سے کام شروع کر دیا۔ مگر ؎

کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ!
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا

"سیرۃ ثنائی" کی تالیف و تدوین، ترتیب و تبویب میں جن کٹھن مشکلات کا ہمیں سامنا کرنا پڑا۔ اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں، یا ہمارا خدا۔ چند احباب نے جو مضامین ہمیں ارسال فرمائے وہ اگرچہ بہترین تھے اور تحقیق و کاوش سے لکھے گئے تھے۔ مگر اتنے مختصر اور ناکافی تھے کہ ان کے مجموعے سے ایک چھوٹا سا کتابچہ تو ضرور تیار ہو سکتا تھا۔ مگر کوئی ٹھوس علمی تصنیف، جس سے جماعت اور قوم کو خاص نفع پہنچ سکے پیش نہیں کی جا سکتی تھی —— پایانِ کار، وہ جو مایوسیوں کا مونس اور اکیلوں کا رفیق ہے، ہمارا حامی اور مددگار بنا۔ اور ہمیں مرحوم ہی کے جرائد و تالیفات سے ان کے علمی و عملی حالات کا ایک ذخیرہ مل گیا۔ از بسکہ ہم خود حضرت کے نیاز مند تھے۔ ان سے ارادت رکھتے تھے۔ ان کی دینی مجلسوں اور علمی صحبتوں میں بیٹھے تھے۔ اُن کی تقریریں سنی تھیں۔ اُن کے پند و مواعظ سے مستفید ہوئے تھے۔ اُن کے مناظرے دیکھے تھے۔ اُن کے درس تدریس میں شریک ہوئے تھے۔ اس لیے جو حالات و واقعات ہمیں خود یاد تھے وہ بھی اس بحرِ زخار کی غواصی کے وقت ہمارے یار و معاون بنے۔ بہرکیف ؎

کاغذی جامہ بپوشید و بدرگاہ آمد
زادۂ خاطرِ من تا بدہی دادِ مرا

ہم اس شکایت —— نہیں نہیں! دکھ کی حکایت کے بعد خدائے ناصر و معین

کا بے حد و عد شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ اس نے ہمارے ضعیف ہاتھوں اور ناتواں قلم کو یہ سیرت مرتب کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اگر اکابر علمائے جماعت، مولینا کے سوانح مرتب فرماتے تو یقیناً اس سے زیادہ اور بہتر حالات پیش کر سکتے تھے لیکن ہم نے اس کے جمع و تدوین میں جو مصائب برداشت کیے۔ اور جس محنت و دماغ سوزی سے کام لیا۔ وہ ہماری علمی بے بضاعتی پر دال اور شاہد ہے۔ تاہم شکر ہے اس معبودِ حقیقی کا کہ ہم جس بات کا عزم کر چکے تھے، وہ پوری ہوئی۔ اُس نے ہمیں کامیابی بخشی۔ ہمارے پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے پائی۔ چنانچہ آج یہ مجموعۂ حالاتِ ثنائی آپ کے مشتاق ہاتھوں میں ہے۔ خدا کرے کہ آپ اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں اور ہماری محنت ٹھکانے لگے۔ اور آپ نہ صرف مرحوم کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ بلکہ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شریک فرمائیں۔

مولینا کی یہ سیرت درحقیقت اسلام کے عروج و زوال اور توحید و بدعت کی آمیزش کا ایک سرسری مگر تاریخی نقشہ ہے جو ہر قاری کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ یہ مختصر سی کتاب آپ کو بتائے گی کہ:۔

۱۔ قرونِ اُولیٰ میں اسلام کا کیا رنگ تھا؟ مسلمان کس طرح دیوانہ وار کتاب و سنت کی پیروی کرتے اور دنیا کے کونے کونے میں خدائے یکتا کی توحید پھیلاتے تھے۔ مشرک و مبتدع لوگوں نے اس کو مٹانے اور بدعات و محدثات کو رواج دینے کے لیے کیا کیا فتنے کھڑے کیے۔

۲۔ ریفارمر اور مصلح کیوں آتے ہیں؟ کیا کہتے ہیں۔ کیا تعلیم دیتے ہیں۔ کیا اثر چھوڑتے ہیں؟ قوم نے ان سے کیا کیا سلوک کیے۔ ان کے خلاف کیوں کمر عداوت باندھی؟

۳۔ مولینا ابوالوفاءؒ کیوں دنیا میں تشریف لائے؟ قدرت نے اُن سے کیا کیا کام لیے۔ کیا کیا خدمات ان کو سونپی گئیں؟ ان کو اپنے مشن اپنے مقصد میں کس قدر کامیابی ہوئی؟

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ :

۴۔ ریاست کشمیر کے مجبور و بے بس مسلمانوں کو ہندو بنانے، ان کی روایات تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت تباہ کرنے کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں نے اس پر کیا کیا ستم رانیاں کیں؟ جو پھوڑا انقلاب ۱۹۴۷ء میں پھوٹا، کشمیر و بھارت میں اس کا مواد کب سے اور کیوں کر پک رہا تھا؟ مولینا کیوں پنجاب میں پیدا ہوئے؟ ان کے والد نے کیوں ترکِ وطن کیا۔ اس میں کیا مصلحت تھی؟

۵۔ اسی کتاب میں آپ کو ایک اور تاریخی چیز ملے گی۔ وہ یہ کہ ڈوگروں، سکھوں اور انگریزوں کی خفیہ گٹھ جوڑ سے عہد نامۂ امرتسر کس طرح عمل میں آیا؟ اور کشمیر کا ہر مسلمان صرف بارہ آنے میں کیوں کر ڈوگروں کے ہاتھ بک گیا؟ یہ چیز نادر بھی ہے اور عبرت انگیز بھی! علاوہ بریں مسلم تاجداران کشمیر کا دورِ حکومت اور اس کا افسوسناک زوال بھی آپ کے سامنے آئے گا۔

اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ :-

۶۔ مولینا ؒ ایک معمولی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کس مپرسی کی حالت میں رفوگری سیکھی۔ مگر کس طرح آپ حیرت انگیز ترقی کر کے عالم دین، مجتہد، فقیہ، مُناظِر، مصنّف اور ایک جماعت کے لیڈر بن گئے۔

یہی کتاب آپ کو بتائے گی کہ :

۷۔ اسلام میں علماء کی کیا فضیلت ہے؟ علم کی کیا تعریف ہے؟ تحصیل علم کی کیا غایت ہے؟ علمائے خیر و علمائے شر میں کیا فرق ہے؟ مسلمانوں کو دنیوی و اخروی فلاح و نجات کے لیے کون سے علم کی ضرورت ہے؟ خداوند تعالیٰ اور اس کے نبی علیہ السلام نے مسلمانوں کو کیا کیا پڑھنے اور سیکھنے کی ہدایت فرمائی ہے؟

۸۔ مولینا نے کس طرح علم سیکھا۔ تحصیل و تکمیل کے لیے کیا کیا مصائب و آلام برداشت کیے؟ — اس کتاب سے معلوم ہو گا۔ کہ معلم اور متعلم، استاد و شاگرد کے کیا تعلقات ہوتے ہیں؟ اساتذہ کس طرح پڑھاتے اور تلامذہ کیونکر پڑھتے ہیں؟

ایک معمولی پڑھے لکھے کو اعلیٰ دینی تعلیم کا کیسے شوق پیدا ہوا ہے؟ وہ اسے کس طرح پورا کرتا ہے۔ اور تحصیل علم کے بعد کیا بنتا اور کیا بناتا ہے۔ مسلم اساتذہ و اس میں درج کے لیے یہ حالات بیحد سبق آموز ہیں۔

۹۔ اس کتاب میں آپ کو مولیناؒ کے عادات و خصائل ملیں گے جن سے معلوم ہو گا کہ مرحوم خلق محمدی کا کتنا اچھا نمونہ تھے۔ آپ بلا امتیاز مذہب و ملت سب کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آتے اور اسی تیغ الفت سے دشمن جان مخالفین کو بھی مسخر کر لیتے تھے۔ اہلحدیثوں پر بدخُلقی و بے مروتی کا الزام لگانے والوں کے لیے آپ کے خصائل ایک روشن دلیل بھی ہیں، اور شمع راہ بھی۔

۱۰۔ آپ کی مذہبی زندگی میں خواص و عوام کے لیے بہت سے سبق ملتے ہیں۔ کہ دشمن اسلام انگریز نے مسلمانوں کو دین حنیف سے منحرف کرنے اور ان کو مٹانے کے لیے زہر میں بجھے ہوئے اس قدر کانٹے بو رکھے تھے۔ جن کو مردانہ وار کاٹنا صرف آپ ہی کا کام تھا۔ اس باب میں آپ یہ افسوسناک حالات بھی پڑھیں گے، کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے کفار و مشرکین کی تقلید میں اپنا دین و ایمان برباد کر لیا تھا۔ اگر مولیناؒ مامور نہ ہوتے تو اسلامیانِ ہند و پاک کا مقدس مذہب کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔

۱۱۔ آپ یہ بھی مطالعہ فرمائیں گے، کہ حضرت مغفور نے مناظرہ ایسے خشک موضوع میں کس طرح جذب و دلکشی پیدا کی۔ اس فن شریف کو کیونکر کمال تک پہنچایا۔ لطف یہ کہ جن لوگوں سے آپ مناظرہ کرتے وہی آپ کے پاؤں پر گرتے اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے۔

علم مناظرہ، جو حقیقت میں تبلیغ و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور جسے علمائے اسلام کو حاصل کرنا چاہیے، حضرت کی وفات کے بعد رخصت ہو گیا، اور اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ مرحوم ہی اس فن کے موجد اور وارث تھے ان کے بعد کسی میں ذوق مناظرت پیدا نہ ہو گا۔ الا ماشاء اللہ [1]

---

[1] مرحوم کے بعد اگرچہ آپ کی مثل کوئی مناظر پیدا نہ ہوا مگر بڑے بڑے اچھے اور لائق مناظر ہوئے ہیں۔ جن کا مختصر خاکہ ہماری کتاب "تجربات و مشاہدات" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (فاروقی)

یہ کرتے اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ نے بھی اسی رنگ میں تصنیف فرمائیں، جن کا جواب ہی نہیں۔

۱۳۔ سیرت ثنائی آپ کو یہ بھی بتا دے گی، کہ دشمنان بد باطن نے اس خادم اسلام پر جو جو ناقابل برداشت سختیاں کیں۔ اس کو جان سے مارنے کے ارادے کیے۔ اس پر قاتلانہ حملے کیے۔ ان کا جواب اس نے کس خلق و محبت سے دیا۔ اور یہ عداوتیں، یہ مخالفتیں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کو پیچھے نہ دھکیل سکیں۔ اس نے سنت انبیاءؑ کے مطابق دشمنوں کی سختیاں جھیلیں۔ اور کوئی قانونی کارروائی نہ کی۔

۱۴۔ جماعتی خدمات کے سلسلے میں آپ کے حالات سے پتہ چلے گا کہ آپ نے توحید الٰہی کو زندہ و باقی رکھنے والے اس گروہ کی کس قدر امداد فرمائی۔ کس طرح اسے مضبوط و مستحکم کیا۔ اور سارے پاک و ہند میں اس کی شاخیں پھیلا دیں۔ دراصل یہ آپ کی جماعتی خدمات نہ تھیں۔ توحید و سنت کی خدمات تھیں! حق تو یہ ہے کہ آپ ہی کی مساعی جمیلہ کے طفیل آج جماعت اہل حدیث میں زندگی اور حرکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ آہ ——!

اس جماعت میں، جس نے آپ کے نام اور کام کو آج فراموش کر دیا ہے ——

بالکل فراموش!

۱۴۔ آپ اگرچہ مذہبی انسان تھے اور تمام عمر خدمت دین اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ لیکن آپ کے سیاسی حالات سے ظاہر ہو گا کہ آپ ملکی و غیر ملکی پالیٹکس سے بھی کماحقہ واقف تھے۔ آپ کی پولیٹکل زندگی بتائے گی کہ اسلام میں سیاست و وطنیت کا نظریہ کیا ہے؟ آپ کیوں سیاسی جماعتوں میں شامل ہوئے؟ جماعت اہلحدیث کو سیاسیات میں حصہ لینے کی کیوں تلقین فرمائی؟ الغرض مذہب اور سیاست کے تعلقات کو سمجھنے کے لیے یہ حالات بہت ممد و معاون ہیں۔ علاوہ بریں اس میں آپ کو مصور پاکستان علامہ اقبالؒ، معمار پاکستان یعنی محمد علی جناحؒ کی وہ تاریخی تقریریں بھی ملیں گی جن کے طفیل آٹھ کروڑ

مجبور و غلام مسلمانوں کو آزادی ملی۔ نیز مسلم لیگ کا وہ منشور آزادی بھی اس میں درج ہے۔ جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۵۔ حضرت مولینا جہاں ایک کامیاب مبلغ، مناظر اور مصنف تھے وہاں آپ ایک فائز المرام ایڈیٹر بھی تھے۔ جریدہ نگاری میں آپ کو وہ مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ آپ کے اخبارات و رسائل نے مذہب و ملت کی جو خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں، اور آب زر سے لکھنے کے لائق! اس کے علاوہ حضرت کی اخباری زندگی بتائے گی کہ ایک مسلمان کو اخبار کس مقصد سے جاری کرنا چاہیے۔ اس پر کیا کیا ادارتی فرائض عاید ہوتے ہیں۔ اور مسلم جرائد کو کیا روش اختیار کرنی چاہیئے۔

۱۶۔ آخری باب ہجرۃ و رحلت سے متعلق ہے۔ اور اس میں بھی گوناگوں عبائر و بصائر، بوقلموں اسباق و دروس مضمر ہیں۔ یہ اندوہناک و رنج دہ حالات آپ کے ہر محب و معتقد کو خون کے آنسو رلائیں گے کہ کس طرح آپ نے ضعیف العمری میں ان آلام و مصائب، صدمات و حوادث کو برداشت کیا۔ جو انقلاب ۱۹۴۷ء میں آپ کو پیش آئے۔ اکلوتے فرزند کی شہادت اور بیش قیمت کتب خانے کی سوختگی، یہ دو صدمے ایسے نہ تھے جو بوڑھی عمر میں سہے جاتے۔ مگر واہ رے صبر و سکون! کہ آپ نے انہیں بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ حقیقت میں یہ باب اس قیامت کی ایک خونی داستان ہے جو اسلام کی تباہی و بربادی کے لیے اس کے فرزندوں پر ٹوٹی۔ اور جس کے بد اثرات آج بھارتی مسلمانوں کو ایک گونہ ختم کر رہے ہیں۔

خلاصہ تحریر یہ کہ یہ ایک سطحی خاکہ ہے اس کتاب کا جو اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ اس کو بغور پڑھنے سے حضرت مولانا کے حالات زندگی ہی معلوم نہ ہوں گے بلکہ آپ پر اور بھی بہت سے علمی، دینی، سیاسی، قومی امور کا انکشاف ہوگا۔ اگر آپ کی سیرۃ کو مشعل راہ بنایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو انسان کی زندگی سدھر سکتی ہے، بگڑی بن سکتی ہے، اخلاق و عادات سنور سکتے ہیں۔ وہ علم و مذہب میں،

دین و دنیا میں ترقی پا سکتا ہے ہر مشکل اور ہر مصیبت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ الغرض یہ کتاب دنیوی ترقی کی رہبر بھی ہے اور اُخروی معراج کی رہنما بھی۔

مولینا ابوالوفا ؒ نے ایک مرتبہ وعظ میں جماعت اہلحدیث کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اس کے ہر ممبر ہر فرد کو حیاتِ جاوید پانے کے لیے اپنے اعمال و کردار کو صالح بنانا چاہیے۔ اور توحید کے اس علمبردار جماعت کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیئے۔ اسے مضبوط و قوی بنانا چاہیے۔ اسی وعظ میں آپ نے حکیم مشرق کا یہ شعر بھی پڑھا ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن اپنا تو بن

مولیناؒ کا یہ ارشاد حقیقت میں اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ مذہب و ملّت کے بزرگوں کا نام زندہ رکھنا کسی رہبر یا دین و قوم پر احسان نہیں ہوتا۔ اس کے نام کو ابدی زندگی محض اس لیے دی جاتی ہے کہ انسان خود فلاح و اصلاح پائے۔ اُس کی پیروی سے اپنی دنیا آپ بنائے۔ اپنی آخرت سنوارے۔ دیکھ لیجیے! اگر انبیائے کرام ؑ صحابہ عظام ؓ، تابعین، تبع تابعینؒ دوسرے بزرگان سلف کے اقوال و اعمال تاریخ میں زندہ نہ رہتے۔ اور ان کے حالات زمانے میں محفوظ نہ ہوتے تو آج ہمارے دین ہماری قوم کا نشان تک نظر نہ آتا۔ مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا بھلا ہو کہ انہوں نے ان بزرگوں کے نام اور کام کو زندہ رکھ کر ہمارے لیے دین و دنیا کے عروج و ارتقا کی شاہراہیں کھول دیں۔ جن پہ گامزن ہو کر ہم دنیا و عقبیٰ کے لیے سامان فوز و فلاح اکٹھا کرتے ہیں۔

پس مولانا مغفور کے نام، ان کے کام اور ان کے مشن کو زندہ رکھنا اس لیے ضروری نہیں کہ وہ اسلام کے فرزند ارجمند تھے، قوم کے اعلیٰ فرد تھے، یا جماعت کے رکن رکین تھے بلکہ اس لیے لازم ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا اور کہا۔ وہ ہمارے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے مجاہدانہ طرز عمل کو اپنا کر پوری کی پوری قوم، سالم کی سالم جماعت اعلیٰ اور نیک مقاصد میں کامیاب و فائز المرام ہو سکتی

ہے۔ کسی کا قول ہے "تم یہ نہ دیکھو کہ وہ کرتا کیا ہے؟ تم یہ دیکھو کہ وہ کہتا کیا ہے۔ اگر کسی شخص کے اعمال اچھے نہ ہوں، اقوال اچھے ہوں تو اس کے اقوال پہ چلنا بھی اصلاح و فلاح کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص کے قول و فعل میں فرق نہ ہو، جس کی گفتار و کردار ایک ہو اس کے مشن کا احیا تو ہر فرد قوم پہ لازم ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت مولیناؒ کے نام اور مشن کو حیات جاوید بخشنا نہ ان پر احسان ہے نہ قوم و جماعت پر۔ ہمیں صرف اپنی فلاح و نجات، اپنی ترقی و عروج، اپنی بہتری و برتری کے لیے اُن کی یاد تازہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں، کہ مُقلّدین اور اہل بدعت کی طرح ہم بھی مولینا مرحوم کی لحدِ مبارک کو پختہ بنائیں۔ ان پر قبّے، گنبد، منارے اور بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کریں۔ ان پر میلے لگائیں، عرس منعقد کریں، یا سال کے سال رسمی طور پر مولانا کی یاد میں "برسی" ۔ ۔ ۔ ۔ "یوم" اور "ڈے" منائیں (اعاذنا اللّٰہ عنہا) مقصد یہ اور صرف یہ ہے کہ آپ کے نام سے کوئی ایسی غیر فانی یادگار قائم کی جائے۔ جو آپ کے نام، آپ کے کام اور آپ کی خدمات کو بقائے دوام بخشے[1]

یہ فرض جماعت کا ہے۔ اور اسی نے اس کو سرانجام دینا ہے۔ کسی بدعتی اور مشرک مسلمان سے تو یہ توقع نہیں ہو سکتی۔ ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

حضرت مولاناؒ کی سب سے بہترین مفید اور نفع بخش یادگار ان کی تصانیف او

---

[1] اس سلسلے میں ہم نے اخبار اہلحدیث جاری کر رکھا ہے۔ جو درحقیقت انہی کی یادگار ہے اب جماعت کا فرض ہے کہ اس یادگار کو قائم رکھے۔ اور اہلحدیث کی اشاعت بڑھائے (خادم) یہ اخبار حضرت مولیناؒ سوہدری کی وفات کے دو سال بعد تک جاری رہا پھر بوجوہ بند ہو گیا ویسے آج کل بعض اہم مقامات پر ثنائی ہال اور ثنائی لائبریری بن چکی ہے۔ (فاروقی)

علمی و تحقیقاتی مضامین ہیں جو اخبار "اہلحدیث" امرتسر میں شائع ہوتے رہے۔ اور یہی دو چیزیں جماعت اور عامۃ المسلمین کو روحانی طور پر فیض یاب کر سکتی ہیں۔ آپ کی تالیفات اگرچہ مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ مگر ان کو بکرر طبع کرنے کا اہتمام و انتظام جماعت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ بہتر ہو کہ کتب خانے کے ساتھ ایک وسیع لائبریری بھی کھولدی جائے اور مفید و بہترین علمی و مذہبی کتابوں کے ساتھ مولیناؒ کی تمام تصنیفات بھی اس میں رکھی جائیں۔ اس طریق سے مرحوم کا نام اور مشن بھی زندہ رہے گا۔ اور توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ بھی ہو جائے گی۔

دوسرا کام ہے۔ حضرتؒ کے مضامین کی جمع و تدوین کا ، جس کے لیے ہم جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کو تیار ہیں۔ امکان بھر کوشش کی جائے گی ، کہ ان کے علمی مقالات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے۔ احباب نے پسند کیا تو "جمعیت تبلیغ اہلحدیث سوہدرہ" یہ کام بھی اپنے ہاتھ میں لے گی۔ اس مجموعے کو ترتیب دے کر چھاپے گی اور اپنے اہتمام سے شائع کرے گی۔ اس کے علاوہ حضرت مرحوم کے فتاویٰ بھی مدوّن کر کے کتابی صورت میں چھاپ دیئے جائیں گے[1] انشاء اللہ العزیز!

نامناسب ہوگا ، اگر ہم مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ "یعنی جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا" کے حسب ارشاد اپنے رفیق کار حکیم سید محمود گیلانی صاحب کا شکریہ ادا نہ کریں ، جن کی قلمی معاونت سے یہ سیرۃ پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ نیز روزنامہ "انقلاب" و "زمیندار" اور اخبار "ندائے مدینہ" بھی مستحق شکریہ ہیں ، جن کے مولانا مرحوم سے متعلق بعض مضامین سے ہم نے استفادہ

---

[1] افسوس حضرت مولینا عبدالمجید سوہدروی مرحوم کی زندگی نے وفا نہ کی اور آپ چند سال بعد یعنی ۱۹۵۹ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ کام دیے کرنے کے ہیں۔ بیشک جماعت کو ادھر توجہ کرنی چاہیئے۔ ہم نے خطبات ثنائی اعلیٰ معیار پر چھاپ دی ہے اور کچھ مزید کتب کی طباعت کا بھی خیال ہے۔ (فاروقی)

کیا۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ اگر ان جرائد اور بالخصوص اخبار اہلحدیث کے فائل کی امداد واعانت میسر نہ آتی۔ تو ہم حضرت مغفور کی یہ سوانحعمری مرتب اور شائع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ آخر میں ہم قارئین سیرۃ اور برادران جماعت سے ایک بار پھر گزارش کریں گے۔ کہ جن اصحاب کو حضرت مولینا ابوالوفاؒ کے مزید حالات وواقعات معلوم ہوں وہ دفتر "اہلحدیث" سوہدرہ ڈگوجرانوالہ میں ارسال فرمائیں[1] تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ہم ان کو شامل کر سکیں۔ اور یہ سیرۃ پہلے سے بھی زیادہ مفید و مکمل بن جائے۔ امید ہے کہ احباب کرام توجہ فرمائیں گے۔ والسلام۔

عبدہٗ
عبدالمجید خادم عفی عنہ
مدیر "اہلحدیث"

سوہدرہ
یکم اپریل ۱۹۵۲ء

---

[1] اب یہ رابطہ اس پتہ پر قائم کریں:—

مسلم پبلی کیشنز ۵۔ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

افتتاحیہ

تاریخِ اسلام پر ایک طائرانہ نظر

رسول اور پیغمبر دنیا میں کیوں مبعوث ہوئے؟ مُصلح یا ریفارمر کہاں تشریف لائے؟ دینی و ملی راہنما، اور مذہبی لیڈر اللہ تعالیٰ نے کیوں بھیجے؟ علماء و فضلاء، فقہاء، و صلحاء، مجددین و مجتہدین و اولیاء کی کیا کیا ڈیوٹیاں لگائی گئیں مبلّغین و محدّثین کو کیا کیا خدمات سونپی گئیں؟ —— اس عقدے کا حل تاریخ اسلام کے اوراق میں ملے گا! نصوصِ قرآنیہ ان کی بعثت کا مقصد بتائے گی۔ آثار و احادیث سے اُن کے آنے کی غرض معلوم ہوگی۔ اور اس کے علاوہ جہالت و ضلالت، کفر و الحاد، شرک و بدعت کا ہر زمانہ، اپنی زبان سے ان کی تشریف آوری کی ضرورت و غایت بیان کرے گا ——

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولینا ابوالوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح قلمبند کرنے سے بیشتر خیر القرون ازمنہ وسطےٰ اور ان کے بعد کے ادوارِ کفر و ضلالت پر ایک چھچلتی ہوئی نگاہ ڈالی جائے: تاکہ ہمیں مولینا کا مقام سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور ہم یہ جان سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رفوگر کو آبائی پیشہ سے محروم کر کے علماء و محدثین، مبلغین و مناظرین کی مسند پر کیوں لا بٹھایا؟ اور وہ کیا غرض و غایت، ضرورت و مصلحت تھی جس کے لیے خدائے قدوس نے اس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھ کر اس کو مصلحین و مجتہدین کی صف میں جگہ عطا فرمائی؟

اسلام اور پیغمبر اسلامؐ

حضور ختمی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک سے پیشتر عرب کیا ساری دنیا کی جو حالت تھی، وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ کائناتِ عالم کے گوشے گوشے میں کفر و شرک، الحاد و زندقہ کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اس کی شعلہ باریاں نہ صرف مخلوق کے عادات و اخلاق، تہذیب و معاشرت تمدن و شرافت کو خاکستر بنا رہی تھیں، بلکہ انسان کی انسانیت، بنی نوع آدم کی آدمیت جل چکی تھی، وہ بہائم و وحوش کے خصائل اختیار کر چکے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ہزاروں نہیں، لاکھوں اور کروڑوں شریک اور ساجھی ٹھہرا لیے گئے تھے۔ حقیقی معبود فراموش ہو چکا تھا۔ معبودانِ باطلہ کی پرستش ذریعہ نجات تھی۔ حجر و شجر، شمس و قمر، نجوم و کواکب، انسان و حیوان، چرند و پرند، وحوش و طیور، نباتات و جمادات۔ غرض دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کی پوجا نہ ہوتی ہو۔ آگ اور ہوا، پانی اور مٹی تک کو معبود و الٰہ بنا لیا گیا تھا۔ یہی چیزیں مشکل کشا، حاجت روا، اور فوز و فلاح کا موجب سمجھی جاتی تھیں۔ خود بیت اللہ شریف بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور عرب میں تو ہر خاندان اور ہر قبیلے کے جدا جدا معبود گھڑ لیے گئے تھے۔ علاوہ بریں اس وقت کے رائج اور محبوب مذہب عیسائیت کا یہ حال تھا کہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مریم صدیقہ، روح القدس یا فرشتۂ وحی کو خدا اور معبود کا درجہ دے دیا گیا تھا۔

اِنہی بگڑے ہوئے حالات کو بنانے اور سنوارنے کے لیے اسلام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اور جناب خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائے بعض تو ایک

ضعیف اور موضوع روایت کی بنا پر کہتے ہیں کہ "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" زمین و آسمان حضورؐ ہی کے لیے بنائے گئے۔ اور کائناتِ عالم حضورؐ ہی کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ اگر حضورؐ نہ ہوتے، تو یہ سارا کارخانہ ہی نہ ہوتا، اس لیے آپؐ کا مبعوث ہونا ضروری اور لازمی تھا۔ مگر یہ تو محض ایک حسن عقیدت ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غایت یہ اور صرف یہ تھی کہ دنیا کے کونے کونے سے شرک و کفر، جہالت و ضلالت کا قلع قمع کیا جائے۔ اور تمام اکنافِ عالم میں خدا اور خدا کے مقدس و محترم نام کو پہنچا دیا جائے۔ اور اسی کی عبادت کرائی جائے۔

تعلیماتِ نبویؐ

توحید، چونکہ اسلام کی جڑ، بنیاد اور رُوح ہے۔ اس لیے اسی اساسِ اعظم پر شریعت مطہرہ کی فلک بوس و عرش پیما عمارت کھڑی کی گئی۔ اور اسی لیے ارشاد ہوا۔ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُکّانِ کائنات کو کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں۔ چونکہ حضور علیہ السلام کا ہر قول اور ہر فعل حکیمانہ تھا۔ اس لیے ارشادات و اعمالِ نبویؐ کو "حکمت" کا خطاب دیا گیا۔ جسے دوسرے الفاظ میں حدیث اور سنت کہنا چاہیئے۔ منکرین حدیث کہتے ہیں۔ کہ کتاب و حکمت قرآن پاک ہی کا نام ہے۔ اور "حکمت" قرآن سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ اگر اس تاویل و توجیہہ کو درست مان لیا جائے۔ اور حکمت کو کلام اللہ ہی تسلیم کر لیا جائے۔ تو بتایا جائے کہ جملہ اہل کتاب کو اللہ جل شانہٗ نے اھل حکمۃ کے نام سے کیوں موسوم نہیں کیا؟ نیز قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلّم کتاب

کا ذکر آیا ہے، اس کے ساتھ حکمت کا لفظ برابر موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ کتاب اور حکمت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کتاب، کلام اللہ ہے اور حکمت کلام رسولؐ۔ کتاب گفتۂ خدا ہے اور حکمت فرمودہ نبی۔ اور ان میں باہم تطابق و تناسب پایا جاتا ہے۔ یعنی ع

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود!

خصوصاً جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر غور کیا جائے کہ تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّتِي "میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ ایک قرآن حکیم اور دوسری اپنی سنت یعنی حکمت" تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظّم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ بر جان مسلّم داشتن

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتاب و حکمت کے ذریعے جو تعلیم و تدریس فرمائی، چونکہ اس میں ایک مرتبہ نہیں، بار بار توحید الٰہی کی تبلیغ و تلقین کی گئی ہے۔ اس لیے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہوا کہ :۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی واحد و یکتا ہے۔

۲۔ وہی معبود حقیقی ہے۔

۳۔ اس کے سوا کسی کی پرستش جائز نہیں۔

۴۔ وہی تمام جہان اور اس کی ہر شے کا خالق و مالک، رب و رازق، حاکم و بادشاہ، نگران و محافظ اور ناصر و مددگار ہے۔

۵۔ وہی حیّ و قیّوم ہے۔

۶۔ وہی مشکل کشا و حاجت روا ہے۔

۷۔ وہ رحمان و رحیم ہے۔ یعنی خود بخود بھی دیتا ہے۔ طلب کرنے پر بھی دیتا ہے۔

۸۔ وہی مارتا اور زندہ رکھتا ہے۔

۹۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مشیر۔

۱۰۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے پیدا کیا وہ ابوّیت و ابنیّت سے مبرّا ہے۔

۱۱۔ غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز دینا، ان کو پوجنا، ان سے حاجات و ضروریات مانگنا اور ان زندوں یا مردوں کی اس لیے زیارت کرنا کہ وہ مرادیں دیں گے کام سنواریں گے یا آفات و مشکلات، آلام و اسقام، مصائب و نوائب دُور کریں گے شرک اور کفر ہے اور یہی کفار و مشرکین کا طریق عمل ہے۔

۱۲۔ تمام بدعات و محدثات گمراہی میں داخل ہیں۔ اور گمراہ کی سزا نار جہنم ہے۔

۱۳۔ قرآن و حدیث کے مطالب و معانی میں نئی نئی تاویلیں گھڑنا اور خلاف کتاب و سنت نئے مسائل دین میں ٹھونسنا اور کلام اللہ و ارشادات نبویؐ کو چھوڑ کر دوسروں کے اقوال سے مسائل و احکام کا استخراج کرنا اور معقولات کو منقولات پر ترجیح دینا بدعت و ضلالت ہے اور نصوص و آثار کے منافی۔

۱۴۔ کتاب و سنت کو نظر انداز کر کے تقلید شخصی اختیار کرنا اور اقوال خدا و رسولؐ سے منحرف ہو کر فقہا و مجتہدین کی تحریر و تقریر، قول و عمل کا سہارا لینا اور اسے جزو دین و ایمان بنانا قباحت اور مداخلت فی الدین کے مترادف ہے۔

یہ ہیں اسلام کے وہ بنیادی اصول و مسائل، جن میں شرع شریف کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ باقی جس قدر احکام و آئین ہیں۔ وہ انہی کی شاخیں اور برانچیں ہیں۔

تعامل صحابہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ سعید میں اور آپ کے بعد جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں کتاب و سنت ہی پر تعامل رہا وہ سب بادۂ عشقِ رسولؐ میں اس قدر مخمور و سرشار نظر آتے تھے کہ کسی بات اور کسی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے خلاف چلنا انہیں سخت ناگوار اور تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ ذیل کی چند مثالوں سے ان عاشقانِ رسول مقبول کا تمسّک بالکتاب والسنّت صاف عیاں ہو رہا ہے۔

ابن عباسؓ کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو حِبْرُ الْاَئِمَّہ بھی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ رَأْیًا لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلَمْ تَمْضِ بِہٖ سُنَّۃٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ اَدْرِ عَلٰی مَا ھُوَ مِنْہُ اِذَا لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ۔

"جو شخص ایسی رائے نکالے گا جس کا نہ تو قرآن کریم میں ذکر ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں ثبوت ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ عز وجل کے روبرو اس کا حشر کیسا ہوگا؟"

فاروق اعظمؓ کا خط

۲۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت شریحؒ کو ایک

مکتوب تحریر فرمایا۔ جس میں آپ نے لکھا:

إِنْ جَآءَكَ شَيْءٌ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَاقْضِ بِهٖ وَلَا يَلْتَفِتْكَ عَنْهُ الرِّجَالُ فَإِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِهَا فَإِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَخُذْ بِهٖ فَإِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ بِرَأْيِكَ ثُمَّ تَتَقَدَّمَ فَتَقَدَّمْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَتَأَخَّرَ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَّكَ۔

"تمہارے سامنے اگر ایسا مسئلہ آجائے جو قرآن کریم میں مذکور ہے، تو کسی کی مت سنو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھو۔ اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر وہ مسئلہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں تو اس قسم کا کوئی مقدمہ اس سے پہلے بالاتفاق رائے فیصل ہو چکا ہو تو اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر یہ ایسا مسئلہ ہے کہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ اس سے پیشتر کسی نے اس کے متعلق کچھ کہا ہے تو تمہیں اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد سے آگے بڑھنا چاہو تو بڑھو اور پیچھے ہٹنا چاہو تو ہٹ آؤ۔ اور میں تو پیچھے ہی ہٹنے کو تمہارے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔"

ابن مسعودؓ کا فرمان

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اصحاب کبار کی فضیلت ان کے اعمالِ حسنہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ عَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهُمْ تَكَلُّفًا إِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔

"جو شخص ٹھیک رستے چلنا چاہے۔ وہ ان لوگوں کی راہ پر چلے، جو فوت ہو چکے ہیں کیونکہ زندوں کے لیے فتنوں میں مبتلا ہونے کا خوف ہے۔ وہ لوگ اصحاب رسول اللہ ہیں۔ یہی اس امت کے بہترین افراد ہیں۔ ان کے دل بہت نیک اور ان کے علم بہت گہرے تھے۔ ان میں تکلّف بہت کم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے ان کو منتخب فرمایا پس تم لوگ بھی ان کی بزرگی کی قدر کرو اور ان کے قدم بہ قدم رکھو اور جہاں تک ممکن ہو، ان کے سے عادات و اخلاق سیکھو کیونکہ یہ لوگ نہایت صحیح ہدایت پر تھے۔"

۴۔ یہی عبداللہ بن مسعودؓ جو صحابہ کرامؓ میں فقیہہ کہلاتے تھے، ایک اور جگہ کتاب وسنت کی اطاعت واتباع پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَمَنْ عُرِضَ لَهُ قَضَاءٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلْيَقْضِ فِيْهِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنْ جَاءَهُ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ جَاءَهُ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ وَلَمْ يَقْضِ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ۔

"اگر کسی کے پاس کوئی کیس آئے تو احکام کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر قرآن کریم میں اس کے متعلق فیصلہ نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق (یعنی حدیث وسنت کی رو سے) فیصلہ کرے۔ اور اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور حدیث رسولؐ میں بھی نہ ملتا تو بزرگانِ دین (اصحاب کبارؓ) نے جو فیصلہ اس قسم کے معاملے میں پہلے سے کر رکھا ہو، اسی کے مطابق فیصلہ کرے۔"

حضرت ابن مسعودؓ کا یہ بیان بعینہٖ حضرت عمر فاروقؓ کے اس مکتوب سے ملتا جلتا ہے جو پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خیر القرون میں صحابہ کرامؓ کے قول وعمل میں سرِ مُو فرق نہ تھا۔ وہ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے، وہ بالاجماع وبالاتفاق ہوتا تھا۔

ابن مہرانؒ کا ارشاد

۵۔ جناب میمون بن مہران رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جج منٹ اور طریق فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے

ہیں کہ:

كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا وَرَدَ عَلَيْهِ الْخَصْمُ نَظَرَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَجَدَ فِيْهِ مَا يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ قَضٰى بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْكِتَابِ وَعَلِمَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذَالِكَ الْاَمْرِ سُنَّةً قَضٰى بِهَا فَاِنْ اَعْيَاهُ خَرَجَ فَسْئَلَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ اَتَانِيْ كَذَا وَكَذَا فَهَلْ عَلِمْتُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيْ ذَالِكَ بِقَضَاءٍ فَرُبَمَا اجْتَمَعَ اِلَيْهِ النَّفَرُ كُلُّهُمْ يَذْكُرُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ بِقَضَاءٍ فَيَقُوْلُ اَبُوْبَكْرٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَّحْفَظُ عَلٰى نَبِيِّنَا فَاِنْ اَعْيَاهُ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ سُنَّةً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ رُءُوْسَ النَّاسِ وَخِيَارَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلٰى اَمْرٍ قَضٰى بِهٖ۔

"حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو پہلے قرآن پاک میں تلاش کرتے۔ اگر اس سے فیصلہ مل گیا تو اس کے مطابق کرتے ورنہ کوئی حدیث اس کے متعلق معلوم ہوتی تو اس سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر دونوں صورتیں نہ ہوتیں تو عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے کہ اس طرح کا مقدمہ ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کس طرح فیصلہ کیا تھا؟ پس بعض دفعہ تو لوگ بول اٹھتے کہ ہاں! حضورؐ کا فیصلہ اس مقدمے کی نسبت ہمیں معلوم ہے۔ آپؐ نے اس کا اس طرح فیصلہ فرمایا تھا۔ اس وقت جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے کہ اس نے ہمارے اندر ایسے افراد

پیدا کیے ہیں، جو حضورؐ کے فیصلوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ کسی دوسرے سے معلوم نہ ہوتا، تو آپؓ بہترین اور بزرگ ترین صحابیوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے اور جس صورت پر سب کا اتفاق ہوتا، اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔"

اللہ اکبر! کس قدر شوق تھا ان عشّاقِ رسول میں کتاب اللہ اور سنت نبوی کی پیروی کا۔ کہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں وہ قرآنِ کریم کی ورق گردانی کرتے یا احادیث نبی علیہ السلام کے صفحات الٹتے۔ اور جب تک کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث کے متعلق یہ اطمینان نہ ہو جاتا۔ کہ اس کیس، اس معاملے، اس بات کا فیصلہ ان میں نہیں ہے۔ وہ اپنے اجتہاد و تفقہ کو کام میں نہ لاتے۔

ابن عباسؓ کا تعامل

۶۔ ایک حوالہ اور لیجیے! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت و فضیلت علمی سے کون واقف نہیں، آپ قضایا و مقدمات کے فیصلوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اور اس زمانے میں جسٹس تسلیم کیے جاتے تھے۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ:

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ إِذَا سُئِلَ عَنِ الْاَمْرِ فَاِنْ كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ اَخْبَرَ بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْقُرْاٰنِ وَكَانَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَ بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَؓ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ قَالَ فِيْهِ بِرَاْيِهٖ۔

"حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا۔ اگر وہ قرآن مجید میں ہوتا تو اس سے بتلا دیتے اگر اس میں نہ ملتا تو حدیث رسول اللہ

سے بتلاتے۔ اگر دونوں میں نہ ملتا تو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے بیان فرماتے۔ اور جب کسی جگہ اثر نہ پاتے تو آخر میں) اپنی رائے ظاہر کرتے۔"

ابن مسعودؓ کا تعامل

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے قرآن و حدیث کی رُو سے اس کا جواز و عدم جواز بتادیا۔ سائل نے کہا۔ میں تو یہ پوچھتا ہوں کہ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جھڑکتے ہوئے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَأَرَأَيْتَ أَرَأَيْتَ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِأَرَأَيْتَ أَرَأَيْتَ وَلَا تَقِيسُوا شَيْئًا فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا

"اس سوال سے دور رہو۔ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ آپ کی رائے آپ کی رائے، کہہ کر مسائل دریافت کرتے تھے۔ خبردار! کسی مسئلے میں قیاس نہ کرنا۔ ورنہ جما ہوا قدم اپنی جگہ سے اکھڑ جائے گا۔"

ابن عمرؓ کی نصیحت

۸۔ اور ——— عبداللہ بن عمرؓ نے تو کتاب و حکمت کے اتباع سے متعلق اور بھی وضاحت فرمادی۔ چنانچہ ابن عمرؓ ایک بار حضرت جابرؓ سے ملے جناب جابرؓ اگرچہ خود بلند مرتبہ عالم و فقیہ تھے مگر آپ نے انہیں نصیحت فرمائی:

يَا جَابِرُ اِنَّكَ مِنْ فُقَهَاءِ الْبَصْرَةِ وَتُسْتَفْتٰى فَلَا تُفْتِيَنَّ اِلَّا بِكِتَابٍ نَاطِقٍ وَسُنَّةٍ مَّاضِيَةٍ وَلَا اَدْرِيْ۔

"اے جابر رضؓ! تم بصرہ کے بڑے عالموں میں۔ لوگ تم سے مسئلے پوچھیں گے۔ پس تم مسئلہ نہ بتانا مگر تین چیزوں سے۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن) جو حق و صداقت بیان کرنے والی ہے۔ دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، جس پر سب کا تعامل اور تیسری چیز لا ادری یعنی مجھے خبر نہیں"

مطلب یہ کہ، کتاب وسنت سے کسی مسئلے کسی معاملے کا حل نہ ملے تو اپنی رائے ہرگز پیش نہ کرو۔ اور صاف صاف کہہ دو کہ "میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

اللہ غنی! اصحاب رسولؐ کس قدر حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے کہ جو مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملتا، اس کی نسبت صاف کہہ دیتے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں اور استخراج واجتہاد، قیاس و تفقہ سے ہرگز کام نہ لیتے رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ معاملے میں قرآن و حدیث، کتاب وسنت پر عمل پیرا ہوتے اور ہر بات اور ہر مسئلے میں قال اللہ و قال الرسول کو مقدم سمجھتے تھے۔ جس طرح نبی علیہ السلام کو عمل کرتے دیکھتے اسی طرح کرنے لگ جاتے جو کچھ زبان رسالت سے سنتے اسی کو حرز جان بنا لیتے۔

علاوہ بریں ــــ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و اشاعت اسلام میں اپنے اوقات عزیز صرف کر دیتے۔ جانوں اور مالوں سے قربانیاں

دیں۔ خدمت دین متین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ بدعات و محدثات کو روکا اور سختی سے روکا۔ اور اسے مدا خلت فی الدین قرار دیا۔ کسی کو قرآن و حدیث کے خلاف کوئی نیا مسئلہ گھڑتے کوئی نئی بات تراشتے دیکھتے۔ تو اسے سخت سزا دیتے۔ مذہب میں رخنہ اندازی کرنے والوں۔ خلاف ورزوں اور رُو گردانوں پر تلوار اٹھانے میں نہ چوکتے۔ انحراف وارتداد کی سزا قتل سے کم نہ دیتے۔ خدا اور رسولِ خدا، قرآن و حکمت، کتاب و سنت کے خلاف کوئی ایک لفظ منہ سے نکالتا، تو اس کی زبان کھینچ لیتے۔ گفتۂ رسول کو فرمودۂ خدا سمجھتے۔

چنانچہ ایک مجلس میں کسی نے صحابہؓ سے پوچھا:

"کیا رسول اللہ کی تمام باتیں یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لائق ہیں؟"

اصحاب کبارؓ نے فرمایا: "ہاں حضورؐ کی ہر بات حفظ کرنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى [یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتا ہے، اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ یہ تو وحی و الہام کے مطابق ارشاد فرماتا ہے]"

یہی وہ یارانِ رسولؐ ہیں جن کے متعلق خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَصْحَابِی كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ جس طرح ستارے راہنمائی کرتے ہیں، میرے اصحاب بھی اسی طرح راہنما ہیں۔ تم ان کی پیروی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔" نیز فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ "میرے فعل و عمل اور خلفائے راشدین کے طور طریق پر چلو۔"

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا[1] کی قرآنی نوید کو ہر آن زیرِ نگاہ رکھتے اور دانہ رائیگ کے برابر سنت نبوی سے آگے یا پیچھے جانا ناگوارا نہ کرتے تاکہ دینِ محمدؐ میں بدعات و محدثات نہ پیدا ہو جائیں۔ اور تقلید شخصی کی مہلک وباء نہ پھوٹ پڑے۔ درحقیقت مسلمانوں کو تقلید سے بچانے کے لیے ان بزرگانِ دین نے وہ طرز اختیار کی، جس کی نظیر دوسری امتوں کے بزرگوں میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔

تابعینؒ اور تبع تابعینؒ

اصحاب کبارؓ کے بعد تابعین عظامؒ اور تبع تابعین کرامؒ کے مسعود و مبارک زمانوں کو لیجیے۔ یہ حضرات بھی صحابہؓ کی طرح صرف قال اللہ وقال الرسول پر سر جھکاتے اور کتاب و سنت کی اطاعت کرتے تھے۔ قرآن و حدیث کے خلاف نہ کوئی لفظ سنتے نہ کہتے۔ نصوص و آثار سے ذرا ادھر ادھر ہونا انہیں سخت ناگوار تھا۔ ان بزرگوں نے تعامل صحابہ کو اختیار کیا۔ سنت رسول اللہ کو لائحہ زندگی بنایا، جو مقصدِ حیات اصحاب کرامؓ کا تھا وہی ان کا تھا۔ اجتہاد و تفقہ سے پرہیز تام تھا۔ جب تک کوئی بات کوئی مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ڈھونڈ لیتے، اپنی رائے اپنا فیصلہ اپنا قیاس ظاہر نہ فرماتے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے تین سعید زمانوں

---

[1] جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ انعام یافتہ لوگوں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ ہو گا۔ اور ان لوگوں کی معیتؐ رفاقت بہت خوب ہے۔

کی تعیین فرما دی تھی ارشاد ہوا :

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

۱۔ "تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔" یعنی عہد نبوی ؐ۔

۲۔ "اس کے بعد ان لوگوں کا زمانہ ہے جو اس سے متصل ہوں گے"۔ یعنی عہد صحابہ کرام رضؓ۔

۳۔ "اس کے بعد ان کا زمانہ ہے جو عہد صحابہ سے متصل ہوں گے"۔ یعنی تابعین۔

اس سے معلوم ہوا کہ تابعین تک اسلام اصلی رنگ میں جلوہ فگن رہا اور نبی علیہ السلام کی سنت پر تمام مسلمان عمل کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں عاشقانِ رسول ؐ نے آثار و حدیث کا تحریری سرمایہ کثیر مقدار میں جمع کیا۔ ارشاداتِ نبویؐ کا کھوج لگایا۔ اس کی تلاش میں دور دراز کے سفر کیے۔ اور یہ انہی بزرگانِ دین کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے احادیثِ رسول ؐ کا اتنا عظیم ذخیرہ موجود ہے کہ جمع و تدوین اور ترتیب و تبویب کی خوبی اور خوش اسلوبی دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رضؓ کا ایک خط

تابعین کرام رحؒ میں قرآن و حدیث پر چلنے اور اس کو ضابطۂ حیات بنانے کا کس قدر عشق تھا؟ اس کا جواب حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے ایک مکتوب میں ملے گا۔ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں مسئلۂ تقدیر کے متعلق چند سوال کیے۔ جناب عمر بن عبدالعزیز نے (جو تابعین سے ہیں) تحریر فرمایا :

اَمَّا بَعْدُ اُوْصِیْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْاِقْتِصَادِ فِیْ اَمْرِهٖ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِیِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَرْكِ مَا اَحْدَثَ الْمُحْدِثُوْنَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهٖ سُنَّتُهٗ وَكُفُوْا مُؤْنَتَهٗ فَعَلَیْكَ بِلُزُوْمِ السُّنَّةِ فَاِنَّهَا لَكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ عِصْمَةٌ ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً اِلَّا قَدْ مَضٰى قَبْلَهَا مَا هُوَ دَلِیْلٌ عَلَیْهَا اَوْ عِبْرَةٌ فِیْهَا فَاِنَّ السُّنَّةَ اِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَا فِیْ خِلَافِهَا مِنَ الْخَطَاِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِیَ بِهِ الْقَوْمُ لِاَنْفُسِهِمْ فَاِنَّهُمْ عَلٰى عِلْمٍ وَقَفُوْا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوْا وَلَهُمْ عَلٰى كَشْفِ الْاُمُوْرِ كَانُوْا اَقْوٰى وَبِفَضْلِ مَا كَانُوْا فِیْهِ اَوْلٰى فَاِنْ كَانَ الْهُدٰى مَا اَنْتُمْ عَلَیْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوْهُمْ اِلَیْهِ وَلَئِنْ قُلْتُمْ اِنَّمَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَا اَحْدَثَهٗ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَ غَیْرَ سَبِیْلِهِمْ وَرَغِبَ بِنَفْسِهٖ عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ هُمُ السَّابِقُوْنَ فَقَدْ تَكَلَّمُوْا فِیْهِ بِمَا یَكْفِیْ وَوَصَفُوْا مِنْهُ مَا یَشْفِیْ فَمَا دُوْنَهُمْ مِنْ مُقَصِّرٍ وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مُحَسِّرٍ وَقَدْ قَصَّرَ قَوْمٌ دُوْنَهُمْ فَجَفَوْا وَطَمَعَ عَنْهُمْ اَقْوَامٌ فَغَلَوْا وَاِنَّهُمْ بَیْنَ ذٰلِكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِیْمٍ۔

"میں تم کو اللہ کا تقویٰ، اس کے احکام میں میانہ روی، اور نبیؐ کی سنت کے اتباع اور بدعتیوں کے نئے خیالات ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، جو انہوں نے سنت رسول قائم ہونے کے بعد پیدا کیے ہیں۔ وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائیں گے۔ تم سنت کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ باذنہ تعالیٰ اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اور یاد رکھو

کہ آج جو لوگ بدعت نکال رہے ہیں، اس سے ان کا بطلان ہو چکا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جس نے سنت قائم کی وہ اس کے خلاف کا بھی بخوبی علم رکھتا تھا کہ جو بات اس کے خلاف ہے۔ وہ سراسر خطا اور غلطی ہے اور اس کا اختیار کرنا سراسر حماقت اور بے جا انہماک ہے۔ تم اپنے لیے وہی راستہ پسند کرو، جو پہلے لوگوں (اصحابؓ) نے پسند کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے پوری واقفیت سے اس کو اختیار فرمایا تھا۔ اور بڑی تیز نظروں سے آگے بڑھنے (یعنی اپنی طرف سے مسائل بیان کرنے) سے رک گئے تھے۔ اور یقیناً یہی لوگ دریافت کرنے کے لیے سب سے زیادہ لائق تھے۔ اور اچھی چیز کے حاصل کرنے کے مستحق تھے۔ پس اگر ان خیالات کو ہدایت سمجھا جائے جو تم نے ایجاد کیے ہیں۔ تو لازم آئے گا کہ تم صحابہؓ سے بھی بڑھ گئے ہو۔ ان لوگوں (اصحابؓ) نے تو خوب اچھی طرح ان باتوں کو حل کر لیا تھا۔ اور صاف طور پر واضح کر دیا تھا۔ جو اطمینان و تشفی کے لیے کافی تھا۔ اب نہ اس سے نیچے اترنے کی جگہ ہے نہ اوپر چڑھنے کی۔ جو لوگ اس تہ تک نہیں پہنچ سکے، وہ نیچے رہ گئے۔ جنہوں نے اس سے آگے بڑھنا چاہا وہ حد سے آگے بڑھ گئے۔ اور یقیناً وہی لوگ (صحابہؓ) تھے جو افراط و تفریط سے (اور آگے پیچھے ہونے سے بچے) اور مستقل طور پر مضبوطی کے ساتھ صراط مستقیم پر قائم رہے۔"

چوتھی صدی ہجری تک بدعات و محدثات کا وقوع بہت ہی کم تھا۔ تقلید شخصی نام کو نہ تھی۔ اور عامۃ المسلمین کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ہی کے قائل تھے۔ مگر پھر بھی کہیں کوئی بتدریج نظر آتا، اور قیاس و رائے سے مسائل

بیان کرتا دکھائی دیتا تو تابعین تبع تابعین اس کی گوشمالی کرتے اور اسے سختی سے روکتے تھے

امام ابوحنیفہ رح کا طرزِ عمل

تابعین حضرات میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ احناف کرام نے اپنے مذہب کی عمارت بزعم خود امام صاحب رح مسلک وعقائد پر کھڑی کی ہے۔ اور اس کو تقلید شخصی کی صورت دے کر مقلدین کا ایک الگ گروہ بنا دیا ہے۔ حنفی بھائیوں نے ان کے تفقہ، ان کے اجتہاد، ان کے اقوال، ان کی آرا اور ان کے قیاسات کو قال اللہ وقال الرسول پر ترجیح دے دی [1]

لیکن جب امام صاحب کی حیاتِ زندگی پر نگاہ ڈالی جائے۔ تو یہ راز بے نقاب ہوگا، کہ آپ عامل بالحدیث تھے۔ اور خلاف قرآن وسنت ایک قدم آگے بڑھنا کسی صورت گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا:

"حضرت یہ تو بتلایئے! آپ کا عقیدہ اور مسلک کیا ہے؟"

حضرت امام رح نے صاف و صریح الفاظ میں جواب دیا "اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ۔ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے۔ وہی میرا مذہب ہے۔"

---

[1] احناف اگرچہ اس مؤقف سے متفق نہیں۔ مگر یہ بات بالکل ہی بے حقیقت نہیں ہے بے لاگ اور وسیع مطالعہ کی بدولت حقیقت سامنے آسکتی ہے۔ (فاروقی)

اسی طرح کسی نے سوال کیا "کہ کسی مسئلے، کسی معاملے میں آپ کی رائے اور آپ کا قول کچھ اور ہو، اور حدیث کچھ اور کہتی ہو، تو ہمیں کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے؟"

امام صاحبؒ نے فرمایا: "اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — میرا قول چھوڑ دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرو۔"

امام صاحبؒ نے اپنے تفقہ و اجتہاد سے جو کام لیا ہے، اس کی اولین وجہ یہ ہے، کہ آپ کے زمانہ میں تحریری احادیث کا سرمایہ محض برائے نام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات کی ہنوز تدوین و ترتیب نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ امام شافعیؒ کے عہد میں بھی ذخیرہ احادیث ہنوز نامکمل اور منتشر تھا اور امام ابوحنیفہؒ تو امام شافعیؒ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا، کہ امام صاحبؒ دیدہ و دانستہ اجتہاد و تفقہ سے کام نہ لیتے تھے، بلکہ محض مجبوری و بے بسی کی حالت میں ایسا کرتے تھے۔ ورنہ آپ کا تعامل قرآن و حدیث پر تھا۔ اور جو مذہب صحابہ کرامؓ کا تھا، اسی پر آپ کاربند تھے۔[۱]

الغرض — تابعین و تبع تابعینؒ کو اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی بیخ کنی، بدعات و محدثات کے استیصال، اشاعتِ اسلام، تبلیغ و توحید اور ترویج و ترغیب کتاب و سنت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ جس علاقے اور مقام میں اسلام کے ضعف و انتشار کا خطرہ محسوس ہوا وہیں خدائے قدوس نے کفار و مشرکین، مبتدعین و مرتدین کو تباہ کرنے کے لیے خدام دین اور جانثاران اسلام مقرر کر دیئے۔

---

[۱] آپ نے کسی الگ مذہب کی کوئی بنیاد نہ رکھی۔ آپ کا کسی فرقہ سے تعلق نہ تھا۔ آپ سنن نبویہ کے عامل و حامل تھے۔ (فاروقی)

حالی مرحوم نے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا بڑا دلآویز نقشہ کھینچا ہے

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

وہ اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غم خوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکامِ دیں پر جھکا دینے والے خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت پہ سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف اُن میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے، لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی!
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم، نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر بدعتی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا مناقب کو چھانا، مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا، جتایا آئمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا، نہ صوفی کو چھوڑا

فرقہ بندی کی بنیاد

اگرچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام یا تیسری صدی کے آغاز میں ائمہ و مجتہدین، علما، محدثین، فقہا اور مجددین کے درمیان کسی قدر فروعی اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ اور بعض اکابر ملت نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ کو نظر انداز کر کے اپنے اقوال و آراء پر عمل کرنے اور کرانے لگ گئے تھے[1] لیکن یہ اختلاف کچھ زیادہ اندیشناک اور قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس میں خلوص و محبت کی جھلک بھی موجود تھی۔ عداوت و نفرت کا اس میں نام تک نہ تھا اس کی غالب وجوہ یہ تھیں، کہ اس اختلاف میں بدعات و محدثات کو نہیں پالا اور پوسا گیا تھا۔ بلکہ یہ محض اجتہاد و تفقہ تک محدود تھا۔ اس لیے ہمعصر علما و فضلا نے ایک دوسرے کی نہ پگڑی اچھالی۔ نہ اعتراضات کی بوچھاڑ کی بیمار ے

---

[1] ان کی نیت بری نہ تھی۔ (فاروقی)

خیال میں اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُس وقت کے معاصرین میں جو اختلاف تھے، وہ بنیادی اور اصولی مسائل سے متعلق نہ تھے بلکہ وہ محض فروعات سے تعلق رکھتے تھے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا قَبْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ غَیْرَ مُجْتَمِعِیْنَ عَلَی التَّقْلِیْدِ الْخَالِصِ لِمَذْھَبٍ وَاحِدٍ بِعَیْنِہٖ (حجۃ اللہ البالغہ)

"یعنی چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک کے مسلمان کسی معیّن اور خاص مذہب وفرقہ کی تقلید کے پابند نہ تھے"

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی ہجری گو اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ مگر اس نے افتراق وانتشار کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ چنانچہ چہارم صدی ہجری تک مسلمانوں کے مذہبی حالات وخیالات اور ان کے عقائد وغیرہ کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:

کَانَ مِنْ خَبَرِ الْعَامَةِ اِنَّھُمْ کَانُوْا فِی الْمَسَائِلِ الْاِجْمَاعِیَّةِ الَّتِیْ لَا اخْتِلَافَ فِیْھَا بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْ جُمْھُوْرِ الْمُجْتَھِدِیْنَ لَا یُقَلِّدُوْنَ اِلَّا صَاحِبَ الشَّرْعِ وَکَانُوْا یَتَعَلَّمُوْنَ صِفَةَ الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَنَحْوَ ذَالِکَ مِنْ اٰبَائِھِمْ وَمُعَلِّمِیْ بُلْدَانِھِمْ فَیَمْشُوْنَ حَسْبَ ذَالِکَ وَاِذَا وَقَعَتْ لَھُمْ وَاقِعَةٌ سَیَفْتُوْا فِیْھَا اَیَّ مَنْ وَجَدُوْا مِنْ غَیْرِ تَعْیِیْنِ مَذْھَبٍ (حجۃ اللہ)

"عوام کا طریق عمل یہ تھا کہ جو اجماعی مسائل علی العموم مسلمانوں

یا جمہور مجتہدوں میں بلا اختلاف چلے آتے ہیں، ان میں بجز صاحب شرعؐ کے کسی اور کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اور وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ ایسے مسائل اپنے باپ دادا یا اپنے شہر کے معلّموں سے سیکھ لیتے تھے اور اسی طریق پر چلے جاتے تھے۔ کبھی کوئی خاص واقعہ پیش آ جاتا تو جس مفتی یا عالم کو پاتے بلا تعیین و تخصیص مذہب اسی سے پوچھ لیتے تھے۔"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر چار سو سال تک عالم و مجتہد، فقیہہ و محدّد وغیرہ تو رہے ایک طرف، ناخواندہ و عام مسلمان بھی کسی ایک معیّن مذہب کی تقلید سے نا آشنا تھے۔ اور ان میں یا علما و فقہائے کرامؒ میں کوئی بنیادی و اصولی اختلاف نہ پایا جاتا تھا۔ البتہ دوسری صدی ہجری میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص قاضی ابو یوسفؒ نے فقہِ حنفیہ کی خوب اشاعت کی۔ قاضی صاحب چونکہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب جلیلہ پر فائز تھے، اس لیے انھوں نے امام صاحبؒ کے عقائد و خیالات کو خوب وسعت دی بالفاظ یوں کہنا چاہیے، کہ قاضی ابو یوسفؒ ہی نے حنفی مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ جس کی صورت آج ہمیں نظر آتی ہے۔ [1]

اہل سنّت اور اہل الرّائے

آخر اختلافات کا وہ آتشگیر مادہ جو ڈیڑھ دو سو سال سے امت محمدیہ

[1] ان کی نیت بھی اصلاح امت تھی۔ عواقب اور موجودہ صورت حال کا انہیں اندازہ نہ تھا لیکن اگر ہوتا تو بہتر تھا۔ (فاروقی)

میں پک رہا تھا ۔ چوتھی صدی ہجری میں پھوٹ پڑا اور اس کے پھوٹنے سے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے ، ایک گروہ اہلسنت یا اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوا ، دوسرا " اہل الرائے " کہلانے لگا ۔ اہل سنت یا اہل حدیث تو ہر بات اور ہر معاملے میں کتاب اللہ اور احادیث نبوی کی اطاعت لازم جانتے ۔ اور انہیں قرآن و حکمت کے علاوہ کسی دوسری چیز کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ خالص اور حقیقی اسلام یہی تھا کہ خدا اور رسول کے کلام کے سوا دیگر اقوال و آرا کا سہارا نہ لیا جائے ۔ چنانچہ اسی جماعت اہلحدیث کی تعریف یوں کی گئی ہے :-

فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَ هُمْ مِنَ الرَّأْيِ اَنْ يَجْمَعَ عَلٰى تَقْلِيْدِ رَجُلٍ مِمَّنْ مَّضٰى عَمَّا يَرْوُنَ مِنَ الْاَحَادِيْثِ وَالْاٰثَارِ المنلضة فِيْ كُلِّ مَذْهَبٍ مِنْ تِلْكَ الْمَذَاهِبِ فَاَخَذُوْا يَتَّبِعُوْنَ اَحَادِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰثَارَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَالْمُجْتَهِدِيْنَ عَلٰى قَوَاعِدِ اَحْكَمُوْهَا فِيْ نُفُوْسِهِمْ ـ

" ان (اہلحدیثوں) کو ایسی رائے کی ضرورت نہ رہی کہ کسی اپنے سے پہلے کی تقلید کریں ۔ اگرچہ آثار و احادیث ان مذاہب کے بالکل خلاف ہوں ۔ یہ (اہل حدیث) لوگ اسی بات کو پکڑتے ہیں ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہو یا صحابہؓ اور تابعین و مجتہدین کے آثار میں ہو ۔ بشرطیکہ وہ اس میزان پر ٹھیک اترے جو انہوں نے قائم کر رکھی ہے "

اسی جماعت اہل حدیث کی یہ بھی بہت بڑی صفت تھی کہ :

وَكَانَ مِنْ خَبَرِ الْخَاصَّةِ اِنَّهٗ كَانَ اَهْلُ الْحَدِيْثِ مِنْهُمْ

يَشْتَغِلُوْنَ بِالْحَدِيْثِ يَخْلُصُ إِلَيْهِمْ مِنْ أَحَادِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآثَارِ الصَّحَابَةِ مَا لَا يَحْتَاجُوْنَ مَعَهُ إِلَىٰ شَيْءٍ آخَرَ فِي الْمَسْأَلَةِ۔

"مسلمانوں میں جو اہل حدیث جماعت تھی وہ دن رات حدیث کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار وہ اس کثرت سے بہم پہنچاتی تھی کہ کسی مسئلہ اور کسی معاملہ میں اب دوسری چیزوں کی ضرورت واحتیاج ہی باقی نہ رہی تھی۔"

ان ہی اہل سنت یا اہل حدیث بزرگوں نے سرمایہ احادیث جمع کیا — ارشاداتِ رسولؐ کی تدوین وترتیب کی۔ ذخیرہ اقوال النبی علیہ السلام اتنی کثیر مقدار میں فراہم کیا، جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ منجملہ دیگر محدثین کرامؒ وجامعین احادیث کے ذرا ابوعبداللہ امام بخاریؒ، امام مسلم نیشاپوریؒ، امام ابوداؤد سجستانیؒ اور حضرت عیسیٰ ترمذیؒ ایسے باکمال عشاقِ حدیث وسنت کی محنت شاقہ اور کاوشِ طبع پر نظر ڈالیے، کہ ان آئمہ ہدیٰ رحمہم اللہ نے اکنافِ عالم سے خزانہ حدیث کس طرح کھود کر نکالا۔ اور کس طرح دماغ سوزی و دیدہ ریزی کے بعد کلمہ گویانِ رسول مقبولؐ کے لیے جواہراتِ حدیث وارشاد کا اتنا بڑا انبار جمع کر دیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔ انہی جامعین آثار وارشاد کی نسبت کہا گیا ہے:

وَكَانَ أَكْبَرُ هَمِّهِمْ رِوَايَةَ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ مَنْ أَدْرَكَ مِنْ عُظَمَائِهِمْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ بِلَادَ الْحِجَازِ وَالشَّامِ وَالْعِرَاقِ وَالْمِصْرِ وَالْيَمَنِ وَالْخُرَاسَانِ

وَجَمَعُوا الْكُتُبَ وَاتَّبَعُوا السُّنَنَ اَمْعَنُوا فِي التَّفَحُّصِ عَنْ غَرِيْبِ الْحَدِيْثِ وَنَوَادِرِ الْاَثَرِ فَاجْتَمَعَ لَاحَدٍ قَبْلَهُمْ وَتَيَسَّرَ لَهُمْ مَا لَمْ يَتَيَسَّرْ لِاَحَدٍ قَبْلَهُمْ۔

"اس جماعت (اہلحدیث) کی انتہائی کوشش احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کرنا تھا۔ اس میں جس قدر ممتاز لوگ تھے، وہ دور دراز کا سفر کرتے۔ حجاز، شام، عراق، مصر، خراسان وغیرہ ممالک میں جاتے، حدیث کی کتابیں لکھتے، نسخے مرتب کرتے، اور انہوں نے زبردست تلاش کے ساتھ نایاب و کمیاب احادیث و آثار کا سراغ لگایا اسی مقدس جماعت کی بدولت حدیث و آثار کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ اس سے قبل کسی کے پاس اتنی حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں۔ اور نہ کسی کو ملی تھیں۔"

ان تمام محدثین کا تعامل قرآن و سنت پر تھا اور حقیقت میں یہی اہل سنت و اہل حدیث تھے جو کسی کی تقلید گوارا نہ کرتے تھے۔ دوسروں کے اقوال و آرا، تفقہ و اجتہاد سے بیزار ہوتے تھے۔ بدعات و محدثات کا نام تک سننا نہ چاہتے تھے اور ہر بات، ہر معاملے، ہر مسئلے میں صرف اسی پر عمل کرتے۔ اور اسی کو حرز جان بناتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

اہل الرائے یا اہل الفقہ

اہل حدیث کا تذکرہ تو سن چکے! اب اہل الرائے کی سنیئے یہ گروہ، جماعت اہل سنت والحدیث کے مقابلے میں کھڑا ہوا اس نے احادیث رسول ﷺ، آثار صحابہؓ کو تو نظر انداز کیا۔ یہاں تک کہ کسی مسئلے میں نصوص قرآنیہ سے سہارا لینا

اور کتاب اللہ میں اس کو تلاش کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اس نے قال اللہ و قال الرسول کی بجائے اپنی رائے، اپنے قیاس، اپنے قول، اپنے اجتہاد اور اپنے تفقہ کو ترجیح دی۔ اسلامی اصولوں سے منہ موڑا۔ فروعات کو غالب کیا۔ شرع شریفہ کے بنیادی احکام و مسائل کی جڑیں کاٹنا شروع کر دیں۔ نئے نئے مسائل دین میں داخل کیے۔ شریعت مطہرہ کے مدمقابل فقہ کی بنیاد رکھی۔ اور حدیثیں اگر جمع بھی کیں، تو اس صورت میں، کہ ان کے معانی و مطالب اور اصل عبارات توڑ موڑ کر موضوعات کا ایک "گاؤ خوردہ" دفتر تیار کر لیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:

وَكَانَ بِإِزَاءِ هٰؤُلَاءِ فِي عَصْرِ مَالِكٍ وَسُفْيَانَ وَبَعْدِهِمْ قَوْمٌ لَا يَكْرَهُوْنَ الْمَسَائِلَ وَلَا يَهَابُوْنَ الْفُتْيَا وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى الْفِقْهِ بِنَاءُ الدِّيْنِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِشَاعَتِهِ وَيَهَابُوْنَ رِوَايَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّفْعَ إِلَيْهِ۔

"اس جماعت (اہلحدیث) کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت تھی۔ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور ان کے بعد کے زمانہ میں یہ لوگ نہ تو غیر ضروری مسائل دریافت کرنے سے باز رہتے نہ ان کے جواب بتانے میں ڈرتے۔ اور کہتے تو یہ کہ دین کی جڑ فقہ ہے۔ لہٰذا اس کی اشاعت ضرور ہونی چاہیے۔ یہ لوگ (اہل الرائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے اور صحیح حدیث بتانے میں ڈرتے اور جھجکتے تھے"۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ مسائل فقہ کا مجموعہ بھی تیار کرنا چاہتے اور حدیث کے انتساب سے بھی ڈرتے تھے۔ مطلب یہ کہ ان کے دل میں اجتہاد و استخراج کا بہت شوق تھا۔ اور اسی لیے وہ

اقوالِ رسولؐ پر اقوالِ ائمہؒ و مجتہدین کو غالب رکھتے تھے۔

انہی اہل الرائے کی نسبت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ:

فَوَقَعَ تَدْوِیْنُ الْاَحَادِیْثِ وَالْفِقْهِ وَالْمَسَائِلِ مِنْ حَاجَتِهِمْ بِمَوْقِعٍ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ وَ ذَالِكَ اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ وَالْاٰثَارِ مَا يَقْدِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى اِسْتِنْبَاطِ الْفِقْهِ عَلَى الْاُصُوْلِ الَّتِيْ اِخْتَارَهَا اَهْلُ الْحَدِيْثِ وَلَمْ تَنْشَرِحْ صُدُوْرُهُمْ النَّظْرِ فِيْ اَقْوَالِ عُلَمَاءِ الْبُلْدَانِ وَجَمْعِهَا وَالْبَحْثِ عَنْهَا وَاتَّهَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ ذَالِكَ وَكَانُوا اعْتَقَدُوْا فِيْ اَئِمَّتِهِمْ اِنَّهُمْ فِي الدَّرْجَةِ الْعُلْيَا مِنَ التَّحْقِيْقِ وَكَانَ قُلُوْبُهُمْ اَمْيَلُ شَيْئٍ اِلٰى اَصْحَابِهِمْ

"پس ان لوگوں (اہل رائے) نے اپنی مصلحت کے مطابق دوسری طرز پر حدیث، فقہ و مسائل کو جمع کیا۔ اس گروہ کے پاس اس قدر احادیث و آثار نہ تھے، جس کے ذریعے یہ اہل حدیثوں کی طرح ان کے پسندیدہ اصول کے مطابق مسائل کا استنباط کر سکیں۔ ان کے دل اس قدر کھلے بھی نہ تھے کہ اپنے مقامی علماء کے اقوال و تصانیف پر تنقیدی نگاہ ڈالتے اور اس پر بحث کرتے۔ انہوں نے خود کو کمزور سمجھ کر اپنے اماموں کی نسبت یہ اعتقاد جما لیا کہ ان سے بڑھ کر اب اونچی تحقیق کوئی نہیں کر سکتا۔ ان کے دل تو پہلے ہی ان (ائمہ وغیرہ) پہ فریفتہ تھے۔"

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو "اہل الرائے" اسی لیے کہا گیا کہ ان کے پاس ذخیرہ حدیث محض برائے نام تھا۔ اور جو کچھ تھا بھی۔ اسے لوگوں سے چھپاتے اور کھل کر نہیں بتاتے تھے۔ مسائل پوچھنے اور بتانے میں اپنی رائے

قیاس سے بہت کم ڈرتے تھے (یعنی بے دھڑک رائے قیاس سے مسئلہ بتا دیتے تھے) اور اہل حدیث والسنت کی طرح ان میں حدیث و آثار کا شوق بھی قریباً مفقود تھا۔"

تقلید شخصی کا آغاز

اہل الرائے کی کتاب و سنت سے بے رغبتی اور نص و حدیث سے روگردانی کا پایان کار کیا انجام ہوا؟ یہی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے منہ موڑ کر دوسروں سے رشتہ جوڑا۔ اتباع سنت کی جگہ اطاعتِ ائمہ اختیار کی۔ مجتہدین و فقہا کے قول و فعل کی پیروی لازم کر لی۔ اور ایک ٹیڑھا راستہ اختیار کیا جو شاہراہ اسلام سے بہت دور نکل گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں تقلید شخصی ہی کی نہیں، فرقہ بندی اور گروہ سازی کی ابتدا انہی اہل الرائے حضرات نے کی۔ جس نے آگے چل کر ملت بیضا میں نفاق و افتراق کی آگ بھڑکائی۔ تشتت و انتشار کے شعلے بلند کیے۔ اور نفرت و عداوت کے لاوے بہا دیئے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!

علامہ نجیب العراقی کا اظہار افسوس

علامہ مؤرخ نجیب العراقی اسی اہل الرائے گروہ کے افعال و کردار اس کے مذہبی تصرفات اس کے ترکِ سنت والحدیث پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"چوتھی صدی ہجری تک کے مسلمان، چاہے وہ ناخواندہ تھے یا خواندہ، عالم تھے یا جاہل، فرقہ سازی اور گروہ بندی سے مبرّا

تھے اور اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل پر عمل کرتے ہوئے صرف قرآن وحدیث کی پیروی کرتے تھے۔ اس وقت تقلید شخصی نام کو نہ تھی۔ اور یہ سب لوگ مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ لیکن چہارم صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی کے آغاز میں ان کے درمیان اختلافات کی ایک خلیج حائل ہو گئی۔ اور امت محمدیہ دو فرقوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ اہل الحدیث والسنۃ کہلانے لگا جو راستی اور حق پر تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث و آثار کو جان سے عزیز رکھتا تھا قولِ حق سبحانہ، اور قول نبی ﷺ کو اس نے اپنا دستور وطریق بنایا اور احادیث کا ایک گراں بہا ذخیرہ جمع کیا ــــــ

دوسرا فریق اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے جماعت اہل حدیث والسنت کے خلاف چلنا شروع کیا۔ آثار وارشادِ رسول ﷺ کو پس پشت ڈالا، کتاب وحکمت، قرآن وحدیث کے احکام وفرامین اصول ومسائل کو نظر انداز کیا۔ اور ائمہ ومجتہدین، علماء وفقہا ہی کی آرار وقیاسات اور قول وفعل پر اپنے مذہب وعقاید کی بنیاد رکھی اور اپنی رائے سے من گھڑت مسائل تصنیف کر کے شرع اسلام کا جزو اور رکن بنا دیئے۔ اور اسی قسم کے احکام ومسائل کے مجموعے کا نام انہوں نے "فقہ" رکھ لیا جو سراسر کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ کے منافی ومخالف چیز ہے۔ امتِ مسلمہ میں فرقہ بندی کی عمارت کھڑی کرنے اور تقلیدِ شخصی کو فروغ دینے والے یہی حضرات ہیں جنہوں نے وحدتِ اسلام کو پارہ پارہ اور دین متین کی سالمیّت کو ریزہ ریزہ کر کے ملتِ اسلامیہ میں نفرت وحقارت کی وہ تخم ریزی کی کہ آج

اس کے درخت مضبوط جڑیں پکڑ گئے ہیں"

(التاریخ الملّتہ ج ۲ ص ۱۳۴)

سید طاہر مصریؒ کا بے لاگ تبصرہ

اسی طرح سید طاہر السعید مصری رقمطراز ہیں :

"اگرچہ دوسری صدی ہجری میں بھی مسلمانوں کے اندر کچھ کچھ اختلافات نمودار ہو چکے تھے۔ مگر وہ بنیادی اور اصولی رنگ میں نہ تھے۔ وہ صرف بعض فروعی و غیر ضروری مسائل سے متعلق تھے۔ لیکن چوتھی صدی میں تو اہل الرائے نے مستقل طور پر ان کو وسعت دی اور ان کو بڑھا پھیلا کر تقلید کا رنگ دے دیا۔ مطلب یہ کہ اہل الرائے حضرات اہل التقلید بن گئے۔ انہوں نے کتاب و سنت سے اعراض کیا اور علماء و فقہا کے اقوال و اعمال کو جناب شارع اسلام علیہ السلام کے اقوال و اعمال پر ترجیح دی۔"

(المرآۃ الاسلام ص ۳۸۲)

الغرض، اہل الرائے کا یہ گروہ رفتہ رفتہ اسلام اور اس کے اصول و احکام سے دور ـــ بہت دور چلا گیا۔ اس نے دین مقدس میں طرح طرح کے رخنے نکالے، محدثات شامل کیے، بدعات ٹھونسے۔ اور اس طرح یہ جماعت جو پہلے اہل الرائے، پھر اہل التقلید کہلائی، بالآخر اہل بدعت بن گئی! انا للہ وانا الیہ راجعون

چوتھی سے آٹھویں صدی تک

چوتھی سے آٹھویں صدی تک یہ حال رہا کہ مسلمانوں کی اصلاح و تعمیر کے

لیے مجددین و مصلحین مامور ہوتے رہے ۔ جو شرک و بدعت، محدثات و اختراعات کا قلع قمع کرتے رہے ۔ کبھی ان کی تبلیغ و تلقین سے جہالت و ضلالت کا زور گھٹ جاتا ۔ اور عوام پھر کتاب و سنت پر چلنے لگتے ۔ اور کبھی بدعات و محدثات کا زور ہو جاتا ۔ آخر صورت حالات یہاں تک پہنچی کہ اہل الرائے جو بعد میں اہل التقلید یا اہل بدعت کہلانے لگے اعدائے اسلام اور منافقین کی دسیسہ کاریوں کا شکار ہو گئے ۔ پہلے تو صرف اجتہاد و تفقہ اور تقلید شخصی وغیرہ ہی کو جزوِ ایمان و عقاید بنایا گیا تھا ۔ اب یہ ہوا کہ بعض ایسے مسائل گھڑ کر دین کی بنیاد بنا لیے گئے جو اسلام سے دور کا تعلق بھی نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ ان لوگوں نے بخلاف قرآن و سنّت قبروں کی پوجا شروع کی ۔ مزارات پر نذر و نیاز دینا، مُردوں سے مرادیں مانگنا اور غیر اللہ کو مشکل کشا و حاجت روا جاننا، ان کے ایمان و عقاید میں داخل ہو گیا ۔ اور تو اور انہوں نے اس قدر مبالغہ آمیزی سے کام لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت و عبدیت سے انکار کر کے حضور علیہ السلام کو الوہیت کا درجہ دیا، اور آپؐ کو قاضی الحاجات، عالم الغیب، حاضر ناظر اور قادرِ مطلق تصوّر کر لیا ۔
اعاذنا اللہ منہا !

امام ابن تیمیہؒ

آخر آٹھویں صدی ہجری کے پُر آشوب دور میں غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور تجدید شریعت و احیائے سنت کے لیے قدرت نے حضرت شیخ الاسلام امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو مامور فرمایا ۔ ان گنتی کے اوراق میں حضرت امام الائمہ کے سوانح اور آپ کی خدمات کے تذکار کی کہاں گنجائش ہے ؟ یہاں صرف یہ

بتانا مقصود ہے، کہ امام صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ سو آئیے ہم دیکھیں کہ آٹھویں صدی میں مسلمانوں کی کیا حالت تھی، اور وہ صحیح راہ اسلام سے بھٹک کر کہاں نکل گئے تھے؟

امام ابن تیمیہؒ کے عہد میں اگرچہ ان کے بہت سے واجب الاحترام و ذی عزت معاصرین بھی موجود تھے۔ اگر انہیں فضیلت و علمیّت کے لحاظ سے منتخب کیا جائے۔ تو بھی ان کی تعداد کم از کم ستر تک پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں علماً فضلا، شیوخ و حفاظ، نقاد و مجتہدین اور صوفیا، و فقہا کی ایک کثیر جماعت بھی خدمت دین پر لگی ہوئی تھی۔ لیکن جو کام اس زمانے میں امام ہمام ابن تیمیہؒ سے لیا گیا کسی اور سے نہیں لیا گیا۔ اور تاریخ اسلام میں جس قدر تفصیلات اس عہد کی ملتی ہیں، کسی دوسرے عہد کی نہیں ملتیں۔

آپ کے زمانے کے مختصر حالات یہ ہیں کہ عربی خلافت پورے طور پر ختم ہو چکی تھی۔ تاتاریوں کا فتنہ عظیم اطراف وجوانب پر چھایا ہوا تھا۔ کفار و مشرکین ایک طرف اسلام کو تباہ و برباد کرنے پہ کمربستہ تھے۔ اور دوسری طرف خود مسلمانوں میں فرقہ سازی و گروہ بندی کا زور تھا۔ بدعات و محدثات کی گرم بازاری اور فروعات کی ہماہمی دین قیّم میں خلل انداز تھی۔ تقلید شخصی اور اشاعت اغیار دل و دماغ پر مستولی ہو چکی تھی۔ فقہا و مجتہدین نے اہل اسلام پر کتاب و سنت کے درک و فہم کا دروازہ مسدود کر دیا تھا۔ علمی و عملی تنزل انتہائی مقام پہ محیط تھا۔ اُس وقت چونکہ قبور و مزارات پر گنبد و مینار بکثرت بن چکے تھے اور عالیشان خانقاہیں تعمیر ہو چکی تھیں لہٰذا ان کی پرستش مسلمانوں کی عادت و عقیدت میں نہیں، دین و ایمان میں شامل تھی۔ علم حدیث محض برائے نام باقی تھا۔ اور جہاں کچھ دین کا چراغ جلتا نظر آتا تھا تو اس کی روشنی کا مدار فقہ

کے تیل پہ تھا۔ استخراج کا رواج عام تھا۔ اور ہر جگہ جہالت و ضلالت نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ جو کسی عنوان اکھڑنے کا نام نہ لیتے تھے۔ فسق و فجور کا دور دورہ تھا اور عوام کیا، اچھے اچھے خواندہ و اہل علم گمراہی میں مبتلا ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے تھے۔ اور ان کی پُر معاصی زبان خود پکار رہی تھی کہ ؎

چو پرسش گنہ روزِ حشر خواہد بود
تمسکاتِ گناہانِ خلق پارہ کنند

غالباً قرآن کریم نے اسی نام کے مسلمان بدعتی گروہ کی نسبت ارشاد فرمایا ہے:

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ (سورہ نور ع ۶)

"یوں تو یہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ پہ ایمان لائے اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی۔ مگر اس اقرار کے باوجود ان میں کے ایک گروہ نے ایسی روگردانی کی کہ وہ مومن ہی نہ رہا۔ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان میں فیصلہ کرے تو ایک فریق ان میں سرتاب و سرکش ہو جاتا ہے۔ اور چاہے اللہ کی طرف سے قابلِ قبول حقائق بھی اس کے سامنے آ جائیں، پھر بھی وہ اعراض کرتا ہے اور حقیقت کی طرف نہیں آتا۔"

شاہ ولی اللہؒ

اور ــــ انہی مبتدعین و مقلدین کے متعلق شاہ ولی اللہ محدثؒ فرما گئے

ہیں :

فَنَشَأَتْ بَعْدَهُمْ قُرُوْنٌ عَلَى التَّقْلِيْدِ الصِّرْفِ لَا يُمَيِّزُوْنَ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا الْجِدَالَ عَنِ الْاِسْتِنْبَاطِ وَلَمْ يَاتِ قَرْنٌ بَعْدَ ذَالِكَ اِلَّا وَهُوَ اَكْثَرُ فِتْنَةً ۔ الخ

"پھر (قرون وسطیٰ) کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جو تقلید کے سوا کچھ نہ جانتے تھے ۔ اور نہ انہیں یہ تمیز تھی، کہ حق کیا ہے اور باطل کیا اور استخراج مسائل کا کیا طریق ہے ۔ اس کے بعد خیر القرون اور ازمنہ وسطیٰ جیسا زمانہ کوئی نہ آیا ۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ فتنہ پھیل گیا ۔ تقلید زور پکڑ گئی ۔ لوگوں کے دلوں سے امانت الٰہی (علم قرآن و حدیث) جاتی رہی ۔ وہ دین میں غور و فکر کرنے سے لاپرواہ ہو گئے اور جب کوئی انہیں پوچھتا کہ تم نے یہ تقلید و بدعت کے طریق کیوں اختیار کیے ہیں ۔ تو جواب دیتے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی مذہب پر پایا ہے ۔ اور ہم بھی اسی پر قائم رہیں گے ۔ اور اس سے سرمو پیچھے نہ ہٹیں گے ۔"

اس لیے کہ ؎

سلف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اترے ہوئے آسماں سے

یہ تھے وہ نازک ترین اور پُر آشوب حالات دین و ملت ، جن کی اصلاح، تعمیر اور تجدید کے لیے امام تقی الدین ابن تیمیہ ؒ تشریف لائے ۔ آپ نے از سر نو بکھرے ہوئے مسلمانوں کی تنظیم فرمائی ۔ مختصر بلاد و امصار میں اصلاحی انجمنیں قائم کیں تبلیغ و مواعظ کا سلسلہ جاری کیا ۔ تاتاری یلغاروں نے اہل اسلام

کی تہذیب و ثقافت، اخلاق و معاشرت میں جو خرابیاں اور بدعنوانیاں پیدا کر دی تھیں، ان کی اصلاح پر کمر باندھی۔ دین حنیف کے احیا اور قرآن و سنت کے بقا و ارتقا کے لیے آپ نے اپنی تمام مساعی صرف کر دیں۔ مذہب حنفہ میں جو بدعات و محدثات پیدا ہو چکے تھے۔ ان کا استیصال فرمایا۔ ردّ شرک و کفر میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مباحث و مناظرات مجادلہ و مقابلہ میں عمر عزیز بسر کی۔ مسلمانوں کو پرستش غیر اللہ سے روکا۔ مقابر و مزارات کی غیر شرعی عقیدت سے باز رکھا۔ قرآن و حدیث کی جابجا درس گاہیں قائم کیں کفار کی غلامی سے فرزندانِ توحید جو مردہ دل ہو چکے تھے، آپ نے انہیں پھر جہاد پر ابھارا۔ خدا کی راہ میں لڑنے اور جان فدا کرنے کے فضائل بتائے۔ یہاں تک کہ امام موصوفؒ خود میدان میں کود پڑے اور نہایت شجاعت سے جہاد کر کے دشمنانِ اسلام کے چھکے چھڑا دیئے۔

چنانچہ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

اما شجاعته فيها تضرب الامثال ويتشبه اكابر الابطال حتى كانه ليث حرب۔

"ان کی شجاعت ضرب المثل ہے۔ وہ بڑے بڑے جرنیلوں کے مشابہ ہیں۔ اور میدان جہاد میں شیر ببر معلوم ہوتے ہیں۔"

امام ابن تیمیہؒ کی خدماتِ دین، تبلیغ و اشاعتِ حق، تجدید شریعت اور احیائے توحید و سنت کا یہ اثر ہوا۔ کہ بدعتی کہیں خال خال ہی نظر آتے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا زمانہ پھر عود کر آیا ہے۔ آپ کی علمیت و فضیلت اور آپ کے حسن خدمات کو آپ کے مخالف معاصرین نے بھی سراہا اور یہ کہہ کر آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے کہ:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَهُ وَلَا رَأَى هُوَ مِثْلَ نَفْسِهِ وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهِ وَلَا أَتْبَعَ لَهُمَا مِنْهُ۔

"نہ ہم نے ان کی مثل کوئی دیکھا اور نہ انھوں نے کسی کو اپنا ثانی پایا اور نہ ہم نے کسی شخص کو ان سے زیادہ کتاب وسنت کا علم رکھنے اور اتباع کرنے والا دیکھا۔"

حضرت امام صاحبؒ کو تبلیغی خدمات کا یہ صلہ ملا، کہ آخر انہیں قید کر لیا گیا۔ اور آپ نے بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح زندان ہی میں وفات پائی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزِ اسلام میں الحاد

امام ابن تیمیہؒ کی تعلیمات کا اثر کوئی سوڈیڑھ سو سال تک باقی رہا۔ اور اس کے بعد اس میں زوال آنا شروع ہو گیا۔ اور جس مصلح و مجدد نے نصف صدی تک دین وملت کے احیاء و بقاء اور قرآن و حدیث کی تلقین و تبلیغ میں قلب و جگر کا خون بہایا تھا، اس کی تعلیم و تدریس کو فراموش کر دیا گیا۔ چنانچہ نویں اور دسویں صدی ہجری ہی میں خود مرکزِ توحید اور صدرِ اسلام میں بتدعین کی ایک خاصی جماعت پیدا ہو گئی۔ عرب، اس کے مضافات و ملحقات میں شرک و بدعت کا تسلّط ہوا اور دوبارہ وہی حالات پیدا ہو گئے، جو آٹھویں صدی میں ظاہر ہوئے تھے، اور جن کی اصلاح کے لیے اللہ کریم نے امام ابن تیمیہؒ کو مامور فرمایا تھا۔

عرب اور اس کے آس پاس بدعات و محدثات اور شرک و ضلالت کا آغاز در حقیقت شرفائے مکہ کے تعیّش و تلعّب اور مطلق العنانیوں و بدعنوانیوں

سے ہوا۔ چنانچہ گیارھویں صدی ہجری میں سلاطین عرب ملک میں جا بجا فساد و فتنہ پھیلانے لگ گئے۔ حرم پاک میں الحاد و کفر کو فروغ دیا۔ بیت اللہ شریف کو توحید کی بجائے شرک کا مرکز بنایا۔ فسق و فجور کا بازار گرم کیا۔ کتاب اللہ سے روگردانی کی۔ سنت رسول اللہ سے منہ موڑا۔ از بسکہ یہ سلاطین و شیوخ ٹرکی کے زیر اقتدار تھے۔ اور اُس عہد میں تُرک شاہراہِ اسلام سے ہٹ کر صراطِ مستقیم سے دور چلے گئے تھے۔ اس لیے عرب میں زمانۂ قبل از اسلام کی سی جہالت عود کر آئی۔ علاوہ بریں انگریزوں نے بھی دینِ خدا پر اپنے مذہب کا برا اثر ڈالا۔ اور یوں اسلام کے اس سنٹر، توحید کے اس مرکز دگہوارے میں کفر و الحاد، شرک و بدعت کی بجلیاں آسودگی سے کھیلنے لگیں۔ اور خواص تو رہے ایک طرف، عوام کو بھی اسلام کی تعلیمات، اصولات، آئین و قوانین اور مسائل و احکام یکسر بھول گئے۔ اور ان کا ہر فرد اس شعر کے مصداق بن گیا کہ ؎

خبرم نیست کہ منزل کہ مقصود کجاست!

ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی آمد

اسی گیارھویں صدی میں مسلمانوں کے اصلاحِ اعمال اور کتاب و سنت کی مکرر تجدید و ترغیب کے لیے قدرت نے حضرت شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ کو کتم سے شہود پر ظاہر فرمایا۔ آپ کی مساعی جمیلہ جو تاریخ میں "تحریک وہابیت" کہلاتی ہیں۔ اس قدر کامیاب و کامگار ہوئیں، کہ نجد و حجاز، شام و یمن تک کے فرمانرواؤں اور مشائخ علما نے آپ کا لوہا مانا۔ یہ اسی تحریک کا اثر تھا کہ عرب اور اس کے نواح سے بدعات و محدثات، کفر و زندقہ، شرک و ضلالت

کا کلی خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک تُرک عالم و مصنّف نے، جو خود "وہابی تحریک" کا زبردست مخالف تھا اور حنفی مذہب رکھتا تھا۔ اپنی کتاب "اٹھارویں صدی عیسوی میں اسلام کی حالت" میں شیخ محمد[1] کی تبلیغی سرگرمیوں اور اس کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جب تُرکی کے زیرِ اقتدار عرب سلاطین و شیوخ نے ملک میں مذہبی ہڑبونگ مچائی۔ اور اسلام کو اپنی عیاشی و بدمعاشی سے تباہ کر دیا۔ پیر پرستی، قبروں کی پوجا اور اسی قسم کے خلافِ شریعت محدثات کو رائج کیا۔ تو ان کی اصلاح کے لیے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے تحریک وہابیت کے نام سے ایک ایجی ٹیشن جاری کی، جس کا یہ اثر ہوا، کہ تھوڑی ہی مدت میں عرب اور اس کے نواحات و ملحقات سے شرک و بدعت کا خاتمہ ہو گیا۔ جن خانقاہوں اور مزاروں پر پرستش کی جاتی تھی، ان میں کتاب و سنت کے درس ہونے لگے۔ اور قرآن و سنت کی ہر جگہ تعلیم گاہیں بن گئیں۔ جن لوگوں نے اسلام کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا، وہ بھی پابندِ شرع ہو کر صائم و مصلّی بن گئے۔ اس جماعت وہابیہ کا مطمحِ نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ اس کے زمانہ میں توحید و سنت نے خوب ترقی کی۔ بدعات و محدثات کا قلع قمع ہوا۔ مرکزِ دین سے کفر و شرک جڑ سے اکھڑ گیا۔ اور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ یوں دکھائی دیتا تھا کہ قرنِ اولیٰ پلٹ کر پھر خدا کے نور کی کرنیں بکھیر رہا ہے۔"

---

[1] یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب، امام کا اصل نام محمدؒ تھا۔ (فاروقی)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نوے۹۳ برس تک دیوانہ وار توحید و سنت کی اشاعت[۱]
اور رسوم و بدعات کے استیصال میں مصروف رہ کر ۱۲۰۶ھ ہجری میں رحلت فرما
گئے یہ مگر الحمد للہ، کہ آلِ سعود کے طفیل ان کا لگایا ہوا پودا اب تک سرسبز و
شاداب ہے۔ اور ممالک عربیہ نے آپ کی تعلیمات کو ہنوز فراموش نہیں کیا۔
اور حق تو یہ ہے کہ یہ تحریک وہابیت ہی کا اثر ہے کہ دولِ اسلامیہ عربیہ میں
شرک و بدعت ناپید ہے۔ اور لطف یہ کہ وہاں فرقہ سازی اور گروہ بندی بھی
مطلق نہیں دیکھی جاتی۔ سب کلمہ گویانِ توحید صرف مسلمان کہلاتے ہیں۔ فالحمد للہ

ہندوستان کی افسوسناک حالت

اب ذرا متحدہ ہندوستان یعنی موجودہ پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں
کے حالات دیکھیے۔ شروع شروع میں تو جب اہل اسلام یہاں وارد ہوئے ان
کا طریق و عمل وہی تھا جس پر صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین گامزن تھے۔
اور وہ تعلیمات نبوی پر چلتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تھے
لیکن جوں جوں مذہبی انقلاب رونما ہوتے گئے، ہندوستانی مسلمانوں کے حالات
بھی بدلتے گئے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جن تاجداروں نے ہندوستان
میں قریباً ایک ہزار سال تک اسلامی حکومت قائم کیے رکھی۔ از بسکہ ان میں
اکثر شیعہ اور حنفی المذہب تھے۔ اور عالمگیر غازیؒ ایسے صحیح راہِ دین پر چلنے والے

---

[۱] آپ کی دینی خدمات اور مزید حالات کا مطالعہ کرنا ہو، تو ہمارا رسالہ "تحریک وہابیت"
پڑھیے۔ نیز رسالہ "انگریز اور وہابی" دیکھیے۔

فرمانروا دو چار ہی گنے چنے نظر آتے تھے۔ لہٰذا ہند کے مسلمانوں میں زیادہ تر شیعیت اور حنفیت ہی کی ترویج ہوئی۔ رعایا اور جمہور کا مذہب عام طور پر وہی ہوتا ہے۔ جو اس وقت کی حکومت کا مذہب ہو۔ یہ جو آپ پاک و ہند میں قبور و مزارات پر عالیشان عمارتیں اور فلک بوس گنبد و مینار دیکھ رہے ہیں، یہ اُنہی حنفی المذہب سلطانوں کے عہد کی یادگاریں ہیں۔ اور زبانِ حال سے صاف کہہ رہی ہیں کہ ان کے زمانے میں بدعت اور عبادت غیر اللہ نے خوب فروغ پایا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب سلاطین ہند قبروں پہ جا جا کے خود منتیں ملتے چڑھاوے چڑھاتے، نذریں دیتے، ماتھے ٹیکتے اور مرادیں مانگتے تھے۔ تو عوام کالانعام کب پیچھے رہنے والے تھے۔ ان بادشاہوں نے اپنی خود نوشت سوانحمریوں اور ترکوں میں اس کا خود ذکر کر دیا ہے جس کی تفصیل تحصیل حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہندی مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے احیا و بقا کے لیے یہاں بھی مجددین و مصلحین کا سلسلہ جاری رکھا۔ ردِ شرک و کفر اور دفع بدعت و ضلالت کے لیے سرزمین ہند میں بھی موحدین، اولیاء، اقطاب، ابدال، علماء، فضلاء تشریف لاتے رہے چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، صابر کلیریؒ، فریدالدین گنج شکرؒ، خواجہ علی ہجویری (المعروف گنج بخش) ایسے بزرگان دین و ملت، شرک و بدعت کے استیصال اور کفر و الحاد کی تردید ہی کے لیے پیدا ہوئے۔ مگر وائے نادانی! کہ ان کے بعد انہی حضرات کی قبور کو مزارات بنا کر ان پر سجدہ ریزی و ناصیہ فرسائی شروع کر دی گئی۔ اور ان باطل سوز بزرگانِ دین اور توحید نواز مجاہدین کے مقابر کو عبادت گاہ بنا لیا گیا۔ آج کوئی بریلویوں سے پوچھے۔ کیا حضرت سید احمد بریلویؒ

نے تقلید و بدعت کی تعلیم دی تھی ؟ مگر سر پیٹیئے اور منہ نوچیئے ۔ کہ سید صاحب کے مزار پہ آج عرس منعقد ہوتے ہیں ۔ اور اس کی بھی عبادت کی جاتی ہے ۔ العیاذ باللہ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؛

شاہ ولی اللہؒ و شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اسی طرح جب اسلامیان ہند نے اپنے اسلاف اور اپنے مذہب کی روایات سے روگردانی کی ۔ قرآن و حدیث کی اطاعت چھوڑ دی اور ہندو دھرم کے زیر اثر کفار و مشرکین کے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کو اپنے مذہب، اپنے ایمان، اپنے عقائد کا جزو رکن بنا لیا ۔ تو حق سبحانہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو مامور فرمایا ۔ ان کی خدمات اور تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ ان کے پوتے شاہ اسمٰعیلؒ تک زوروں پر رہا ۔ اور ان بزرگوں کے عہد مسعود میں توحید و سنت پھر پھلی اور پھولی ۔ آخر شاہ اسمٰعیلؒ کو سکھوں نے شہید کر دیا ۔ اور ان کی شہادت کے ساتھ اشاعت علوم دینیہ کا بھی ایک گوشہ ختم ہو گیا ۔

محدث دہلوی اور اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کو خدمات اسلام اور تبلیغ و اشاعت، توحید و سنّت کا کیا انعام ملا ؟ یہی نا ! کہ ان پر کفر کے فتوے لگے اور محض اس لیے لگے ۔ کہ ان حضرات نے مسلمانوں کو مزارات کی پوجا قبہ و گنبد کی پرستش، پیروں اور ولیوں سے حاجت روائی اور غیر اللہ سے مراد طلبی سے کیوں منع کیا ۔ اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کیوں تلقین فرمائی یہی وجہ ہے کہ اہل توحید و سنّت کے سوا باقی تمام احناف و شیعہ اصحاب ان کو

اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

بہرکیف اسلام کے عروج و زوال اور دین و ملت کے انقلابات کی یہ ایک نہایت مختصر تاریخ ہے۔ اور اگرچہ ذی علم حضرات کے روبرو اس کا بیان آفتاب کے سامنے چراغ روشن کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب بھی کسی زمانے میں اسلام کے زوال کا اندیشہ ہوتا ــــ شریعت مطہرہ سے مسلمان روگردانی و سرتابی کرنے لگتے۔ کتاب و حکمت، قرآن و سنت اور ان کی تعلیمات فراموش ہوجاتیں۔ خرمن توحید پر شرک و بدعت کی بجلیاں چمکنے لگتیں۔ کفر و الحاد کے اژدہے مذہب مقدسہ پر زہر چلانے لگتے۔ غارتگران دین و ایمان کی فتنہ پردازیاں اور ملحدین کی آتش فشانیاں فساد و ہلاکت پیدا کرتیں۔ تو خدائے قدوس اپنے وعدے کے مطابق امت محمدیہ میں ایسے افراد مامور فرما دیتا، جو احیائے دین اور بقائے سنت کے فرائض سرانجام دیتے اور ہمہ تن تبلیغ و اشاعت دین میں مصروف ہوجاتے۔

چونکہ مولینا ابوالوفا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک پُرآشوب نازک دور ہی میں پیدا ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی خدمت اسلام اور احیاء و بقائے کتاب و سنت کے لیے مامور فرمایا۔ لہٰذا ان کا مقام، ان کی ضرورت و اہمیت اور ان کی خدمات کو سمجھنے کے لیے اسلامی تاریخ کے اوراق پاریہ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔ تو اس بھولی بسری داستان کی یاد غیر مفید ثابت نہ ہوگی بلکہ کچھ نہ کچھ نفع ہی دے گی۔

ابوالوفا ثناء اللہؒ

چودھویں صدی کا کفرسوز مجاہد

ہ

نام برگِ گُل مبر بیدل اکہ دِل خوں مے شود
ناخنِ پائے نگارِیں یاد مے آید مرا

اَللّٰہُ اَکْبَرُ! کیسا سنہری زمانہ تھا وہ، جب شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہؒ ہمارے درمیان موجود تھے، جب اُن کی علمی مجلسیں، اور دینی صحبتیں یاد آتی ہیں، تو بے اختیار آنسوؤں کی بارش برسنے لگتی ہے۔ وہ بیشۂ ملت کا شیرِ ژیاں، جس وقت سٹیج پر کھڑا ہو کے دھاڑتا تھا، تو اس کی گرج سے کفار و مشرکین روباہ و شغال کی صورت دم دبا کر بھاگتے تھے۔ وہ ببرِ قوم جب پلیٹ فارم پہ گونجتا تھا، تو اس کے خوف سے ملحدین فرار ہو جاتے تھے۔ وہ دینِ مقدس کا لیثِ جری جب اپنے علم و فضل کی تیغِ براں لے کر میدانِ مناظرہ میں کودتا، تو کسی کو آنکھ اٹھا کے دیکھنے اور زبان کو جنبش دینے کی تاب نہ رہتی۔ وہ مردِ مجاہد سر پہ کفن باندھے جب قرآن کی سپر اور سنت کی تلوار ہاتھ میں لیے رزمگاہ میں قدم رکھتا، تو اس کی ہیبت اور دہشت سے منکرینِ دینِ متین کا زہرہ آب آب ہو جاتا۔ وہ کتاب و حکمت کا شیدا

جب مبتدعین وضالّین کو یہ کہہ کر للکارتا ہے

اَلْعِلْمُ قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ رَسُوْلُہٗ
قَالَ الصَّحَابَۃُ ھُمْ اُولُو الْعِرْفَانِ

مَا الْعِلْمُ نَصْبُكَ لِلْخِلَافِ سَفَاھَۃً
بَیْنَ الرَّسُوْلِ وَبَیْنَ رَاْیِ فُلَانِ

کَلَّا وَلَا عَزْلَ النُّصُوْصِ وَاَنَّھَا
لَیْسَتْ تُفِیْدُ حَقَائِقَ الْاِیْمَانِ

اِذْ لَا تُفِیْدُ کُمْ یَقِیْنًا لَا وَ لَا
عِلْمًا فَقَدْ عُزِلَتْ عَنِ الْاِیْقَانِ

وَالْعِلْمُ عِنْدَ کُمْ یُنَالُ بِغَیْرِھَا
بِزُبَالَۃِ الْاَفْکَارِ وَالْاَذْھَانِ

سَمَّیْتُمُوْہُ قَوَاطِعًا عَقْلِیَّۃً
نَفْیُ الظَّوَاھِرِ حَبَّذَا مِلَاتِ مَعَانِ

کَلَّا وَلَا اِحْصَاءَ اٰرَاءِ الرِّجَالِ
وَضَبْطُھَا بِالْحَصْرِ وَالْحُسْبَانِ

کَلَّا وَلَا التَّاْوِیْلَ وَالتَّبْدِیْلَ
وَالتَّحْرِیْفَ لِلْوَحْیَیْنِ بِالْبُھْتَانِ

کَلَّا وَلَا الْاِشْکَالَ وَالتَّشْکِیْكَ
وَالْوَقْفَ الَّذِیْ مَا فِیْہِ مِنْ عِرْفَانِ

ھٰذِیْ عُلُوْمُکُمُ الَّتِیْ مِنْ اَجْلِھَا
عَادَیْتُمُوْنَا یَا اُولِی الْعِرْفَانِ

۱۔ "علم دراصل وہی ہے جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا صاحب بصیرت و معرفت صحابہ کرامؓ نے کہا۔

۲۔ کسی شخص کی ذاتی رائے اور حضور پُر نورؐ کے فرمان میں بیوقوفی اور بیہودگی سے اختلاف رائے ظاہر کرنا کوئی کمال علم نہیں ہے۔

۳۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا کہ نصوص نبویہ کو بالائے طاق رکھ کر محض تفقہ ذاتی کے بھروسہ پر، حقائق ایمانی سے بہرہ وری حاصل کی جا سکے۔

۴۔ جب ذاتی رائے یقیناً اور علماً کوئی افادی پہلو نہیں رکھتی تو یاد رکھ کہ تو ایمان وایقان رکی ارتقائی منازل) تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔

۵۔ تعجب ہے کہ جانتے بوجھتے نصوص نبویہ کے بغیر محض ذہنی افکار کی بنا پر رفیصلہ شدہ امور کو) علم الٰہی کہا جا رہا ہے۔

۶۔ رپھر ستم بالائے ستم) اس ذہنی موہوم علم کو دلائل عقلیہ براہین قاطعہ، پر از معانی ریعنی جامع معقول ومنقول) نام دیتے ہو۔

۷۔ غلط، غلط ریہ سب موہوم دعاوی ہیں، یہ تو سوچو) جملہ لوگوں کے آرا روخیالات جو بیشمار ہیں کس طرح حصر وشمار اور ضبط میں لائے جا سکتے ہیں۔

۸۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام وحی رمنجانب اللہ) میں افتراء کسی کمی بیشی توڑ موڑ اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

۹۔ وحی ربانی میں نہ کوئی مشکل ہے نہ شک وشبہ اور توقف کا موقعہ

ہے اس لیے کہ اس کی بنا ایقان وعرفان پر مبنی ہوتی ہے۔

۱۰ ۔ اے (بزعم خود) اہل عرفان! یہ تمہارے علوم ہیں کہ جن کی وجہ سے تم ہم (اہل توحید وسنت) سے عداوت رکھتے ہو۔"

تو وہ بغلیں جھانکتے اور گھٹنوں میں سر دیتے نظر آتے۔ اور جب وہ اپنے مخالفین ومعاندین کو پکارتا:

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو وہ اپنی بیچارگی وبے بسی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہتے ؎

قمریاں پاس غلط کردہ سخود مے دارند!
ورنہ یک سرو دریں باغ بہ اندام تو نیست

وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول کا اطاعت گذار جب توحید وسنت کی اشاعت کے لیے نکلتا، تو اس کے حریف بھی اعتراف کرتے ہوئے یہ کہہ کر سر جھکا دیتے ؎

يُقِيْمُ قَنَاةَ الدِّيْنِ بَعْدَ اِعْوِجَاجِهَا[1]
وَيُنْقِذُهَا مِنْ قَبْضَةِ الْمُتَعَصِّبِ

اللہ اللہ! وہ سعید ورشید گھڑیاں، وہ سہانا اور بہار آفریں سماں، وہ فرحت بخش وقت جب بھی یاد آتا ہے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اور رقت قلب سے آنکھیں اشک آلود ہو جاتی ہیں۔ کیسی ایمان افروز اور کفر سوز زندگی تھی، اس مرد مومن کی، جس نے عمر عزیز کا تمام وکمال حصہ دین

---

[1] اس نے (لوگوں کے) ٹیڑھا کر دینے کے بعد دینی احکام وحقائق کو سیدھا اور ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ اور اسے متعصب لوگوں کے قبضہ سے بچا لیا۔

ملت کی خدمت اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں صرف کیا جس نے اسلام کی ناؤ کی اس وقت ملاحی کی جب وہ کفر والحاد اور شرک وضلالت کے بھنور میں پھنسی ہوئی ڈگمگا رہی تھی۔ اس نے حیاتِ مستعار تبلیغ وتوحید کے لیے وقف کر دی اور زبان وقلم سے وہ جہاد کیا، جو تیغ وسناں سے ہونا مشکل ہے۔ ایسے ہی داعیانِ حق وصداقت کے لیے جناب ہادی اسلام کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ فِي أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ عبداللہ ابن مسعودؓ فی المسلم)

"یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ رفیقوں کی ایک جماعت اپنی امت میں چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت حواری یا اصحاب کہلاتی ہے اور درس گاہ نبوت کی سب سے پہلی تعلیم یافتہ جماعت یہی ہوتی ہے۔ یہ لوگ نبی کی سنت کو قائم وجاری رکھتے اور صحیح طور پر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد بدعات وفتن کا دور آتا ہے۔ اور ایسے افراد پیدا ہو جاتے ہیں جو اسوۂ نبوت سے انحراف واختلاف کرنے لگتے ہیں۔ ان کا فعل ان کے قول ودعویٰ کے خلاف ہوتا ہے۔ اور ان کے کام بھی

شریعت کے احکام کے منافی ہوتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کے خلاف
جو شخص کتاب و سنت کے لیے اپنے ہاتھ سے جہاد کرتا ہے
وہ مومن ہے جو ایسا نہیں کر سکا مگر زبان سے کام لیتا ہے، وہ
بھی مومن ہے۔ اور جو صرف اعتقاد صحیحہ کو بروئے کار لاتا ہے
وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد ایمان کا کوئی مرتبہ نہیں۔ حتیٰ کہ
دانہ رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔"

پس اس حدیث کی رُو سے مولانا ابوالوفاءؒ مومن کامل تھے اس لیے کہ انہوں نے مبتدعین و محرفین کے خلاف اپنی زبان استعمال کی اور قلم کو حرکت دی۔ اور اعتقاد صحیح کا تو یہ حال تھا کہ ان کا کوئی فعل کوئی کام اور کوئی قول کتاب اللہ و سنت کے خلاف نہ کسی نے دیکھا نہ سنا[۱] مرحوم نے احیائے دین اور بقائے سنت کے سلسلے میں تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ یہاں تک کہ ان پہ قاتلانہ حملہ کرنے بھی دریغ نہ کیا گیا۔ مگر وہ دیوانہ وار اس خدمت پر ڈٹے رہے۔ ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اور جب کوئی سخت آزمائش اور کڑا امتحان دینا پڑا تو آپ اس میں یہ کہہ کر ہمیشہ اول نمبر پاس ہوتے کہ ؎

در مدرسہ کس را نرسد دعویٰ توحید
منزل گہِ مردانِ موحّد سرِ دار است

آہ! ابوالوفاء کی کس بات کو یاد کیا جائے؟ وہ دینِ حنیف کے لیے

---

[۱] آپ کی تفسیر پہ اعتراض کرنے والے احباب معاف رکھیں۔ اس کا ذکر ایک مستقل عنوان کے تحت الگ ہو رہا ہے۔ (خادم)

ایک سپر تھے، ایک دیوار تھے ــــ سیسہ پلائی ہوئی دیوار! جس پر دشمن کی تلواریں تو کیا گولے اور بم اور ایٹم تک نہ اثر کر سکتے تھے۔ وہ قوم کے محافظ اور پاسبان تھے۔ آندھی ہو جھکڑ ہو، طوفان ہو اور حالات کیسے ہی پُرخطر و ہولناک ہوں۔ وہ برابر پہرہ دیتے اور نگہبانی کرتے رہتے تھے۔ اور ان کا دل ذرا خوف نہ کھاتا۔ اور ذرا متزلزل نہ ہوتا تھا۔ مرحوم نے اشاعتِ تبلیغ اور خدمت اسلام کے لیے ہندوستان کے طول و عرض کا سفر کیا۔ مگر کیا مجال، جو کسی وقت بدن کی کوفت اور جسم کی تھکن سے زبان نے اُف تک بھی کی ہو۔ انہوں نے اپنے ان تھک قلم سے علم کے دریا بہا دیئے اور قرآن و حدیث کے بحر ذخار سے وہ موتی چُن چُن کے نکالے جن کی جلاء سے گھونگھوں اور کوڑیوں کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ علم کے ناپیدا کنار سمندر تھے۔ جس کی غواصی ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہے۔ اور اس کی تہ تک پہنچنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ان کے تبحّر علمی نے دوستوں اور مداحوں ہی سے نہیں حریفوں اور دشمنوں، مخالفوں اور نکتہ چینوں سے بھی لوہا منوا لیا۔ اور وہ بیک زبان پکار اٹھے کہ ؎

ثَنَاءُ اللّٰہِ اَضْحٰی بَحْرُ عِلْمٍ ۔۔۔ یُجِیْبُ السَّائِلِیْنَ بِلَا قُنُوْطٍ
اَحَاطَ بِکُلِّ عِلْمٍ فِیْہِ نَفْعٌ ۔۔۔ فَقُلْ مَا شِئْتَ فِی الْبَحْرِ الْمُحِیْطِ[1]

جب مولانا نے میدان جہاد میں کود کر علم اسلام کو بلند کیا اور زبان و

---

[1] مطلب یہ کہ ثناء اللہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا علم کا سمندر ہے جو پوچھنے والوں کو بغیر کسی جھجک و تامل کے جواب دے دیتا ہے۔ اس نے ہر ایسے علم کو جو نافع ہے احاطہ کر رکھا ہے (سیکھ رکھا ہے) اس لیے (اے ثناء اللہ) اپنے بحر علوم سے جو چاہتا ہے کہتا چلا جا۔"

قلم کو سیف و سناں کی جگہ استعمال فرمایا۔ اس وقت مسلمانوں کے حالات کس قدر نازک اور پُر آشوب تھے ؟ اس کی تفصیل تو آپ کو آگے چل کر ملے گی ۔ مگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس دور ضلالت میں آپ نے خدمت دین مبین اور اشاعت کتاب و سنت کا بیڑا اٹھایا۔ وہ ایک مصائب و آلام کا دور تھا۔ اور مسلمان سب اطراف سے کفر و شرک کے حصارِ سنگین میں محصور تھے۔ اس وقت آپ نے اسلام اور اہل اسلام کی جو خدمات سرانجام دیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اور اس لائق ہیں کہ تاریخ ضلالت و فتن میں آب زر سے لکھی جائیں۔ اور یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ آپ کی حسن خدمات کا آپ کے معاصرین اور مخالف معاصرین کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے سر تسلیم خم کیا اور کہا ؎

فَاَظْهَرَ الْحَقَّ اِذْ اٰثَارُهٗ دَرَسَتْ
وَاَخْمَدَ الشَّرَّ اِذْ طَارَتْ لَهٗ شَرَرٌ

علاوہ بریں انہوں نے امام حافظ ذہبی کی زبان میں یہ بھی اعتراف کیا وَلَقَدْ نَصَرَ السُّنَّةَ الْمَحْضَةَ وَالطَّرِيْقَةَ السَّلَفِيَّةَ وَاحْتَجَّ لَهَا بِبَرَاهِيْنَ وَمُقَدِّمَاتٍ وَاُمُوْرٍ لَمْ يَسْبِقْ اِلَيْهَا وَاَطْلَقَ عِبَارَاتٍ اَحْجَمَ عَنْهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ ۔

آخر قدرت کے نوشتے پورے ہوئے پیغام اجل آ پہنچا اور حضرت مولانا یہ کہہ کر ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے کہ ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

اے چشم زار! مت روکہ مرحوم بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور ایک روز دارِ فانی سے رہگرائے عالم جاودانی ہونا تھا۔ اے دل! ان کی یاد میں مت تڑپ!! کہ وہ عمرِ طبعی کو پہنچ چکے تھے۔ اور ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اگر آج ہم سے جُدا نہ ہوتے تو کل ہو جاتے۔ ہاں!! اے آنکھ اور دل! تم یہ دیکھو، کہ مرحوم جو امانت قوم اور جماعت کے لیے چھوڑ گئے ہیں اسے کوئی کندھوں پر اٹھاتا بھی ہے کہ نہیں؟ یا قوم کی طرف سے وہی جواب ملتا ہے، جو خداوند تعالیٰ کو زمین و آسمان نے دیا تھا" کہ ہم اس امانت کو اٹھانے کے اہل نہیں" اور جس کی سزا انہیں یہ ملی کہ یہ ارض و سما قیامت تک چکر میں رہیں گے۔ اور انہیں سکون و ثبات نصیب نہ ہو گا۔ خدائے کریم قوم و ملت کو اس قسم کے چکر سے بچائے۔ اور جو کام ابوالوفا مرحوم چھوڑ گئے ہیں وہ اسے سنبھال کر اللہ کے ہاں سے اجر پائیں۔

آپؒ کے ابتدائی حالات

مولانا ثناء اللہ ماہ جون ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۷ھ میں کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں آئے۔ امرتسر آپ کا مقامِ ولادت ہے۔ آپ کشمیری پنڈتوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصلی وطن ریاست کشمیر کا علاقہ ڈور ہے۔ جو تحصیل اسلام آباد (اننت ناگ) ضلع سری نگر میں واقع ہے۔ آپؒ کے واجد ماجد شیخ خضر جُو پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔ وہ ۱۸۶۰ء کے قریب تجارت کی غرض سے یا ڈوگرہ کفار کی ستم رانیوں سے تنگ آ کر جبکہ کشمیر میں ڈوگرہ راجہ رنبیر سنگھ حکمران تھا امرتسر آئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

کشمیر میں کشمیری برہمنوں کے نہرو خاندان کی طرح منٹو خاندان بھی معزز و محترم

سمجھا جاتا ہے ۔ چونکہ ریاست کشمیر ۱۳۲۶ء سے لے کر ۱۸۱۹ء تک مسلم فرمانرواؤں کے زیرنگیں رہی ہے، اس لیے ۴۹۳ سال کی اسلامی حکومت کے زمانہ میں بہت سے برہمن خاندان اور دوسری غیر مسلم اقوام دولت اسلام سے مالامال ہوئیں۔ چنانچہ مولانا کے آباؤ اجداد بھی غالباً سلطان زین العابدین شاہ والیٔ کشمیر کے عہد مسعود ہی میں دین حنیفت کے اندر داخل ہوئے۔ اسی مسلم سٹیٹ کا ایک مورخ مولوی ابراہیم علی لکھتا ہے۔

"کشمیر میں چونکہ پانچ سو سال تک اسلامی حکومت رہی ہے اس لیے اس زمانہ میں ریاست کے اکثر خاندان خصوصاً کشمیری پنڈتوں کے خاندان مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ یہاں تک کہ نہرو اور منٹو خاندان کے افراد نے بھی، جو ریاست میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مسلم والیان ریاست ہی کے عہد بابرکت میں دین محمد قبول کیا۔ اور اسی طرح ریاست کشمیر میں اسلام خوب پھلا اور پھیلا۔"

("کشمیر اسلامی عہد میں" صفحہ ۱۵۴)

افسوس! کہ ۱۸۱۹ء میں جبکہ احمد شاہ ابدالی کے جہاد نے کفار ہند کا کچومر نکال دیا تھا۔ افغان گورنروں کی باہمی چپقلش نے اس مسلمان ریاست کو رنجیت والئے پنجاب کے حوالے کر دیا۔ جس کے بعد یہ ڈوگرہ حکمران خاندان کے قبضے میں آ گئی۔ انا للہ!

تاریخِ کشمیر

کشمیر ـــــ جس کو خاص و عام کی زبان "جنّت نظیر" کہتی ہے۔ اور جس

کی شان میں شاعران شیریں مقال یہ مدحیہ شعر تصنیف کر چکے ہیں کہ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمیں است وہمیں است ہمیں است

اس مبارک زمانے میں واقعی خلد بریں تھا۔ جب اس میں اسلامی حکومت کا سورج نصف النہار پر تھا، مسلم تاجدارانِ کشمیر نے اس ریاست کو اپنے اپنے عہد میں فی الحقیقت جنت ماوٰی بنا دیا تھا۔ چنانچہ سلطان صدر الدین، سلطان شمس الدین، سلطان جمشید، سلطان علاؤ الدین، سلطان شہاب الدین، سلطان قطب الدین، سلطان سکندر، سلطان علی شیر، سلطان زین العابدین سلطان فتح شاہ، سلطان حبیب شاہ، سلطان غازی خاں، امیر ابو المعالی، ملک شمس دینہ، سلطان علی چک، سلطان یوسف خاں، سلطان یعقوب چک اور سلطان شمس چک کے ادوار وعہود میں ریاست کشمیر فی الواقع جنت نظیر بن گئی تھی۔ ان سلاطین کے زمانے میں ریاست نے خوب ترقی کی۔ اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ اور یہ جو آپ کو کشمیر میں تیس لاکھ فرزندانِ توحید کی اکثریت نظر آتی ہے۔ لاریب یہ انھی فرمانروایانِ ریاست کی مساعی حسنہ کا نتیجہ ہے۔

ان مسلم شہریارانِ ریاست کے بعد مملکتِ کشمیر مغلیہ اور درانی حکومت کے ماتحت آ گئی۔ اور ان کی حکمرانی میں بھی اس کو خطۂ ارم بننے کا خاصہ موقع ملا۔ ریاست میں جو فلک بوس پارینہ عمارات، مساجد، مزارات، حصارات باغات، محلات، مصنوعی جزیرے، چشمے، جھیلیں، ڈل وغیرہ اس وقت دکھائی دیتے ہیں، یہ انھی مسلمان سلطانوں کی غیر فانی یادگاریں ہیں۔

اس کے بعد زمانے نے ایک ایسا پلٹا کھایا۔ جو اب تک نہ صرف کشمیر کے

مسلمانوں کو بلکہ ساری دنیا کے اہل اسلام کو خون کے آنسو رلا رہا ہے۔
۱۸۰۰ء میں پٹھان گورنروں، وزیروں اور جرنیلوں کے درمیان وہ نفاق افتراق شروع ہو گیا، جس سے اسلام اور اس کے ہادیؐ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا۔ اور کہا تھا کہ "اگر تم آپس میں لڑنے جھگڑنے لگو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہاری قوتیں کمزور ہو جائیں گی، تم بکھر جاؤ گے۔ اور اس انتشار و افتراق سے فائدہ اٹھا کر دشمن تم پر ٹوٹ پڑے گا اور تمہاری عزت حکومت اور دولت پر قبضہ کر لے گا"

چنانچہ یہی ہوا! کشمیر کے مسلم حاکموں کے ذاتی عناد و فساد نے دین و ملت پر کاری ضرب لگائی۔ ریاست کی پانصد سالہ اسلامی حکومت آن کی آن میں تباہ ہو گئی۔ ۱۸۱۹ء میں سردار رنجیت سنگھ فرمانروائے پنجاب نے کشمیر کو اپنی قلمرو میں داخل کیا: اور اس طرح یہ مسلم ریاست طرفۃ العین میں ایک سکھ رجمنٹ بن گئی۔

اسلامیان کشمیر کے قلب و جگر کا یہ گھاؤ کچھ کم ناقابلِ اندمال نہ تھا کہ اس نے ۲۷ سال کے بعد ناسور کی شکل اختیار کر لی۔ جبکہ ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کے روز بد کو "عہد نامہ امرتسر" عمل میں آیا۔ اس وقت چونکہ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لیے دشمنِ اسلام برطانوی گورنمنٹ نے اس عہد نامہ کی رُو سے کشمیر کو ساٹھ لاکھ کے عوض راجہ گلاب سنگھ والیٔ جموں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بالفاظ صحیح یوں کہنا چاہیئے۔ کہ نابکار انگریز نے ہر کشمیری مسلمان کو صرف دو روپے میں ڈوگرہ راجہ کے آگے بیچ ڈالا۔

چنانچہ ۱۰۵ سال سے مسلمانانِ ریاست، ڈوگروں کے پنجہ استبداد میں گرفتار ہیں۔ اور ان کے جور و جفا، ظلم و ستم کو برداشت کر رہے ہیں۔

ڈوگرہ حکومت نے مسلمانوں کو دو روپے فی کس کے حساب سے خرید کر انہیں ہمیشہ کے لیے زنجیر غلامی میں جکڑ دیا۔ اور اس کے علاوہ ان پر پہلا حربہ یہ چلایا، کہ ریاست سے اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی تمدن و معاشرت کو مٹانا شروع کر دیا۔ دینی امور میں مداخلت کی۔ مذہبی معاملات پہ پابندیاں لگائیں۔ کئی مسجدیں ضبط کر لیں اور بعض مقامات پر نو اذان دینے نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن مجید کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ مسلمانوں کو علوم و فنون کی تحصیل سے محروم رکھا گیا۔ چھوت چھات کو فروغ دے کر مسلمانوں کی تجارت کو بیحد نقصان پہنچایا گیا۔ ملازمت میں ان کے حقوق پائمال کیے گئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں اسلامیان کشمیر اپنی قدیم تہذیب اور اسلامی روایات فراموش کر بیٹھے۔ علوم مروجہ، خصوصاً علوم دینیہ سے بے بہرہ ہو گئے اور بعض جگہ تو بلا مبالغہ یہاں تک دیکھنے میں آیا کہ مسلمان کلمہ تک سے نا آشنا رہتے۔ ہندو ڈوگروں میں اور ان میں کوئی تفاوت اور کوئی فرق نظر نہ آتا تھا۔

غور فرمائیے! ان حالات میں قدرت حق یہ کب گوارا کر سکتی تھی، کہ جس شخص کو اس نے خدمتِ اسلام پر لگانا تھا، جس کو فقیہہ و مجتہد، محدّث و مفسّر بنانا تھا، جس کے ذریعہ سے توحید پھیلانی تھی، جس کی وساطت سے شرک و کفر کی جڑیں اکھاڑنی تھیں، جس کے توسط سے بدعات کا خاتمہ کرنا تھا، جس کی معرفت دین مقدس کی تبلیغ کرانی تھی۔ اور جس کو مباحث و مناظر کا امام و استاد بنانا تھا۔ اس کو کشمیر میں رہنے دیتی۔ ڈوگروں کا غلام بناتی۔ اور کفار و مشرکین کی ستم رانیوں اور جفا کیشیوں کو سہہ کر اس کو اپنی اسلامی ثقافت و نجابت تباہ کرنے پر مجبور کرتی۔

مولانا کے والد بزرگوار اسی لیے کشمیر کو چھوڑ کر امرتسر چلے آئے: تاکہ مولانا اس عظیم الشان جماعت کے ممبر بلکہ لیڈر بن سکیں، جس کے متعلق خدائے قدوس نے یہ بشارت دی ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۴)

پس یہی وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر مولانا ابوالوفاء کی ولادت ریاست کشمیر کی بجائے ارضِ پنجاب میں مقدر ہوئی۔ حکیم علی الاطلاق کی حکمتِ بالغہ نے ان کو اسی لیے متحدہ ہند کے وسط یعنی امرتسر میں پیدا کیا۔ تاکہ وہ تمام ہندوستان میں نورِ اسلام کی کرنیں ڈال سکیں۔ اگر وہ کشمیر ہی میں پیدا ہوتے اور وہیں سکونت اختیار کرتے، تو ممکن ہے جو فوائد دین و ملت کو ان کی ذات سے پہنچے ہیں، وہ نہ پہنچ سکتے۔ اور کفارِ ہند میں دینِ حنیف کی جو تبلیغ و اشاعت انہوں نے کی ہے، وہ نہ ہو سکتی، مگر قدرت کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مسبب الاسباب ایسے وجوہ و علل پیدا کر دیتا ہے، جو مذہب و قوم کی تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ اور جن کی بدولت اس کا اور اس کی توحید کا نام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاتا ہے: تاریخ اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی سے دین کی خدمت لینی ہو تو وہ بعض اسباب کے تحت اس کو وہاں پہنچا دیتا ہے، جہاں اُس کی اشد ضرورت ہو۔ مولانا ثناء اللہؒ کو بھی اس نے کشمیر سے نکال کر سرزمین پنجاب میں اسی بنا پر منتقل فرمایا، کہ وہاں ان کی شدید ضرورت تھی۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر ان کی مذہبی زندگی میں بیان کریں گے۔ یہاں صرف اُن اسباب سے روشناس کرانا مقصود تھا۔ جن کی وجہ سے مولانا کے والد محترم نے ترکِ وطن کیا۔ اور اپنا قدیمی

مسکن چھوڑ کے دوسری جگہ مستقل سکونت اختیار کر لی۔

علامہ اقبالؒ کا ذکر

یہاں قدرت کاملہ کا ایک باریک ولطیف نکتہ بیان کر دینا اس کے حکیمانہ افعال پر مہر تصدیق لگانے کا موجب ہوگا۔ کہ اس نے ایک طرف تو مولانا ثناء اللہ کے والد ماجد کو کشمیر کی ڈوگرہ شاہی سے نکال کر امرتسر کو ان کا مسکن بنا دیا اور دوسری طرف علامہ اقبال کے آباؤ اجداد کو اسی جنت نظیر سے جو کفار کی حکمرانی کے باعث دوزخ کا نمونہ بن چکی تھی، سیالکوٹ میں لا آباد کیا۔ اور اس طرح یہ دونوں بزرگ مشرکین کے چنگل سے نکل کر ارض پنجاب میں خدمتِ اسلام پر مامور ہوئے۔ ایک نے تبلیغ و مناظرت میں وہ نام پیدا کیا کہ عہد حاضر میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ دوسرے نے فلسفۂ اسلام سے دنیا کو کچھ اس طرح روشناس کرایا کہ اس کی مثال بھی ڈھونڈے نہ ملے گی۔ ایک نے خطابت میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا کر مذہب حقہ کو روشن کیا۔ دوسرے نے اشعار میں بلا کی تاثیر پیدا کر کے مسلمانوں کے اندر دین محمدؐ کی روح پھونک دی۔ ایک نے وعظ و تقریر کے ذریعے کتاب و سنت کو زندہ رکھا اور دوسرے نے شعر و سخن میں فرمودۂ خدا اور گفتۂ رسول کے معنی سمجھائے۔ اور یوں یہ دونوں کشمیری پنڈت ـــــ یہ دونوں برہمن زادے بتانِ آزر کو ریزہ ریزہ کر کے دینِ حنیف اور ملّت ابراہیم کی خدمت و اشاعت میں اپنی حیات عزیز صرف کر گئے۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسلام کا ایک زندہ معجزہ

یہ اسلام کا ایک زندۂ جاوید معجزہ ہے۔ کہ جو خاندان اور جو افراد قبل از قبولِ اسلام کافر و مشرک تھے۔ اوثان و اصنام کی پرستش کرنے والے تھے۔ جب وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ تو شرک و بت پرستی سے ایسے متنفر اور بیزار ہوئے کہ اس کا نام تک لینا اور سننا گوارہ نہ کرتے تھے۔ ضمام بن ثعلبہ، سلیم بن حارث اور معاذ بن جبل ایسے غالی بُت پرستوں کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ کہ وہ اسلام لانے سے پیشتر اپنے مخصوص بتوں کی توصیف و تمجید میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ مگر جب وہ دین خدا کی دولت سے مالا مال ہوئے تو فوراً بت شکن بن گئے۔ اور توحید الٰہی کی تبلیغ و اشاعت میں بیش از بیش حصہ لیا۔ یہی حال مولانا ثناء اللہؒ اور علامہ اقبالؒ کے خاندان کا تھا کہ یہ دونوں حضرات بھی ایسے گھرانوں میں پیدا ہوئے، جو مشرک اور غیر اللہ کی پوجا کرتے تھے۔ مگر جب ان کے اجداد نے اسلام قبول کیا، تو ان کے دودمان کدوں میں ایسے فرزندار جمند تولد ہوئے جنھوں نے خدا تعالیٰ کی توحید کے احیاء و بقا میں زندگی وقف کر دی ؎

انھی نے تھی توحید پھیلائی پھر سے
ہوئی بزم تھی سرد، گرمائی پھر سے

آپ کے مشاغل و مشاغف

تجارت مولانا کے خاندان کا قدیمی پیشہ تھا آپ کے والد محترم بھی پشمینہ کی تجارت کرتے تھے اور اسی سلسلہ میں وہ امرتسر آیا کرتے تھے اور بالآخر امرتسر

ہی مقیم ہو گئے تھے لیکن خود مولانا نے بعض نامساعد حالات کی بنا پر یہ آبائی کاروبار اختیار نہ کیا۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ آپ ابھی زندگی کی ساتویں بہار بھی نہ دیکھ پائے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ اور جب حیاتِ مستعار کی چودھویں منزل میں قدم رکھا تو شفقت مادری بھی جاتی رہی۔ آپ کے برادر بزرگ محمد ابراہیم مرحوم نے آپ کو رفوگری کا فن سکھایا اور اس میں مولانا نے مہارت تامہ حاصل کی۔ اور کچھ عرصہ اسی کو ذریعہ معاش بنائے رکھا لیکن قدرت اس رفوگر سے کہہ رہی تھی۔ کہ تو پھٹے ہوئے کپڑوں کو درست نہ کرے گا، بلکہ مسلمانوں کے قلب وجگر کے اس چاک وشگاف کو رفو کرے گا جو شرک و بدعت سے پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد اس نے مولانا سے رفوگری چھڑا دی۔ اور انہیں وعظ و تبلیغ، مناظرہ و مباحثہ کے لیے سٹیج پر لا کھڑا کیا۔

ممکن ہے قارئین میں سے کئی اصحاب مولانا کی علمی و دینی ترقیوں پر حیرت و استعجاب کا اظہار کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ سیالکوٹ میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ مولانا مرحوم نے اس میں دو بار تقریر فرمائی۔ خوب واہ واہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مخالف مسلمانوں نے بھی ان الفاظ میں آپ کو داد فضیلت دی کہ "ثناء اللہ نے اسلام کی لاج رکھ لی ہے۔ ورنہ ہندو اور عیسائی ہمارے مولویوں کو لاجواب کر چکے تھے۔"

بات یہ تھی کہ سیالکوٹ میں انجمن اسلامیہ کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں آریوں اور عیسائیوں نے بھی اسلام پر اعتراض کرنے اور اس کا جواب لینے کے لیے وقت مانگا۔ انجمن نے اجازت دے دی اور حریفوں کے مقابلے میں شیعہ اور حنفی علماء منگائے گئے۔ لیکن جب مناظرے کا وقت آیا

تو مخالفین اسلام نے کچھ اس قسم کے پیچیدہ اور ٹیڑھے سوال کیے کہ شیعہ اور حنفی عالموں سے ان کا کچھ جواب بن نہ آیا۔ حسنِ اتفاق سے مولانا ابوالوفا ان دنوں وزیر آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ انجمن نے فوراً آدمی بھیج کر انہیں بلوایا۔ مولانا نے آتے ہی اعتراضات سُنے۔ اور چند ہی منٹ میں اللہ کا نام لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور وہ دندان شکن جواب دیئے کہ حریف بغلیں جھانکنے اور گھٹنوں میں سر دینے لگ گئے۔

اختتام جلسہ پر جب اہل توحید کو فتح اور مشرکین کو شکست ہوئی۔ توحید پست ذہن احناف کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا، کہ ——— "ثناء اللہ آخر تو رفوگر ہی ہے نا! ساری عمر گرم کپڑے رفو کرتا رہا۔ آج عالم بن کر سٹیج پہ آن کھڑا ہوا ہے۔"

اس پچاس سال پرانی بات کا جواب آج دینا باسی کڑھی کو ابالنے کے مترادف ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ جو کسی کے عروج و ارتقاء پر جل کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اسلام میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں۔ مگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے اُن میں ذات پات کے امتیاز کے علاوہ پیشہ وارانہ فرق بھی موجود ہے اور بعض قسم کے فنون ان کے ہاں حقیر و بے توقیر سمجھے جاتے ہیں مگر یہ "شرف" صرف پاک و ہند ہی کے مسلمانوں ہی کو حاصل ہے ——— کہ وہ کاروباری تفریق کو روا رکھ کے اسلام کی اخوت و مساوات کو نہ صرف تباہ کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وحدت ملی کو پارہ پارہ، اور شیرازۂ قومی کو بکھیرنے کے آرزومند رہتے ہیں۔ اور انہیں لوگوں کے لیے حکم نبوی ہے کہ:

"مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّفَرِّقَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ

بالسَّیْفِ کَانَ مَنْ کَانَ [1]"

آپ کسی دوسرے اسلامی ملک میں چلے جائیے۔ وہاں نہ تو آپ کو ذات پات، رنگ و خون اور دودھ و نسل کی تمیز نظر آئے گی۔ نہ کوئی پیشہ وارانہ تفریق دکھائی دے گی۔ اور نہ ہی کسی فن، کسی کاروبار کو ذلیل و حقیر سمجھا جائے گا۔ اگر ایک دھنیا ترقی کر کے وزیر بن گیا ہے، تو وہ اپنے نام کے ساتھ فخر سے ندّاف لکھے گا۔ ایک سری پائے بیچنے والا خوش قسمتی سے کرسئ افسری پر بیٹھ گیا ہے تو اس کے دستخطوں میں آپ کو "پاچی" کے الفاظ نمایاں نظر آئیں گے۔ اور یہ صرف اس لیے ہے، کہ جس طرح اسلام میں فرقہ سازی اور گروہ بندی جائز نہیں، اسی طرح اس نے ہر اس بات سے منع فرمایا ہے جس میں نفرت و حقارت پائی جاتی ہو۔

ہم یہ نہیں بتانا چاہتے، کہ روز ویلٹ ایک آہن گر ہو کر کس طرح امریکہ کی کرسئ صدارت پر بیٹھ گیا؟ ہٹلر ایک موچی ہو کر کیسے جرمنی کا ڈکٹیٹر بن گیا؟ نادر شاہ ایک گڈریا ہو کر کیونکر تخت شاہی کی زینت بنا؟ رضا شاہ۔ ایک مزدور ہو کر کس طرح حکومت ایران پر قابض ہو گیا؟ ہم تو یہ اور صرف یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ اگر حضرت نعمان بن ثابت یعنی امام ابوحنیفہؒ ایک پارچہ باف کے فرزند ہو کر اور ایک کلانتھ مرچنٹ ہو کر امام بن سکتے ہیں تو ایک پشمینہ فروش کا لختِ جگر اور ایک رفوگر بھی عروج و ترقی پا کر یکتا اور لاثانی مناظر بن سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے جس پر

---

[1] جو کوئی امت محمدیہ کے اجتماع میں تفریق و تشتت پیدا کرے خواہ وہ کوئی ... [illegible]

اپنا فضل وکرم کرے اور جسے چاہے علوم دینیہ کی دولت سے مالا مال کردے ؎

خدا کی دین کا پوچھیئے موسیٰؑ سے احوال
کہ آگ لینے جائیں پیمبری مل جائے

فرزندانِ اسلام کو اپنے کسی دینی بھائی کی ترقی و سربلندی پر حسد و تعصب کرنے اور جل مرنے کی بجائے رشک کرنا چاہیئے۔ اور دعا مانگنی چاہیئے کہ خدائے رحیم وکریم ہر مسلمان کو دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ تاکہ اسلام کا بول بالا اور اعدائے دین کا منہ کالا ہو۔

کاش! برادرانِ ملت عروج و ارتقار کے معنی و مطلب سمجھیں، اور اپنی ذلت و پستی کو دور کرکے دنیا میں عزت و عظمت حاصل کریں۔ مولانا حالی نے امام ابوحنیفہؒ اور ابوالوفا ثناء اللہؒ ایسے ترقی یافتوں کا نقشہ بڑے دلفریب الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی — جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی — فضیلت نہ عزت نہ فرمانروائی

نہال اس گلستان میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی ان کو صفار تھے جو — امامت کو پہنچے وہ قصار تھے وہ
وہ قطب زماں ٹھہرے عطار تھے جو — بنے مرجع خلق، نجار تھے وہ

اولوالفضل یاں اٹھے سراج کتنے
ابوالوقت ہو گزرے حلاج کتنے

نہ بونصر تھا نوع میں تم سے بالا — نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا — ہوئے اس لیے صاحب قدر والا

اگر فکرِ کسبِ ہنر تم کو بھی ہو
تمہیں پھر ابو نصر اور بو علی ہو

مالی حالت

ابتدا میں مولانا کی حالت وہی تھی، جو ایک یتیم و مسکین کی ہوا کرتی ہے۔ سات سال کی عمر میں والدگرامی وفات پا گئے۔ ہنوز ان کا زخم مفارقت مندمل نہ ہوا تھا کہ آپ کے تایا اکرم اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابھی یہ گھاؤ بھی مرہم کا محتاج تھا کہ والدہ محترمہ رحلت فرما گئیں۔ لے دے کے بڑے بھائی کی نگرانی و تولیّت رہ گئی۔ مگر وہ خود بمشکل گذارہ کرتے تھے۔ اور نہ کوئی آپ کی برادری تھی نہ کنبہ، جس کی معاونت آپ کی مالی پریشانیوں کا علاج کرتی۔

کچھ مدت تو یونہی گذری۔ لیکن جب خدائے کریم نے دیکھا، کہ یہ توحید کا علمبردار، وحدت الٰہی کی تبلیغ و تلقین کرنے اور دوسروں کو غیر اللہ کی عبادت و استعانت سے روکنے والا اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کا نعرہ بلند کرکے اس کے نام کو اُبھارنے اور پھیلانے میں مصروف ہے، تو اس نے گوارا نہ کیا کہ وہ غیروں کا دستِ نگر رہے اور اس کے ان بندوں کے آگے ہاتھ پھیلائے، جو مُور و مگس پر بھی حکومت کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور ہر معاملے میں خود محتاج نظر آتے ہیں۔

چنانچہ شانِ خداوندی ملاحظہ کیجیے کہ یہی یتیم و مسکین ثناء اللہ جس کا نہ کوئی اثاثہ تھا نہ ترکۂ پدری، جب رفوگری چھوڑ کے علوم دینیہ کی تعلیم و تعلّم درس و تدریس، نشر و اشاعت میں مصروف ہوا۔ تو جوں جوں وہ علم و فضل کے میدان میں قدم بڑھاتا گیا، اس کے ساتھ ہی ساتھ دولت و ثروت بھی

اس کے پاؤں چومنے لگی۔ اور آخر کار حالت یہ اینجا رسید کہ مولانا صاحب اقبال اور صاحب جائداد ہو گئے۔ ایک وہ وقت تھا۔ کہ وہ کرائے کے ایک نہایت معمولی سے مکان میں رہتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا، کہ ایک دو نہیں، آٹھ نو مکان اور کئی دوکانیں انہوں نے خریدیں اور بنوائیں۔ نقدی کی بھی کمی نہ تھی۔ طلائی و نقرئی زیورات کے علاوہ ہزارہا روپے جمع ہو گئے۔ خود مولانا فرمایا کرتے تھے:

"ابتدا میں ہماری مالی حالت بالکل معمولی تھی۔ یہ علمِ دین ہی کی برکت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اس قدر نوازا کہ کسی کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ اس کا بیحد و عد شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم کا وافر حصّہ عطا فرمایا ہے۔"

مولانا کی مالی ترقی بھی علمی عروج کی طرح سبق آموز ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے اسی کا ہو کر رہے اسی کو رازقِ ارزاق، ربّ الارباب، اور حقیقی پروردگار سمجھ لے، تو اسے غیروں کی احتیاج و اعانت سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

اے کاش! خدائے قدیر سے منہ موڑ کر غیر اللہ سے رشتے جوڑنے اور محتاج انسانوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے والے، دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے مالکِ حقیقی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ تو دولتِ دنیوی کے علاوہ ثوابِ اُخروی بھی حاصل کریں۔

مولانا ابوالوفاء کی مالی ترقی سے ان مسلمانوں کو بھی سبق لینا چاہیئے جو "اَلْعِجْزُ فَخْرِیْ" کی جگہ "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" کا غلط نعرہ لگا کر فقر و فاقہ کی دعائیں مانگا کرتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ اسلام نے عُسرت اور تنگدستی سے پناہ مانگنے

کی تاکید فرمائی ہے۔ دنیا تو رہی ایک طرف، مال و دولت کے بغیر تو دین کا بھی کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ اسی لیے حضور ختمی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ساتھ دنیا کو لازم قرار دیا اور فرمایا:

"خَيْرُكُمْ مَنْ لَّمْ يَتْرُكْ اٰخِرَتَهٗ لِدُنْيَاهُ وَلَا دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ"[1]

علاوہ بریں قرآن کریم نے بھی ہمیں دین اور دنیا دونوں کو قائم رکھنے اور دونوں میں بھلائی اور نیکی تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ کون مسلمان ہے جو یہ دعا نہیں مانگتا کہ:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ذرا سوچیے۔ اگر مولینا ثناء اللہ کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہوتا۔ اور وہ محتاج و تنگدست رہتے تو یہ جو انہوں نے اسلام کی اتنی بڑی خدمت کی ہے، وہ کیونکر ادا ہو سکتی ؟[2] اللہ کریم نے آپ کو دولت عطا فرمائی تو آپ نے اسے اشاعتِ دین پر صرف کیا۔ اخبارات جاری کیے، ہزاروں کتابیں چھپوائیں اسلامی اداروں کی امداد فرمائی۔ غریبوں، محتاجوں، یتیموں، مسکینوں کی پرورش کی۔ خیرات اور سخاوت میں بھی آپ کا ہاتھ دراز تر نظر آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب امور مال و زر ہی کے ذریعے انجام پائے تھے۔ خدانخواستہ اگر آپ غریب و قلاش نادار و مفلس ہوتے تو جو کام انہوں نے دین حقہ کی تبلیغ

---

[1] تم میں بہترین وہ ہے جو دنیا کی خاطر آخرت کو اور نہ آخرت کی خاطر دنیا کو ترک کرے۔" [2] علماء کی اقتصادی حالت اچھی ہو تو وہ بہتر اور زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس آج اکثر علما زبوں حالی کا شکار ہیں۔ (فاروقی)

اشاعت کے لیے کیا ہے، وہ نہ ہو پاتا۔

آج مسلمان غیر اقوام سے کیوں پیچھے ہیں؟ کیوں کمزور ہیں؟ کیوں پریشان رہتے ہیں؟ اعدائے بدباطن ان پر کیوں رعب ڈالتے ہیں؟ انہیں کیوں مٹا دینا چاہتے ہیں؟ اس کی دو بڑی بھاری وجوہات ہیں، ایک دین سے بے رغبتی، دوسرے مالی کمزوری۔

دورِ حاضر کا مسلمان عجیب حالت میں ہے کہ نہ تو وہ اپنے مذہب کا پابند ہے۔ اور نہ اس کے پاس مال و دولت ہے۔ اگر اس نے دین سے بے پرواہی برتی تھی، تو دنیا ہی اس کے پاس رہتی۔ لیکن اس کی غفلت شعاریوں، تساہل کیشیوں اور ناعاقبت اندیشیوں نے ان کے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اور یہ مثل اس پر صادق آئی۔ ؎

دین گنوایو دُنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ
پیر کلھاڑی ماریو غافل اپنے ہاتھ

آپ مولانا مرحوم ہی کو دیکھئے۔ ایک معمولی رفوگر تھے۔ اور اس سے جو چار پیسے کمانے تھے۔ وہ گذر اوقات کے لیے ناکافی ہوتے تھے۔ پھر آپ نے جدوجہد کی، کوشش کی، محنت و مشقت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی سُن لی زر و مال عطا فرمایا۔ اور آپ تھوڑی ہی مدت میں صاحب حیثیت اور صاحب اقبال ہو گئے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ مولانا کو ہادی برحق کا یہ ارشاد یاد تھا کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّقِيَ دِيْنَهٗ وَعِرْضَهٗ بِمَالِهٖ فَلْيَفْعَلْ

"تم میں سے جو اپنا دین اور اپنی عزت اپنے مال سے بچا سکے یا بڑھا سکے وہ ضرور ایسا کرے"

اسی حدیث کے تحت جب آپ کو مولیٰ کریم نے مال و دولت عطا فرمائی۔ تو آپ نے اس سے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کی بھی حفاظت کی۔

حاصل کلام یہ کہ مرحوم نے دین و دنیا میں بھی جو نام پایا۔ مال و دولت کے ذریعے پایا۔ ورنہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے علماء موجود ہیں، جو متبحر فاضل ہیں۔ مگر ان کو کوئی اس لیے نہیں پوچھتا۔ کہ وہ قلّاش ہیں، خالی ہاتھ ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ نہ دین کی خدمت کر سکتے ہیں، نہ کسی کے کام آ سکتے ہیں حتّٰی کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی عزت بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ ایسے علماء کی مثال اس خالی برتن جیسی ہے۔ جو دیکھنے میں بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے لیکن ضرورت پر کسی کام نہیں آتا۔ ایسے تنگ دست علماء کو یہ دعا حرزِ جان بنانی چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ فَرَجًا قَرِیْبًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَالْعَافِیَةَ مِنْ جَمِیْعِ الْبَلَآءِ

تعلیم و تعلّم

مولانا مرحوم کو حصول تعلیم میں جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ وہی اہل علم حضرات لگا سکتے ہیں۔ جنھوں نے کسی مربّی یا نگران کسی کفیل و وکیل کے بغیر بڑی ٹھوکریں کھا کر، رنج و الم اٹھا کر تعلیم پائی ہو۔ قارئین یہ تو معلوم کر چکے ہیں، کہ مرحوم ابھی سنِّ بلوغ کو نہ پہنچے تھے، کہ والدین کے ظلِّ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ غریبی اور بیکسی کی حالت میں آپ کو حسبِ ارشاد نبویؐ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ" علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بامراد و کامیاب کیا۔ اور

تکمیل تعلیم کے بعد آپ عالم بے بدل اور فاضل اجل شمار ہونے لگے۔

آغازِ تعلیم

غالباً قارئین کرام کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اشتیاق علم کا واقعہ یاد ہو گا! نہیں یاد!! تو سن لیجیے کہ امام صاحب خزباف اور تاجر پارچہ تھے۔ کارخانہ اور کاروبار بہت وسیع تھا۔ اور آپ اسی میں منہمک رہتے تھے۔ ایک روز ان سے امام شعبیؒ ملے۔ چند مسائل پر گفتگو ہوئی۔ امام شعبیؒ نے باتوں ہی باتوں میں بھانپ لیا۔ کہ ابوحنیفہؒ ہونہار اور سمجھدار ہیں۔ پوچھا:

"صاحبزادے! کیا پڑھتے اور کہاں تعلیم پاتے ہو؟"

جواب ملا "معمولی پڑھا ہوں۔ اپنے ہی کام میں لگا رہتا ہوں"

امام شعبیؒ نے فرمایا: "تمہارا دماغ اچھا ہے۔ کچھ پڑھا کرو۔"

وہ تو کچھ پند ونصائح فرما کر اور تحصیل علم پر رغبت دلا کر چلے گئے۔ مگر امام ابوحنیفہ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ تحصیل علم میں مصروف ہو گئے اور پڑھ لکھ کر وہ نام پایا۔ کہ آج اسلامی دنیا ان کو امام اعظم[۱] کے لقب سے پکارتی ہے۔

قریباً اسی قسم کا واقعہ مولانا ثناء اللہ کو بھی پیش آیا۔ جب آپ یتیم وبیکس ہو کر رفوگری کے معمولی کام سے وجہ معاش پیدا کرنے لگے، تو کہتے ہیں۔ ایک روز آپ کسی دوکان پر کام کر رہے تھے کہ ایک عالم بڑا سا قیمتی جُبّہ آپ کے

---

[۱] ہمارے خیال میں علی الاطلاق امام اعظم (یعنی سب سے بڑے امام) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاں ائمہ احناف میں سب سے بڑے آپ ہیں۔ (فاروقی)

پاس رفو کرانے لایا۔ آپ نے حسب وعدہ اس کو رفو کر دیا۔ جب عالم نے آپ کا کام دیکھا تو بہت تعریف کی۔ اسی اثناء میں کچھ مذہبی باتیں چھڑ گئیں۔ مولانا نے چند سوالوں کا بہت معقول جواب دیا۔ عالم نے دریافت کیا:

"میاں! کہاں تک تعلیم پائی ہے؟"

مولانا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں فرمایا: "میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ والدین فوت ہو چکے ہیں۔ نہ کوئی پڑھانے والا ہے، نہ کما کر دینے والا۔ رفوگری سے جو چار پیسے کماتا ہوں اس سے بمشکل گذران ہوتی ہے۔ عالم نے آپ کو مشورہ دیا کہ:

"تم ضرور پڑھنے کی کوشش کرو۔ تمہارا دماغ سلجھا ہوا ہے۔ اس میں حصول علم کی اچھی خاصی صلاحیت موجود ہے۔ نہ پڑھو گے تو اپنے نفس پر بڑا ظلم کرو گے۔"

عالم تو یہ کہہ کر چلا گیا۔ مگر مولانا پر اس کی نصیحت نے بجلی کا سا اثر کیا اور آپ میں حصول تعلیم کا اس قدر شوق پیدا ہوا۔ کہ ان کا یہی جی چاہتا تھا، کہ تمام کتابیں گھوٹ کر پی جاؤں اور تمام علوم وفنون کا شناور بن جاؤں چنانچہ چودہ سال کی عمر میں جبکہ آپ کو والدہ ماجدہ کی فرقت کا ابھی تازہ زخم لگا تھا۔ ادھر ادھر سے فارسی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں اور اس طرح آپ اپنی تعلیم کا آغاز کر کے مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری[1] کی خدمت میں پہنچے

---

[1] آپ عالم باعمل تھے ابوعبیدہ کنیت فرمایا کرتے اور امرتسر کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے میر حبیب اللہ مجسٹریٹ ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے مولانا غلام علی قصوری کے شاگرد تھے اور مسجد غزنویہ میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ امرتسر کی مبارک مسجد آپ ہی نے بنوائی تھی اور (باقی صفحہ آئندہ)

اُن سے شرح جامی اور قطبی تک کتابیں پڑھ ڈالیں۔ کمال یہ تھا۔ کہ آپ دماغی محنت کے ساتھ دستی مشقت بھی کرتے تھے۔ یعنی تحصیل علم کے ساتھ ساتھ رفوگری کا کام بھی کرتے تھے۔ اس سے مولانا کی ہمت و کاوش کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قدر محنتی اور جفاکش تھے۔ اور کس تکلیف اور جانسوزی سے آپ نے تعلیم حاصل کی ہے۔

کاش! زمانہ حاضر کے طلبار خصوصاً غریب و نادار طلبار جو تعلیمی مصارف کا ناقابل برداشت بوجھ دیکھ کر پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں اور ہمت کی کمر توڑ دیتے ہیں، حضرت مولانا کے طریق تحصیل تعلیم سے سبق حاصل کریں۔ انسان ذرا محنت اور توجہ سے کام لے تو بڑے سے بڑے عقدے، سخت سے سخت مشکلات کا حل نکل آتا ہے۔ اور ناممکن ـــــ ممکن بن جاتا ہے[۱] ! کسی نے خوب کہا ہے ؎

بقیہ صفحہ گذشتہ: امرتسر میں درس قرآن کا سلسلہ بھی آپ ہی نے شروع کیا تھا جب درس قرآن شروع کیا تو خواب میں دیکھا کہ شیطان اپنے سر پر خاک ڈال رہا ہے آپ کے زمانہ میں اہلحدیث کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ مسجد قدس بھی اہلحدیث کے قبضہ میں آئی امام عبدالجبار غزنوی کے ہمعصر تھے ان کے انتقال کی خبر سن کر فرمایا اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے ۱۹۱۶ء میں انتقال فرمایا۔ "کلام المسعود فی مسئلۃ المولود" آپ کی تصنیفات میں سے ہے (خادم)

حاشیہ صفحہ ھذا ۱: اس قسم کے سبق آموز واقعات جملہ اہلحدیث اکابرین کی زندگی میں ملتے ہیں۔ ان کی ایک جھلک "سیرت استاد پنجاب" ہیں جو حضرت عبدالمنان محدث وزیر آبادیؒ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، دیکھی جا سکتی ہے۔ (فاروقی)

جو کام بن بن کے ہوں بگڑتے تو جا نواب ہیں سنورنے والے
جو روڑے اٹکیں، تو بس سمجھ لو کہ اب پھسلنے کا ڈر نہیں ہے
کہو نہ ہرگز "نہیں یہ ممکن"، نہیں نہیں کا نہیں ہیں قائل
بھلا بتاؤ تو میں بھی دیکھوں وہ کونسا جانور "نہیں" ہے
وہی ہیں اصحاب عزم و ہمت مصیبتوں سے نہیں جو ڈرتے
ذرا بھی سیل بلا کا ان کے دلوں میں خوف و خطر نہیں ہے
مدد ہے کرتا خدا بھی ان کی، جو اپنی حالت ہیں خود بدلتے
سمجھ لے اس کو صدائے حق تو، کلام یہ بے اثر نہیں ہے

مباحثات

مولانا کی تعلیم کا ہنوز بالکل ابتدائی دور تھا۔ اور مولانا احمد اللہ مرحوم سے ابھی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ کہ آپ نے بحث و مناظرہ میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ فالتو وقت میں آپ رفوگری کا کام بھی کرتے۔ اور غیر مسلموں سے بحثیں بھی چھیڑتے۔ چنانچہ بسا اوقات آپ امرتسر کے چرچ (گرجا) میں تشریف لے جاتے۔ پادریوں کی تقریریں سنتے اور ان پر ایسے اعتراضات کرتے۔ کہ بیچاروں سے کوئی جواب بن نہ آتا۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت مولانا میں قوت مناظرہ و مباحثہ کسبی تھی، وہبی تھی۔ اور یہ اللہ کی عطا اور دین تھی جو شروع ہی سے آپ کو عطا ہو چکی تھی۔ آپ کے اسی زمانے کی نسبت روایت ہے کہ جب آپ کسی

مذہبی گفتگو کرتے تو وہ بہت وزن دار اور مدلّل ہوتی تھی۔ اور جب آپ کسی بحث میں حصہ لیتے اور اعتراض کرتے تو وہ کچھ اس قسم کے ہوتے کہ مخالف بغلیں جھانکتے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے لگ جاتے ہم آپ کے مناظرات و مباحثات کا مفصّل تذکرہ تو آگے چل کر حوالۂ قلم کریں گے۔ بہر صورت ہم آپ کے ابتدائی زمانۂ تعلیم کے دو ایک واقعات یہاں اس غرض سے درج کرتے ہیں، تاکہ آپ کی قوتِ مناظرہ کا اندازہ کیا جاسکے۔ اور معلوم ہو جائے کہ یہ فنِ شریف آپ کو آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہو چکا تھا۔

جیمز پادری گنگ ہو گیا

۱۔ امرتسر کے ہال بازار میں ایک دفعہ پادری جیمز تقریر کر رہا تھا۔ اس کے لیکچر کا لب لباب یہی تھا کہ مسیح علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ اور ابن اللّٰہیت کے تمام اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں، سینکڑوں مسلمانوں کا ہجوم، جن میں اچھے اچھے عالم بھی تھے، اس تقریر کو خاموشی سے سُن رہا تھا۔ اور کسی کی جرأت نہ پڑتی تھی، کہ پادری کی اس خرافات پر کوئی اعتراض ہی کرے یا سوال وجواب کا سلسلہ قائم کرے۔ مولانا کی عمر اس وقت بمشکل پندرہ سولہ سال کی تھی۔ اور آپ بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی خدا کا بندہ میدان میں نہیں نکلتا۔ تو آپ مسکراتے ہوئے آگے بڑھے، پادری کے قریب گئے۔ اس کو سلام کیا۔ اور فرمایا: "میں ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" پادری نے پہلے تو آپ کی کم سنی پر نگاہ ڈالی۔ پھر ذرا تامّل کے بعد کہا:

"پوچھو میاں! کیا پوچھتے ہو؟ ہم تو اسی لیے کھڑے ہوئے ہیں کہ کوئی

شخص 'ہدایت' کی راہ پر آجائے۔"

مولانا نے فرمایا: "پادری صاحب، یہ جو آپ باربار حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں اور اس کو اللہ کی ابنیت میں دے رہے ہیں، میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ خدا کی شادی کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ اس کی بیوی کا کیا نام ہے؟ یہ بیٹا خدا نے خود جنا یا اس کی زوجہ نے جنا؟"

آپ کے اس سوال سے نہ صرف حاضرین ہی پر سناٹا چھا گیا بلکہ پادری دم بخود رہ گیا۔ اس نے پہلے تو آپ کو حیرت و استعجاب سے دیکھا۔ پھر کچھ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن جواب دینے کی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ نہ کوئی دلیل سمجھ میں آئی۔ نہ کوئی ثبوت نظر آیا۔

مولانا نے جب اسے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے دیکھا تو فرمایا:

"پادری جی! کیوں خدا کو اور اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول (مسیح ؑ) کو ذلیل و بے عزت کر رہے ہو؟ آپ نے عیسیٰ ؑ نبی کو خدا کا بیٹا بنا کر اس کو رسوا کر دیا۔ اور اس کا مرتبہ گھٹا دیا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو آپ کا خدا تعالیٰ اور اس کی ہستی اور اس کی صفات پر پورا ایمان ہے۔ نہ آپ اپنے پیغمبر مسیح علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اور اسی لیے آپ تین تین خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں، مگر افسوس! کہ آپ اب تک ایک خدا کو بھی نہیں پا سکے۔ پادری جی! آپ دوسروں کو 'ہدایت کی راہ' پہ کیا لائیں گے؟ آپ تو خود صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور گمراہی کی طرف جا رہے ہیں۔ سنیئے پادری صاحب! ہمارا خدا اور ہمارے خدا کا رسول ہمیں ایک اور صرف ایک تعلیم دیتا ہے اور وہ ہے توحید۔ یہی اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور اسی پر ہمارے دینِ متین کی عرش پیما عمارت

کھڑی کی گئی ہے۔ اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"اے رسول! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ ہر قسم کے شرک سے بے نیاز ہے۔ نہ اس کو کسی نے جنا نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ اور نہ اس کی کوئی کفو اور ثانی ہے۔"

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی صحیح اور حقیقی تعریف جو اسلام نے بتائی ہے۔ لیکن آپ کا مذہب خدا کی وحدت، مسیحؑ کی رسالت اور ان دونوں کی عزت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عیسائیت نہ تو خدا پر کامل ایمان رکھتی ہے، نہ مسیح پر پورا یقین رکھتی ہے اور نہ ان دونوں کے مدارج و مراتب کو جانتی پہچانتی ہے۔

مولانا کی یہ مختصر تقریر سن کر پادری کا منہ ماتھا عرق ندامت سے تر ہو گیا۔ اور وہ پسینہ پونچھتا ہوا اپنا بستہ اٹھا کر بھاگ گیا۔ لیکن مسلمانوں نے فرطِ مسرت سے آپ کو گلے لگایا۔ تھپکیاں دیں۔ مرحبا کہی اور آپ کی جرأت و جسارت کی بے انتہا تعریف کی۔

آریہ لاجواب ہو گیا

۲۔ ایک بار کوئی آریہ پرچارک بازار میں کھڑا کر یہ آواز میں گرج کر کہہ رہا تھا کہ ویدک دھرم میں ہر قسم کے اخلاقی و معاشرتی قانون موجود ہیں۔ اور یہی مذہب اصلاح و اخلاق کا مجسمہ ہے۔ اس کا طرز تکلم اس قدر

دل آزار اور اس کی تقریر اتنی کرخت تھی، کہ سامعین نے ان پر کئی دفعہ نفرت و بیزاری کا اظہار کیا۔ اتفاق سے مولانا ثناء اللہ بھی سامعین میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے جو اس آریہ سماجی کا لیکچر سنا، تو خاموش نہ رہ سکے۔ مجمع کو چیرتے ہوئے آگے آئے۔ اور آریہ سے کہنے لگے:۔

" اپدیشک صاحب! آپ نے اپنے دھرم کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ وہ ہر شعبۂ زندگی کی نسبت اصلاح و اخلاق سکھاتا ہے۔ وہ تو آپ کی چرب زبانی اور نرم گداز گفتگو ہی سے ظاہر ہے کہ حاضرین کوئی اثر قبول کرنے کی بجائے کانوں میں روئی ٹھونسنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مگر میں آپ کو اسلامی اخلاق کا بھی ایک نمونہ اور ایک مثال بتا دوں۔ قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (اپنی آواز کو نرم کر کیونکہ تمام آوازوں میں سے بُری آواز گدھے کی ہے۔)

فرمائیے اُپدیشک جی! آپ کے دھرم میں بھی تقریر و تکلّم سے متعلق اس قسم کا کوئی آئین موجود ہے؟ اگر ہوتا تو یقیناً آپ کا لیکچر دلپذیر ہوتا۔ اور آپ اس سے لوگوں کے کان کھانے کی کوشش نہ کرتے۔

آپ کا یہ کہنا تھا کہ حاضرین نے زور کی تالیاں بجا کر آریہ پرچارک کو شرمندہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ وہ شرم و ندامت کی کھجلی سے سر رگڑتا ہوا اپنی تقریر ادھوری چھوڑ دینے پر مجبور ہو گیا۔

ہندو نادم ہو گئے

۴۔ ایک مرتبہ سناتن دھرمیوں نے امرتسر میں بڑی ٹھاٹھ سے

جلسہ کیا ۔ جو غالباً مسلمانوں ہی کی دلآزاری کے لیے منعقد کیا گیا تھا ۔ اس میں دو چار رو دیا رتھیوں نے مختلف موضوعات پر لیکچر دیئے ۔ جن میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ، کہ وید (نعوذ باللہ) قرآن سے افضل ہیں ۔ خدا کا کلام ہے ۔ آفرینش عالم سے اس کا وجود پایا جاتا ہے ۔ اور ویدک دھرم تمام مذاہب عالم سے اعلیٰ و برتر ہے ۔

ان لیکچروں کے بعد ایک پنڈت صاحب کی باری آئی ۔ انہوں نے عالمانِ وید، گیانیوں ، دھیانیوں ، اپدیشکوں اور پرچارکوں سے متعلق ازروئے شاستر یہ ثابت کیا ہے کہ ہندو دھرم میں ان کی سب سے حد فضیلت ہے ۔ ان کو بُرا کہنے والا نرگی (جہنمی) ہے اور وہ کتے خنزیر ایسی جُونیں بھگتتا ہے ۔

یہ پنڈت جی ابھی تقریر نہ ختم کرنے پائے تھے کہ جلسہ گاہ سے ان پر سنگ باری شروع ہو گئی ۔ اُن پر آوازے کسے گئے ۔ گالیاں دی گئیں اور پنڈت صاحب اینٹیں اور پتھر کھا کر میز کے نیچے بیٹھ گئے ۔ یہ سنگ بار اور دشنام طراز ان کی اپنی ہی ہندو جاتی تھی غیر آدمی نہ تھے ۔ جب شور ذرا مدھم ہوا ۔ تو حضرت مولانا ثناء اللہ جو جلسہ سننے آئے ہوئے تھے ۔ حسب عادت مسکراتے ہوئے اٹھے اور پنڈت جی و کارکنان جلسہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

" صاحبان ! واقعی آپ کے ویدک دھرم میں ودیارتھیوں ، شاستریوں ، گیانیوں ، اپدیشکوں اور دھرم پرچارکوں کی تعظیم و تکریم کا سخت حکم آیا ہے ۔ جس کا ثبوت اسی جلسہ میں مل گیا ہے ۔ واقعی آپ اپنے عالموں کی بڑی عزت کرتے ہیں ۔ اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے ۔ کہ آپ کا دھرم

جو کچھ کہتا ہے، وہ عمل کرنے کے لیے نہیں محض پڑھنے اور سننے کے لیے ہے۔ ایک کان سے سنا دوسرے سے نکال دیا۔ لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ ہمارا اسلام جو کچھ کہتا ہے اس پر سختی سے عمل بھی کراتا ہے۔ آپ مسجد کے کسی معمولی مُلّا ہی کو دیکھ لیجیے۔ چونکہ لوگ اسے پیش امام سمجھتے ہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ اس لیے اس کی توقیر و عزت کرتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکْنِیْ زَمَانٌ اَوْ قَالَ لَا تُدْرِکُوْا زَمَانًا لَا یَتَّبِعُ فِیْهِ الْعَلِیْمُ وَلَا یَسْتَحْیٰ فِیْهِ مِنَ الْعَلِیْمِ

"الٰہی! میں ایسے زمانے کو نہ پاؤں یا فرمایا۔ تم ایسے زمانے کو نہ پاؤ جس میں عالم کی اطاعت نہ کی جائے۔ اور عالم سے شرم نہ کھائی جائے۔"

اسی طرح اسلام نے عالم دین اور امام کی توہین کرنے والے کو منافق اور فسادی گردانا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ثَلَاثٌ لَا یَسْتَخِفُّ بِهِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ذُوالشَّیْبَةِ فِی الْاِسْلَامِ وَذُوالْعِلْمِ وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ

"یعنی بوڑھے مسلمان، عالم دین اور امام عادل کی توہین منافق کے سوا کوئی نہیں کرتا۔"

پنڈت جی! اب آپ ہی بتائیں کہ آپ کے گیانی و دیارتھی واجب التعظیم ہیں یا ہمارے علماء؟ آپ کے ہم قوموں اور ہم مذہبوں نے آپ کی جو عزت کی ہے۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے عالمانِ مذہب کا کوئی وقار ہی نہیں۔ حالانکہ آپ عالم بھی ہیں، برہمن بھی ہیں۔ مگر ہندو جاتی نے سرِ اجلاس

آپ کی توہین کرکے اپنی گندی ذہنیت کی جو دلیل دی ہے، اس سے تو ہم مسلمان بھی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا آپ کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں۔

مولانا کی یہ چھوٹی سی تقریر مقررین کو نادم کرنے کے لیے کافی تھی ہندوؤں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کھسیانے ہوکر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کہ ایک کم سن بچے نے ان کو لاجواب کر دیا ہے۔ جب مولانا نے اپنی تقریر کا جواب نہ پایا تو فرمانے لگے:

"ہم وطن بھائیو! اپنی ضد چھوڑ دو۔ تمہارا مذہب پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے۔ اور اب تو تمہاری یہ حالت ہے کہ ؎

شکست رنگِ شباب و ہنوز رعنائی
دراں دیار کہ زاری ہنوز آنجائی

"خدا کے لیے اس وہمی، قیاسی اور پنچائتی دھرم کو چھوڑ دو۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے دین میں داخل ہو جاؤ۔"

یہ کہہ کر آپ جلسہ گاہ سے واپس تشریف لے آئے اور سامعین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

یہ اور اس قسم کے کئی دوسرے واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ مرحوم کو حق تعالیٰ نے قوتِ مباحثہ و مناظرہ وہبی طور پر عطا فرمائی تھی۔ اس لیے جب آپ مستقل طور پر بحث و مناظرہ کے لیے میدان میں نکلے تو قوم نے آپ کو "امام المناظرین" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہی فن آپ کی دماغی صلاحیت و قابلیت کو اجاگر کرنے کا باعث ہوا۔ آہ! ؎

حق مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا

علوم عالیہ و آلیہ

صرف نحو اور منطق کی ابتدائی تعلیم سے فراغت پا کر مولانا علم حدیث کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے اور یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا کے ارشاد قرآنی کے مطابق آپ کو حکمت" یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ حقیقت میں آپ کی تعلیم کا مقصد اور نصب العین بھی یہی تھا کہ علوم دینیہ میں دستگاہ کامل حاصل کی جائے اسی جذبہ دین، اسی عشق اسلام نے آپ کو تحصیل علم پر مائل کیا۔ آپ کو یہ شوق کبھی نہ ہوا کہ کسی سکول، کسی کالج میں اعلیٰ انگریزی تعلیم پا کر بڑی بڑی ڈگریاں اور ڈپلومے حاصل کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو خدمت اسلام پر مامور کرنا تھا اور آپ سے وہ کام لینا تھا جس سے شرک و بدعت کا انسداد ہو، توحید پھیلے، دین پھولے، اسلام بڑھے، بدعات کا فتنہ سر نہ اٹھائے۔ محدثات ترقی نہ کرنے پائیں۔ اور کفر و الحاد سرنگوں ہو جائے اس لیے حق سبحانہ نے آپ کے لیے وہ اسباب پیدا کر دیئے جن کی بنا پر آپ نے مذہبی تعلیم حاصل کی۔

چنانچہ مولٰینا احمد اللہ مرحوم سے چند کتابیں پڑھ کر آپ نے حافظ الحدیث استاد پنجاب مولٰینا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم وزیر آبادیؒ کی خدمت

ف آپ ۱۲۶۷ھ میں بمقام کرولی سیداں ضلع جہلم پیدا ہوئے اعوان خاندان سے تعلق رکھتے تھے ابھی آٹھویں ہی سن میں تھے کہ آشوب چشم کی وجہ سے بصارت جاتی رہی اور نابینائی کی حالت میں سارا علم حاصل کیا۔ مولٰینا ابو سعید (باقی آئندہ صفحہ)

میں زانوے تلمذ تہ کیا۔ اور ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں آپ نے ان سے حدیث کی سند حاصل کی دوران قیام وزیر آباد میں بھی اکثر پادریوں سے مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ پادری ان دنوں جگہ بجگہ اپنی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ نے شمس العلما حضرت میاں نذیر حسین صاحب[۱]

(بقیہ صفحہ گذشتہ محمد حسین بٹالوی، میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولینا شیخ عبدالحق تلمیذ امام شوکانیؒ سے حدیث پڑھی اور حافظ الحدیث کہلائے اپنی زندگی میں ۶۰ مرتبہ صحاح ستہ پڑھایا ہر دور میں بیسیوں طلبا شامل ہوتے۔ آپ کے شاگرد پنجاب سندھ بنگال بہار کے علاوہ تبت، کابل، شام، نجد یمن میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کا احصا مشکل ہے، خادم کا آپ سے روحانی کے علاوہ جسمانی تعلق بھی ہے مرحوم خادم کے نانا تھے میں نے آپ کی ایک مختصر سی سیرت "استاد پنجاب" کے نام سے لکھی تھی۔ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کو وزیر آباد میں ہی انتقال فرمایا۔ وہیں دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالی۔ (خادم)

[۱] آپ ۱۲۲۰ھ میں سورجگڑھ ضلع مونگیر بہار میں پیدا ہوئے باپ کا نام سید جواد علی تھا آپ امام حسینؓ کی نسل سے تھے ۳۵ واسطہ سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں ۱۶ سال کی عمر تک کھیل کود میں مصروف رہے اور تحصیل علم کی طرف مائل نہ ہوئے ایک برہمن نے غیرت دلائی کہ میاں تمہارا سارا خاندان تو عالم ہے تم جاہل ہی رہ گئے بس پھر کیا تھا علم کے شوق میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے عظیم آباد پٹنہ پہنچے چھ ماہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ المصابیح تک ختم کر لی انہی دنوں میں سید احمد بریلویؒ اور شاہ شہیدؒ پٹنہ آئے پندرہ دن تک ان کی صحبت میں رہے پھر دہلی کا شوق ہوا پا پیادہ دہلی پہنچے اور شاہ محمد اسحاق صاحب سے حدیث پڑھی تو ۱۳ سال میں تمام علوم رسمیہ فنون متداولہ اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

محدث دہلویؒ کی شاگردی اختیار کی۔ حافظ عبدالمنان صاحب محدث کی سند دکھائی۔ اور تدریس حدیث کی اجازت حاصل کرلی۔ پھر سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں تشریف لے گئے اور وہاں سے بھی سند حاصل کی۔

دیوبند سے فراغت

بعدازاں آپ دیوبند پہنچے اور مولانا محمود الحسن[لہ] مدرس اعلیٰ مدرسۂ دیوبند

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کتب درسیہ پر عبور حاصل کرلیا، دہلی ہی میں ایک استاد عبدالخالق صاحب نے اپنی بیٹی سے شادی کردی۔ وہیں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ عمر بھر سینکڑوں مرتبہ صحاح ستہ کا دور رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تو صحاح ستہ کو گلستاں بوستاں کر دیا ہے، فقہ حنفیہ پر حدیث سے بھی زیادہ عبور حاصل تھا۔ شاہ شہید کی تحریک حریت میں نظر بند بھی ہوئے۔ پھر ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب بھی پایا۔ ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی آپ کی مکمل سیرت الحیات بعد الممات کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جو قابلِ مطالعہ ہے۔ (خادم)

حاشیہ صفحہ ہذا لہ آپ ۱۲۶۸ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ذوالفقار علی بسلسلہ ملازمت مقیم تھے مولینا محمد قاسم اور مولینا رشید احمد سے علم حاصل کیا اور ۱۲۹۱ھ میں درس تدریس کا کام شروع کیا ۱۳۰۸ھ میں دیوبند کے صدر مدرس قرار پائے اور ۱۳۳۳ھ تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک حریت کے خاص علمبردار تھے اسی سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور اسیر مالٹا کہلائے انگریزی نگاہ میں جرم یہ تھا کہ آپ ٹرکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد پیدا کرکے ہندوستان سے انگریزوں کا خروج اور اسلامی حکومت کا قیام چاہتے تھے، مولینا عبیداللہ سندھی مولینا سید انورشاہ (باقی آئندہ صفحہ)

کے تلمذ میں رہ کر ان سے معقول و منقول کتب درسیہ کی سند حاصل کی۔ معقول میں جو کتابیں آپ نے پڑھیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ قاضی مبارک، میر زاہد امور عامہ، صدرا، شمس بازغہ۔ منقول کی یہ کتابیں بھی وہیں پڑھیں۔ ہدایہ، توضیح و تلویح، مسلّم الثبوت وغیرہ۔ علاوہ بریں ریاضی اور شرح چغمینی وغیرہم کی بھی آپ نے وہیں تعلیم حاصل کی۔

اس مدرسہ میں پڑھنے سے ایک بہت بڑا فائدہ آپ کو یہ بھی حاصل ہوا کہ آپ کو وہاں پنجاب کے درس حدیث اور دیوبند کے درس حدیث کا موازنہ و مقابلہ کرنے کا خوب موقع ملا۔ اور مولانا حافظ عبدالمنان محدث اور مولانا محمود الحسن مقلّد کے طریق تدریس حدیث میں جو فرق و تفاوت تھا، وہ آپ کو معلوم ہو گیا۔ نیز دونوں اساتذہ کرام کے عقائد و خیالات بھی آپ نے خوب پرکھے اور ان پر بنظر عمیق غور فرمایا۔ چونکہ آپ کی طبع قدرتی طور پر متجسس و متحقق اور مستفسر تھی۔ اس لیے دیوبند کے زمانہ تعلیم میں آپ درس لیتے اور کتابیں پڑھتے وقت مولانا محمود الحسن سے دلیرانہ اور بیباکانہ سوالات بھی کیا کرتے تھے۔ اور اس سے آپ کی غرض ازدیاد معلومات اور وسیع مذہبی واقفیت ہوتی۔ اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔

مولانا محمود الحسنؒ کا ارشاد

چنانچہ جب دیوبند سے آپ کو سند فضیلت ملی۔ اور آپ رخصت کی

(بقیہ سابقہ) مولانا حسین احمد مدنی مولانا مفتی کفایت اللہ مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ کے اجل شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ ہی ہیں۔ جنھوں نے شیخ الہند کا خطاب پایا۔ اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو انتقال فرمایا۔ (خادم)

اجازت لینے اور آخری ملاقات کرنے کے لیے مولینا محمود الحسنؒ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے نہایت مسرور و مطمئن ہو کر فرمایا :

"ما شاء اللہ! طلبہ تمہاری بہت شکائتیں کیا کرتے تھے کہ یہ اعتراضوں میں بہت سا وقت ضائع کرتا ہے۔ لیکن تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کچھ عطا فرماتا ہے اسی سے حسد بھی کیا جاتا ہے۔"

معقولات میں کمال

اس زمانہ میں مولانا احمد حسن کانپوری کی معقولات میں بہت شہرت تھی آپ کو شوق پیدا ہوا کہ ان سے بھی فیض اٹھایا جائے۔ چنانچہ آپ کانپور تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ فیض عام میں داخل ہو کر جملہ کتب نصاب درساً پڑھیں۔ آپ کی تعلیم اصل میں اسی پڑھائی کا ایک دور تھا۔ جو آپ پہلے مدارس میں ختم کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ مدرسۂ کانپور میں آپ درسِ حدیث میں بھی شامل ہوئے۔ اور وہاں آپ نے اس کو تیسری قسم کا پایا۔ مولانا احمد حسن صدر مدرس اگرچہ حنفی تھے اور اہل تقلید میں شمار ہوتے تھے۔ مگر عام مقلدین کی طرح تنگدل اور تنگ نظر نہ تھے۔ اور طلبا کے سامنے مذہبی تعصب کو پسند نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی وسعت قلبی وسیع النظری دیکھ کر مولانا کو یہاں بھی تبادلۂ خیالات اور اعتراضات کا خوب موقع ملا۔ اس تدریس میں آپ نے اپنے عقائد کو اور بھی مانجھا اپنے ایمان کو پہلے سے زیادہ پرکھا اور رگڑا۔ اپنے باطن کی بیش از بیش صفائی کی۔ کیونکہ یہ آپ کی آخری درسگاہ تھی۔ تعلیم و تدریس کے بعد اس مدرسہ

یں کل آٹھ طلباء کی دستار بندی ہوئی جن میں آپ کا اسم گرامی پیش پیش تھا۔ ایک جلسہ عام میں سندیں تقسیم ہوئیں۔ اور یوں آپ عمامۂ علم و فضل سر پہ باندھ کر اور فارغ التحصیل ہو کر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں واپس تشریف لے آئے۔ اسی زمانہ میں کانپور کے اندر ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے مولانا کے ایام تعلیم کی یادگار سمجھنا چاہیئے۔ علاوہ بریں آپ چند اور علماء و فضلاء کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اور جہاں سے جو کچھ ملا لے لیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں قرآن و حدیث، علوم عقلیہ ونقلیہ، منطق، فلسفہ، بیان و معانی، کلام و ریاضی وغیرہ علوم دینیہ و مروجہ میں کامل دسترس اور مکمل دستگاہ حاصل کی ۱۹۰۲ء میں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی کی سند بھی حاصل کر لی۔ اور کچھ عرصہ سکول میں مدرسی[1] بھی کی مگر دیگر علوم کی بجائے آپ کی توجہ زیادہ تر درس قرآن و درس حدیث پر مائل رہی۔ کیونکہ حقیقت میں آپ کی تحصیل علم کا مقصد اولین بھی یہی تھا کہ دین و دنیا کے انہی دو ستونوں کتاب و حکمت کو استحکام و اعتصام کے ساتھ تھاما جائے۔

حدیث کے تو آپ ابتدائے عمر ہی سے عاشق تھے اور دیوانہ وار اس کے حصول پہ گرتے تھے۔ کیونکہ آپ نے سن رکھا تھا ؎

کہ حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ، اپنا اسے مال سمجھو

آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو، یہ تمنا پوری کر دی۔ آپ اپنے

---

[1] کچھ عرصہ آپ مالیر کوٹلہ میں مدرس رہے اور کچھ عرصہ امرتسر میں بھی (خادم)

مبارک مقصدمیں کامیاب و فائز المرام ہوئے۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ!

اساتذہ کا ادب

یوں تو مولٰینا لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا کے فرمانِ نبوی کے تحت تمام بزرگانِ ملت کا چاہے وہ کسی خیال اور کسی عقیدہ کے ہوں۔ بڑا ادب کرتے تھے۔ لیکن اپنے استادوں کا خاص طور پر احترام فرماتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی استاد کی نافرمانی نہیں کی۔ آج کل سکولوں اور کالجوں، قومی اور مذہبی مدرسوں میں طلبا، استادوں کے ساتھ جس طریق سے پیش آتے ہیں، پناہ بخدا! گالیوں اور تالیوں کے علاوہ بیچارے استادوں کو اکثر اوقات اپنے "شاگردانِ رشید" سے پٹنا اور زخمی بھی ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ سب مغربی معاشرت اور یورپی تعلیم کے بد اثرات کا نتیجہ ہے جو مسلم طلبا کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکا ہے۔ کالج اور سکول کی کلاسوں میں، احاطوں میں، یہاں تک کہ سڑکوں بازاروں اور گلی کوچوں میں، جہاں بھی طلبا کا داؤ چلتا ہے، غریب استاد پر پھبتیاں اڑائی جاتی، آوازے کسے جاتے اور اس کو مغربی طرز کے موٹے موٹے مغلظات سنائے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "دنیا میں ہر شخص کے تین باپ ہوتے ہیں جن کا ادب و احترام کرنا اس پر واجب ہے۔ ایک وہ جس کے نطفے سے انسان پیدا ہوا۔ یعنی حقیقی باپ، دوسرا وہ جس کی لڑکی اس کے نکاح میں آئی۔ یعنی خسر۔ اور تیسرا وہ جس سے اس نے کچھ پڑھا یا کوئی کام سیکھا یعنی استاد۔ اسی لیے معلم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور تاکید سے فرمایا:

تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ "جس سے علم حاصل کرو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ"

یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم اپنے اساتذہ کرام سے بے حد ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے۔ اور ان کی خدمت کو فخر سمجھتے۔ مولانا کے ان حالات میں ان طلبا، کے لیے ایک سبق مضمر ہے جو اپنے استاد کی نافرمانی پر اتراتے اور اپنی گستاخیوں کو بڑائی تصور کرتے ہیں۔ جناب ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس زمانے سے پناہ مانگی اور اس عہد سے بیزاری ظاہر فرمائی ہے جس سے علمار و معلمین کی اطاعت نہ کی جائے۔ ان کے سامنے گستاخیاں کی جائیں۔ اور ان کے ادب و لحاظ، خدمت و تواضع سے منہ موڑا جائے۔ حضور علیہ السلام نے تو یہاں تک فرمایا کہ مسلمانوں کو غیر مذاہب کے بزرگوں اور لیڈروں کا بھی احترام کرنا چاہیئے۔ اسی بنار پر ایک پنجابی شاعر نے بھی کہا ہے۔ ؎

بے ادبیاں مقصود نہ حاصل تے درگاہ نہ ڈھوئی
تے منزل مقصود نہ پہنچا با بجھ ادب دے کوئی

تلامذہ میں امتیاز

مولانا مرحوم تحصیل علم کے لیے جہاں بھی گئے۔ جس مکتب میں داخل ہوئے اور جس استاد کے آگے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ وہیں آپ کی عزت ہوئی۔ مولانا میں ذہانت و فطانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی قدرت سے طبع زیرک پائی تھی۔ اور مزاج میں فطری طور پر مسائل کو حل کرتے عقدوں کو کھولنے، اختلافی امور کو ٹوہنے ٹٹولنے، کھوج لگانے، تحقیقات کرنے

کا بہت شوق تھا۔ اس لیے آپ زمانۂ تعلیم میں اپنے اساتذہ سے بیباکانہ امورِ مستفسرہ اور قابلِ حل مقامات پر اعتراضات بھی کرتے۔ ان کے جوابات بھی سنتے اور پھر قرآن و حدیث کے ساتھ ان کا موازنہ کرکے دیکھتے۔ کہ ان میں کونسا مسئلہ خدا و رسول کے فرمان کے مطابق ہے اور کونسا مجتہدین و اہل الرائے کے قیاسات پر مبنی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب آپ ازدیادِ واقفیت، وسعتِ معلومات، تردیدِ اختلافات کے لیے اپنے اساتذہ سے تبادلۂ خیال کرتے، تو اس سے اگرچہ آپ کے ہم مکتب حسد و تعصّب سے جل مرتے، اور پے درپے اعتراضات و مباحثات سے تنگ آکر آپ کے خلاف گوناگوں شکایات گھڑتے رہتے لیکن آپ کے اساتذہ و معلّمین نے کبھی آپ کی نکتہ چینیوں اور اعتراضوں اور بحثوں اور مباحثوں پر ناک بھوں نہ چڑھائی، بلکہ وہ اپنے ہونہار شاگرد کی لیاقت پر فخر کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ مولٰینا کے ایک استاد نے ایک بار آپ کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی۔

"بھئی ثناء اللہ! سبق پڑھنے اور درس لیتے وقت جو اعتراض اور جو سوال تجھے سوجھتے ہیں وہ کسی دوسرے کو نہیں سوجھتے۔ بھئی! بلا کے ذہین ہو تم! مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی بخشی، تو تم بحث و مناظرہ کے میدان میں بیباکانہ کود و گے اگر تم نے فنِ مناظرہ میں کامل دسترس حاصل کرلی، تو یہ نہ صرف تمہارے لیے بلکہ دین و ملّت کے لیے بھی مفید و نفع بخش ثابت ہوگا"

چنانچہ حضرت مولانا نے فنِ مناظرہ میں جو کمال حاصل کیا۔ وہ کوئی ڈھکا

چھپا نہیں۔ اس کی تفصیل آپ کو آگے چل کر ملے گی۔ مولانا کے اساتذہ آپ پر اس قدر شفقت کرتے اور آپ کے ساتھ اتنی عزت سے پیش آتے تھے کہ جب کسی مدرسہ سے آپ فارغ التحصیل ہو کر نکلنے لگتے، تو آپ کے اساتذہ کو آپ کی مفارقت شاق گزرتی۔ اور مکتب سونا نظر آتا۔

مولانا نے تعلیم اگرچہ بڑے مصائب سے اٹھا کر پائی۔ اور آپ کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن صبر و استقلال، عزم راسخ، سکون و استقامت جرأت و ہمت کو آپ نے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور ثابت کر دیا کہ ؎

کرتے ہیں جو ہمت سے خود اپنی مدد یارو
کرتی ہے مدد ان کی وہ ذاتِ احد یارو

طالبانِ علم اور جویانِ حکمت کو حضرت مولانا کے عشقِ تدریس اور اشتیاقِ تعلیم پر غور کرنا چاہیئے۔ خصوصاً علوم دینیہ کی تحصیل میں آپ نے دیوانہ وار جو منزلیں طے کی ہیں، وہ نونہالانِ ملت کے لیے بہت کچھ سبق آموز ہیں اور اسی لائق ہیں، کہ قرآن و حدیث کا ہر شائق ان کی پیروی کرے۔

درس و تعلّم

جب آپ نے تعلیم سے فراغت پائی تو آپ کے استادِ اوّل مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے آپ کو مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں بطور اوّل مدرس لگا دیا وہاں آپ نے کچھ عرصہ تعلیم دی۔ اس کے بعد آپ ۱۸۹۸ء میں مدرسہ اسلامیہ مالیر کوٹلہ میں تشریف لے گئے۔ اور صدر مدرس (ہیڈ ماسٹر) کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس مختصر سے درس و تعلّم کے بعد آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور اپنے وطن مالوف (امرتسر) چلے آئے۔

چونکہ قدرت نے آپ سے خدمت و اشاعت دین کا کام لینا اور آپ کو زمانہ حال کا بہترین مناظر و مبلغ بنا کر سٹیج پر کھڑا کرنا تھا۔ اس لیے مکاتب و مدارس کی معلمی میں آپ کا دل نہ لگا۔ آپ ملازمت چھوڑ کر مستقل طور پر امرتسر تشریف لے آئے۔ اور تصنیف و تالیف، تبلیغ و اشاعت، بحث و مناظرہ میں مشغول ہو گئے۔ اور ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ جب کہ آپ کی عمر ابھی ۳۲ سال کی تھی۔ آپ نے تحریر و تقریر تصنیف و مناظرہ کے دشت پُرخار میں قدم رکھا۔ جو اللہ کریم کی نصرت و استعانت سے گُل و گلزار بن گیا۔

علمِ نافع اور اس کی اہمیت

حضرت مولانا مرحوم کے تعلیمی حالات اور علمی زندگی پر غائر نگاہ ڈالی جائے تو یہ راز بے نقاب ہو جاتا ہے کہ آپ نے کس قسم کا علم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اگرچہ آپ اس زمانے میں پیدا ہوئے جب متحدہ ہندوستان میں مغربیت کا اثر محض برائے نام تھا۔ اور انگریز کو تسلط جمائے ہنوز تھوڑی ہی مدت گزری تھی۔ لیکن آپ کے سن بلوغ تک پہنچنے سے پیشتر ملک میں یورپی تہذیب و معاشرت پھیل چکی تھی۔ اہل ہند مغربی تعلیم کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اور دیگر اقوام کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اہل مغرب کی نقل اتارنے اور ان کی تقلید کرنے لگ گئے تھے۔

ان حالات میں مولانا بھی چاہتے تو انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر مائل ہو سکتے تھے۔ کسی سرکاری سکول اور کسی گورنمنٹ کالج میں پڑھ سکتے تھے۔ ایسے ذہین و فطین کو حکومت اپنے خرچ پر پڑھا سکتی تھی، معقول وظیفے دے سکتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے سرکاری مصارف پر یورپ امریکہ بھیج سکتی

تھی۔ بڑی سے بڑی ڈگریاں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ڈپلومے دے اور دلا سکتی تھی۔ مگر ــــ مولینا نے اس قسم کی تعلیم کو مُضر سمجھا۔ نہ صرف مضر بلکہ مہلک! اور نہ صرف اپنے لیے، بلکہ پوری کی پوری قوم کے لیے! وہ نہیں چاہتے تھے کہ بی، اے۔ ایم، اے۔ ایل، ایل، بی۔ پی، ایچ، ڈی کی کاغذی سندیں حاصل کر کے انگریزی وضع قطع اختیار کریں اور اپنی ہی قوم کے لیے "ہوّا" بن جائیں۔ اپنے ہی ہم قوموں پر ناک بھوں چڑھانے اور نفرت کرنے لگ جائیں اور برادرانِ ملّت کو اجنبی سمجھنے لگیں۔

ہاں! انہوں نے پسند کیا تو یہ کیا، کہ علوم دینیہ کی تکمیل کی جائے۔ انہی کو حاصل کیا جائے۔ جس کا مقصد بقائے دین اور احیائے سنت ہو۔ چنانچہ وہ دیوانہ وار اس کی تحصیل کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ اور بفضلہ مراد کو پہنچے۔ اور اپنی قوم کو سبق دے گئے۔ کہ جس نے زندہ رہنا ہے، ترقی کرنا ہے۔ دین و دنیا میں کامیاب اور فائز المرام ہونا ہے۔ دنیوی و اخروی فوز و فلاح پائی ہے، اسے مغربی علوم نہیں دینی علوم حاصل کرنے چاہئیں کہ اس کو انہیں کی ضرورت ہے اور اس کی تحصیل کے بغیر وہ کامگار و کامراں نہیں ہو سکتا۔

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوْا لِلْعِلْمِ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ

"علم سیکھو اور سکھاؤ اور علم کے لیے سکون و وقار کی تعلیم دو"۔

اس سے حضورؐ کی یہی مراد ہے کہ مسلمان دین کا علم پڑھیں، دین کا علم پڑھائیں۔ اور اسی تعلیم و تعلم میں ہر قسم کی تسکین اور عزت حاصل کریں۔

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ بھی یہی مطلب اور معنی رکھتی ہے۔ کہ

مسلمان مردوں، عورتوں پر علم دین کی تحصیل فرض ہے۔ اس ارشادِ نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ علومِ دینیہ کی تحصیل مسلمانوں پر واجب، مستحب اور سنت وغیرہ نہیں۔ بلکہ فرض ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ وہ قرآن و حدیث، تفسیر و ترجمہ سے پڑھے اور جس قدر ممکن ہو، مذہبی علوم حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔ چنانچہ خدائے قدوس نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ! اس رسولؐ کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو کتاب و حکمت (قرآن و حدیث) کی تعلیم دیتا ہے۔ اور غایت اس کی یہ ہے کہ ان کے دل و دماغ، بطون و ارواح پاک صاف ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ جو کام کسی نبی کے سپرد ہوتا ہے، وہی اس کی امت پر بھی فرض ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ کی اگر یہ ڈیوٹی لگائی گئی، کہ آپ لوگوں کو کتاب و حکمت پڑھائیں۔ تو حضورؐ کی امت کو بھی یہ کام سونپا گیا، کہ وہ خود بھی قرآن و حدیث پڑھے دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے۔ اور اطراف و اکنافِ عالم میں خدا کے نام، اس کی توحید اور اس کے دین کی اشاعت کرے۔

آج مسلمانوں پر اسی وجہ سے حملے ہو رہے ہیں اور دشمنانِ بدباطن انہیں اسی لیے تباہ و برباد کرنے پر تُلے کھڑے ہیں۔ کہ انہوں نے رحمانی علوم کی جگہ شیطانی علوم کو اختیار کر رکھا ہے۔ اگر وہ اپنے مذہبی علم سے واقف ہوتے تو یہ جو ان میں روحانی اور جماعتی، قومی اور ملکی، اخلاقی و سیاسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں، یہ جو ان کی حالت روز بروز زبوں تر ہو رہی ہے۔ یہ جو ان میں اقتصادی ضعف رونما ہے۔ یہ جو ان میں تشتّت و افتراق، انتشار و نفاق نظر آتا ہے۔ یہ جو ان پر صوبائی و علاقائی عصبیت کا بھوت

مسلّط ہے۔ یہ کبھی دیکھنے میں نہ آتا۔ قرنِ اول اور ازمنہ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سر پینگ نہیں تھے، کہ ان کی ہیبت اور ان کے رعب سے بڑی بڑی سلطنتیں لرزہ براندام ہوتی تھیں۔ یہ علوم دینیہ ہی کی برکت تھی کہ اُن سنہری زمانوں میں بوریا نشین مسلمان قیصر وکسریٰ کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور وہ پھٹی پرانی گدڑیاں پہن کر دنیا پر حکومت کرتے تھے۔

اگر پاک وہند کے مسلمانوں میں اب بھی ثناء اللہ کے چند جانشین پیدا ہوجائیں، جو کتاب وسنت کے بقا واحیا پر کمر باندھ لیں۔ ابوالوفا کی طرح مردانہ وار میدانِ تبلیغ میں کود پڑیں۔ اور علوم دین کی تحصیل و ترویج میں اپنی زندگی وقف کردیں۔ تو مذہب وملت کی وہ ناؤ جو سینکڑوں سال سے منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے۔ ساحل مراد پر آسکتی ہے۔

اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان علوم جدیدہ سے واقفیت پیدا نہ کریں اور سائنسی فنون سے بے بہرہ رہیں۔ نہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اہل اسلام ترقی کی ہر دوڑ میں سب سے آگے نکل جائیں۔ مگر وہ ہر حالت میں دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ کہ ان کے ارتقاء و بقاء کا راز اسی میں پنہاں ہے۔ ورنہ محض دنیوی ترقی ان کے کسی کام نہیں آسکتی نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

علم اور اہل علم کی فضیلت

اسلام نے تحصیل علم کی ترغیب کے ساتھ علم کی تعریف و فضیلت بھی بتائی ہے اور علمائے اسلام کے فضائل وخصائل بھی بیان فرمائے ہیں

چنانچہ علم کی خوبی و مدح میں حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ

"جو شخص علم کی تحصیل و تلاش کے لیے اپنا وطن چھوڑتا اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہوتا ہے۔ وہ گویا واپس آنے تک خدا کے راستے میں سفر کرتا ہے۔"

اس سے علم اور طالبانِ علم کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم نے تحصیل و تدریس علم میں جو سعی بلیغ فرمائی اور اس کے لیے وطن چھوڑ کر دور دراز کے سفر اختیار کیے، حدیث بالا کی رُو سے آپ راہِ خدا میں چلتے رہے۔ اور اس فرمانِ نبوی نے آپ کا مقام و مرتبہ اور بھی بلند کر دیا۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ! حکمت یعنی علوم دینیہ کی غایت یہ ہے کہ ان کے حصول سے خدائے کریم کا خوف پیدا ہو۔ یہ علم کی انتہائی تعریف ہے، جو اس کے اغراض و مقاصد کو واضح الفاظ میں آشکارہ کرتی ہے۔ اس بلیغ جملے میں بتایا گیا ہے، کہ دین کا علم یعنی قرآن و حدیث پڑھنے سے مسلمانوں میں اللہ عزوجل شانہٗ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے علوم کی تحصیل اگرچہ مادی اور دنیوی ترقی کی سرمایہ دار ہے، لیکن ان سے خشیت الٰہی پیدا نہیں ہوتی جو لازمۂ انسانیت اور خاصۂ بشریت ہے۔ ایک مقام پر عالمانِ دین کی تعریف بھی قریباً انہی الفاظ میں فرمائی گئی ہے ارشاد ہوا ہے :

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ "کہ درحقیقت علم دین جاننے والے ہی خدا تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں۔"

چونکہ علمائے دین کامل الایمان اور اپنے عقائد میں پختہ ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمایا: وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ " یہ علماء، علم قرآن وحدیث میں نہایت راسخ اور پکے واقع ہوئے ہیں۔"

دنیا کی کوئی طاقت انھیں اس علم سے منحرف نہیں کر سکتی۔ یہ خود بھی ہر معاملے میں خدا سے ڈرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب و ترہیب کی دعوت دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک سب سے بہترین اور افضل تر علم کتاب و حکمت کا علم ہے، جو صراط مستقیم پر چلانا، صحیح راہ دکھانا اور دنیا اور آخرت کے لیے سامان نجات بہم پہنچانا ہے۔ خدا سے لے کر غیر مرئی و حقیر اشیا تک کو سمجھنے اور جاننے پہچاننے کے لیے یہی ایک سائنٹیفک علم ہے، جس کا کوئی علم لگا نہیں کھا سکتا۔

کتاب و حکمت کے علم کے علاوہ باقی جس قدر علوم و فنون ہیں، وہ اس لیے نہیں کہ مسلمان ان کو حاصل کر کے گمراہ ہو جائیں اور اہل مغرب کی طرح مادہ پرست بن جائیں۔ ان کی تحصیل و تدریس کی غرض یہی ہونی چاہیے کہ ان کے ذریعے معرفت الٰہی حاصل ہو۔ چنانچہ اسلام نے "عِلْمُ الْاَدْیَان" کے بعد "عِلْمُ الْاَبْدَان" کو فضیلت بخشی۔ اور اس لیے بخشی کہ داناؤں کا ارشاد ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو پہچاننا چاہے، وہ اپنے نفس و جسم پر غور کرے۔ نیز فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جو اپنے بدن اور اس کی مشینری پر غور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ مالک حقیقی کو شناخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْهَيْئَةَ وَالتَّشْرِيْحَ فَهُوَ عِنِّيْنٌ فِيْ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ کا مطلب بھی یہی ہے، کہ جو سائنس اور

فزیالوجی سے کورا ہے، وہ ذات باری تعالیٰ کو جاننے پہچاننے کے لائق نہیں یہی حال دوسرے علوم وفنون کا ہے، کہ مسلمان انہیں پڑھیں۔ ان کو ضرور حاصل کریں۔ مگر اس تعلیم وتدریس کی غائت، پختگیٔ ایمان اور تکمیلِ ایقان ہو۔ اور اس کا مقصد ہو بقائے دین اور احیائے ملت نہ کہ کچھ اور۔

علم اور علماء کی تعریف وفضیلت میں قرآن وحدیث کے اوراقِ مقدسہ بھرے پڑے ہیں۔ علماء کی شان میں فرمایا گیا ہے، کہ ان کی دوات کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ متبرک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰت والسلام نے اپنی امت کے عالموں کا درجہ ومرتبہ بہت بلند فرمایا ہے۔ ان کو انبیاء ومرسلینؑ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَائِيْلَ "میری امت کے عالم اسرائیلی پیغمبروں جیسے ہیں" نیز فرمایا:

مَنْ جَآءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ۔

"جو مسلمان اسلام کے احیاء وبقا کے لیے حصولِ علم میں فنا ہو جائے گا بہشت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہو گا"

بتائیے اس سے زیادہ اہل علم کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے؟

علاوہ بریں آپؐ کا ارشاد ہے:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَآئِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ۔

"ایک عالم کی زاہد پر برتری کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے چودھویں کے

چاند کی ستاروں پر۔ اور یہ علمائے دین پیغمبروں کے وارث ہیں "

اسی طرح حضور اقدس صلعم نے قرآن و حکمت کے عالم اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے مالدار کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی۔

لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَاَسْرَفَہٗ۔۔۔ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَ یُعَلِّمُھَا۔

"اصل میں دو شخص بہت قابل رشک ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی اور اس نے اس کو نیک راستوں میں خوشنودئ مولا کے لیے خرچ کیا۔ دوسرا وہ جس کو خدائے کریم نے کتاب و حکمت کی نعمت بخشی، اس نے خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی" علیٰ ہذالقیاس۔ حضور صلعم نے ایک اور مقام پر فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ صَدَقَۃٌ جَارِیَۃٌ اَوْ عِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْا لَہٗ۔

"کہ جب انسان مرجاتا ہے، تو تین چیزوں کے علاوہ اس کو ہر چیز کا صلہ ملنا بند ہوجاتا ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

۱۔ صدقہ جاریہ مثلاً مسجد، کنواں، مدرسہ وغیرہ۔

۲۔ وہ علم جو قوم و ملک کے لیے مفید و نفع بخش ہو جیسے تصنیفات ترجمہ و تفسیر قرآن و حدیث وغیرہ۔

۳۔ اولادِ صالح جو ماں باپ کے لیے دعا کرے۔

ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بار بار تاکید فرمائی ہے کہ وہ دنیا و عقبیٰ کی فوز و فلاح

اور کامرانی و نجات کے لیے کتاب و سنت کو حرزِ جاں بنائیں، قرآن و حدیث کا درس و تدریس جاری رکھیں اور علوم دینیہ اسلامیہ میں دستگاہ کامل حاصل کریں ؎

یہ کہہ کر کیسا علم پر اُن کو شیدا | کہیں دورِ رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا | ہے تعلیم ہی کا سدا جن میں چرچا
انہیں کے لیے یاں ہے نعمت خدا کی | انہیں پہ ہے واں جا کے رحمت خدا کی

افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ دورِ حاضر کے مسلمان اسلام اور اسلاف دین کی روایات بھول چکے ہیں۔ جب ان کے سامنے تحصیل و تعلیم دین کا ذکر کیا جائے، تو ناک بھوں چڑھاتے اور بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان مسلمانوں نے یورپ کی تقلید اور مغرب کی پیروی کو اپنی اور اپنے ملک و قوم کو ترقی کا معیار سمجھ لیا ہے۔ وہ اغیار کی دیکھا دیکھی مادیت کو روحانیت پر ترجیح دے رہے ہیں۔ سائنسی علوم اور فنونِ جدیدہ میں اپنی بقا و ارتقاء تلاش کرتے ہیں اور اسی لیے وہ یوماً فیوماً اپنے مذہب سے بیگانہ ہو کر کفار و مشرکین کی نقل پرستی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ان غفلت شعاریوں، کجرویوں اور مذہبی بے رغبتیوں کا ایک دن خدا کو جواب دینا پڑے گا۔ اور وہاں کوئی جواب نہیں بن پڑے گا۔

علماءِ شر

بدقسمتی سے مسلمان علماء کا ایک گروہ خود بھی گمراہی میں مبتلا ہے، دوسروں کو بھی قعرِ مذلت میں دھکیل رہا ہے۔ یہ علماء اسلام کے صحیح علم و عمل سے واقف تو ہیں، لیکن دیدہ دانستہ اہل اسلام میں شر و فساد، نفاق و

اختلاف پھیلاتے اور دین کے بنیادی و اصولی مسائل و احکام کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ علمائے سُوء جانتے ہیں کہ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ کا صاف و صریح حکم موجود ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ حضورؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بدعات و محدثات کو ضلالت سے موسوم فرمایا ہے، اور گمراہی کی وعید بھی ان کے سامنے ہے، کہ اس کی سزا آگ اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ ان کو علم ہے کہ حق و صداقت کو چھپانا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنی یا فقہا و مجتہدین کی آراء و قیاسات پر چلنا معاصی کبیرہ میں داخل ہے مگر اتنا جاننے کے باوجود وہ تجاہلِ عارفانہ ہی سے کام نہیں لے رہے، بلکہ کھلم کھلا عامۃ المسلمین کے ایمان اور عقائد کو خراب کر رہے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے خدا اور رسولؐ سے بغاوت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ کے ارشادِ نبویؐ کی مخالفت کر کے اللہ اور نبی کی سرکشی کر رہے ہیں۔ اور بڑے اطمینان سے اپنے کام میں مگن ہیں۔

علم کے ناجائز استعمال اور علمائے شر سے بچنے کے لیے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ:

اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَآءِ

”خبردار رہو، کہ علماء کا بد ہونا ان کو بد سے بدتر بنا دیتا ہے۔ اور ان کا نیک اور باعمل ہونا ان کو افضل سے افضل ترین کر دیتا ہے۔“

یزید و حجاج بھی تو علما رہی میں شمار ہوتے تھے۔ پھر عام مسلمان ان پر

کیوں لعنت ملامت کرتے ہیں؟ محض اس لیے کہ انہوں نے نواہی کو اوامر بنا دیا تھا۔ کتاب و سنت کے خلاف احکام نافذ کیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا تھا۔ اور اس طرح امت محمدیہ میں وہ فتنہ و فساد کھڑا کیا، جس کی آگ سال ہا سال تک شعلہ زن رہی[1] سمندِ فکر کو ایڑی لگائی جائے اور تاریخ کے اوراق پارینہ الٹے جائیں تو یہ راز کھلے گا، کہ مسلمانوں میں جب بھی جنگ و جدل، فتنہ و فساد، نفاق و افتراق کی بجلیاں کوندیں۔ علماء سو کی شر انگیزیوں سے کوندیں۔ چنانچہ قرونِ وسطیٰ کے بعد سے لے کر اب تک علمائے شر کی برق پاشیاں خرمنِ اسلام کو راکھ بنانے کی ناکام

---

[1] یزید اور حجاج بڑے بدنام حکمران ہو گزرے ہیں ان کے بارے میں مختلف خیال پائے جاتے ہیں۔ البتہ محتاط علماء لعنت کے بارے میں کفِ لسان کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارے ناقص خیال میں بیشک ان سے مظالم ہوئے۔ حجاج نے صحابہؓ کو معاف نہ کیا اور یزید نے اہل بیتؓ سے درگزر نہ کیا۔ لیکن ہماری نظر میں مستند حوالہ کہیں نہیں گزرا کہ انہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا ہو۔ یا قرآن و سنت کے خلاف احکام نافذ کیے ہوں۔ ہاں پروپیگنڈہ ضرور سنتے چلے آئے ہیں۔

یزید و حجاج اگر فاسق و فاجر نہیں تو بے گناہ بھی نہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا موقف معتدل ہے۔ انہیں جہنمی اور لعنتی کہنے سے بھی زبان روکنی چاہیئے۔ اور انہیں "امیر المومنین"، "سیدنا" اور "رضی اللہ عنہ" ایسے عظیم و وقیع القاب دینے سے بھی پرہیز کرنی چاہیئے۔ افراط و تفریط سے بچ کر راہ اعتدال اختیار کرنا اقرب الی الصواب ہے۔ فاللہ اعلم۔ (فاروقی)

کوشش کر رہی ہیں اور یہ دوسری بات ہے کہ " وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کہنے والا مالک الملک کتاب اور سنت کی حفاظت کر رہا ہے۔

علم کی تعریف اور علمائے خیر و شر کی حقیقت بتلانے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام حضرت مولانا ثناء اللہ کی علمی سرگرمیوں پر عمیق نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مولانا مغفور نے جس سعی و ہمت، جس عزم و استقلال سے کتاب و حکمت کے علوم حاصل کیے ان کی غرض و غایت کیا تھی؟ ان کا مقصد کیا تھا؟ یہی اور صرف یہی کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کی جائے کفار و مشرکین نے دینِ خدا کو مٹانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے جو ریشہ دوانیاں اور دسیسہ کاریاں جاری کر رکھی ہیں، تبلیغ کی تلوار سے ان کو روکا جائے۔ اور علمائے سوء نے بدعات و محدثات کی ترویج سے اہل توحید کے ایمان و عقائد کو جس درجہ خراب کر رکھا ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے محض تقلید شخصی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی ہے اس کا استیصال کیا جائے۔ چنانچہ جن اصحاب نے مولانا کو دیکھا ہے ان کی تقریریں سنی ہیں، ان کی کتابیں پڑھی ہیں، ان کی صحبتوں میں بیٹھے ہیں وہ آپ کے علم و عمل کو خوب جانتے ہیں۔ آپ کے مقام کو بخوبی پہچانتے ہیں اور انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ خالق اکبر نے ان کو کس خدمت اور کس کام کے لیے پیدا کیا تھا۔

مبالغہ نہ سمجھا جائے تو ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں، کہ حضرت مولانا اگر اس زمانے میں پیدا نہ ہوتے، تو یہ جو تھوڑی بہت توحید ہمیں نظر آتی ہے اور یہ جو بقدر قلیل کتاب و حدیث کا شوق مسلمانوں میں دکھائی دیتا ہے اس کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا ہوتا۔ مولانا نے قرآن و سنت کے

احیاء و بقا میں مساعی جمیلہ اختیار کر کے اپنے حصولِ علم کے مقاصد آشکارا کر دیئے۔ اور ثابت کر دیا کہ آپ کا مقصد خَیْرُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیْرُ الْھُدٰی ھُدٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[1] کو دنیا پر واضح اور اجاگر کرنا تھا۔ مولانا کے تعلیم و تعلّم میں اگر ایک طرف طالبانِ علومِ دینیہ کے لیے گراں مایہ سبق مضمر ہے، تو دوسری طرف علمائے کرام کے لیے بھی ان کا طریق حصولِ علم باعثِ عبرت ہے خدا کرے کہ مسلمانوں میں دین الٰہی کے علوم کی ترغیب و ترویج ہو اور وہ اسی کو دین و دنیا کی فلاح و نجات کا موجب سمجھیں۔

عادات و خصائل

مولانا مرحوم ہر بات میں میانہ رو تھے۔ اعتدال کو پسند کرتے تھے اور اس لحاظ سے آپ سنّت نبویہ کے بہت گرویدہ تھے۔ کیونکہ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْھَدْیُ الصَّالِحُ وَالسَّمْتُ الصَّالِحُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ (رواہ عبداللہ بن عباس)

حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید

---

[1] سب سے بہتر حدیث (بات) اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے۔ (فاروقی)

فرمائی ہے:

اَیُّھَا النَّاسُ عَلَیْکُمْ بِالْقَصْدِ عَلَیْکُمْ بِالْقَصْدِ عَلَیْکُمْ بِالْقَصْدِ[۱]

پھر یہ کیونکر ممکن تھا، کہ حضرت مولانا عاشقِ قرآن اور شیدائے سنت ہو کر معتدل طریق پر نہ چلتے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عادات و خصائل وہی تھے، جو ایک دیندار نکوکار عالم باعمل کے ہونے چاہئیں۔ آپ کا معاشرہ نہ تو اتنا سادہ تھا کہ اس پر فقر و فاقہ کا گمان ہو۔ اور نہ اس قدر پرتکلف اور شاہانہ تھا کہ اس پر اسراف کا شبہ ہونے لگے۔ چونکہ آپ دین حنیف کے خادم اور مبلغ تھے۔ اور یہی مذہبی شیفتگی آپ کے لیے وجہ بصیرت تھی۔ اس لیے ہر معاملہ میں "مَا ازْدَادَ عَبْدٌ قَطُّ فِقْهًا فِي دِيْنِهِ اِلَّا ازْدَادَ قَصْدًا فِي عَمَلِهِ" کا فرمانِ رسالت ہمیشہ آپ کے پیشِ نگاہ رہتا ہے۔

مجموعی طور پر آپ بہت خلیق، متواضع، مہمان نواز، فیاض، نرم خُو اور نرم مزاج تھے۔ بڑے سے بڑے مصائب و آلام میں بھی صبر و سکون، تحمل و بردباری کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ خاموشی سے سخاوت کرتے اور محتاج مسلمانوں کی چپکے سے امداد فرماتے تھے۔ جس میں کسی فرقہ وارانہ حسد و تعصب کو دخل نہ ہوتا تھا۔ آپ میں تنگ نظری اور تنگدلی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے روشن دماغی اور وسیع القلبی کا حظ وافر آپ کو عطا فرمایا تھا۔

---

[۱] ان دونوں احادیث میں میانہ روی کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے۔ کہ ہمیشہ میانہ روی اختیار کرو۔ (فاروقی)

آپ کی غذا

غذا میں اگرچہ تکلّف نہ تھا مگر اچھی کھاتے تھے۔ گھر میں جو کچھ پک جائے اور دعوتوں میں جو کچھ سامنے آجائے اس سے نفرت نہ کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے مسور کی دال اور پیاز وغیرہ کی چٹنی سے بھی روٹی کھائی ہے۔ گوشت سے رغبت تھی۔ پھل فروٹ بھی شوق سے کھاتے تھے۔ چونکہ کشمیری تھے اس لیے چائے روزانہ پیتے تھے۔ کشمیر کے طریق سے پکی ہوئی باقرخانیاں اور کلچے بے حد پسند کرتے تھے۔ چائے کے سوا آپ نے اپنی طبیعت کو کسی خاص چیز کا عادی نہ بنایا تھا۔ کھاتے، پینے، اٹھتے، بیٹھتے، بولتے چلتے، غرض ہر وقت تہذیب و اخلاق کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھتے اور ثقافت کو اہلِ اسلام کا ایک معیار سمجھتے تھے۔ ترش اشیا آپ کو طبعاً ناپسند تھیں۔ چھاچھ اور دہی کے سوا کوئی ترش غذا آپ کو مرغوب نہ تھی۔

آپ کا لباس

لباس درمیانہ پہنتے تھے۔ نہ بہت بڑھیا، نہ بہت گھٹیا۔ کبھی کبھی جب آپ مکہ معظمہ سے لایا ہوا جبّہ زیبِ تن فرماتے تو آپ بہت بھلے معلوم ہوتے۔ پوشاک چاہے سرد ہوتی یا گرم بہت صاف ستھری رعب دار ہوتی، مشرقی مسلمانوں میں عام طور پر جو لباس پہنا جاتا اس کو پہنتے ـــــ ہاں! اگر نفرت تھی، تو مغربی وضع قطع اور انگریزی لباس سے، جس سے آپ بیزاری کا اظہار فرماتے تھے۔

انگریزی لباس سے نفرت

ایک بار کسی مخلص نے سوٹ (کوٹ پتلون) پیش کیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے واپس کر دیا۔ پھر مزاحاً فرمایا: "میاں! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ قیامت کے روز میرا حشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو۔ اور میں مسلمانوں کے ساتھ نہ اٹھوں؟ سنو اللہ اور اس کے رسولؐ نے فرمایا ہے:

"کہ جو مسلمان جس قوم کی وضع قطع، تراش وخراش، تہذیب و معاشرت، تقلید و نقل اختیار کرے گا، روز نشور کو وہ اسی کے ہمراہ اٹھایا جائے گا۔

"کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ"[1] کے حسب الحکم آپ کو تمام نشیلی اشیاء سے بیحد نفرت و کراہت تھی۔ یہاں تک کہ عمر بھر آپ نے کبھی سگریٹ اور حقہ تک کو ہاتھ نہ لگایا[2] البتہ دفتر میں یا گھر پر آپ کے احباب میں کوئی حقّہ نوش صاحب آجاتے، تو ان کی دلداری و دلجوئی کے لیے آپ حقّے کا انتظام کرا دیتے۔ اور یہ بات صرف تواضع میں داخل تھی۔

آپ اکثر دعوتیں قبول فرما لیتے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی دعوت دیتے تو بلا تکلّف شریک ہو جاتے۔ خود بھی دعوتیں دیتے اور غیر مسلموں کو بھی شامل کر لیتے اور فرماتے کہ دعوتیں نام و نمود اور شہرت کی غرض سے نہ ہونی

---

[1] یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (فاروقی)

[2] ہمارے بعض علماء حقہ سگریٹ کا شوق رکھتے ہیں۔ انہیں یہ لت ترک کر دینی چاہیے علماء کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ (فاروقی)

چاہئیں۔ ان کا مقصد تالیف قلوب اور محبت و اخوت کی پختگی ہونا چاہیئے کیونکہ تحفے تحائف اور دعوتیں دینے سے مسلمانوں میں محبت بڑھتی۔ اور بھائی چارہ پختہ ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تَہَادُوا تَحَابُّوا نیز فرمایا تَہَادُوا فَاِنَّ الْہَدِیَّۃَ تُذْہِبُ الضَّغَائِنَ [1]

اسی لیے مولانا اپنے دوستوں، بزرگوں، عزیزوں کو تحفے تحائف دیتے رہتے تھے۔ اور خود بھی ان کو قبول کر لیتے تھے۔

آپ اخلاق کے بڑے پابند تھے۔ سلام کرنے میں عموماً پہل کرتے تھے مصافحہ و معانقہ فرماتے تھے اور ہر ایک سے خلق و مروت سے پیش آتے تھے یہ تو آپ کے عام عادات تھے۔ اب ان کے چند قابل ذکر خصائل بیان کیے جاتے ہیں۔

حلم و لینت

حضرت مولانا بہت حلیم اور نرم مزاج تھے۔ طبیعت میں تندی اور تیزی نہ تھی، کسی بات پر گرمی بھی آجاتی تو نرمی ہی اختیار فرماتے۔ مخالفین سے حلم و اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ جو حریف آپ کے خلاف کارروائیاں کرتے۔ جلسوں جلوسوں میں، اخباروں میں کتابوں میں آپ کو بُرا بھلا کہتے آپ ان کے ساتھ بھی نرمی ہی برتتے۔ وعظ و تقریر، تحریر و

---

[1] ان دونوں احادیث کا مطلب ہے کہ باہمی تحائف لینے دینے سے محبت بڑھتی اور کینے دور ہوتے ہیں۔ (فاروقی)

تصنیف رسائل و اخبارات میں آپ مخالفوں کا جواب بہت نرمی و شیفتگی سے دیتے ۔ اور بے جا جوش و خروش، خشم و غضب سے احتراز کرتے ۔

آواز میں اس درجہ لینت اور مٹھاس تھی کہ جب آپ کسی خشک سے خشک موضوع پر بھی تقریر کرتے تو سامعین سارا سارا دن اور ساری ساری رات نہ اکتاتے تھے ۔ بلکہ جب آپ تقریر کر کے بیٹھ جاتے تو حاضرین کو آپ کا بیٹھنا اور وعظ بند کر دینا شاق گزرتا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا مرحوم إِنَّ اللهَ يَكْرَهُ الرَّجُلَ الرَّفِيعَ الصَّوْتِ وَيُحِبُّ الرَّجُلَ الْخَفِيضَ مِنَ الصَّوْتِ کے ارشاد نبوی ؐ پر عامل تھے اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ[۱] کے تحت درشت و کرخت آواز میں گفتگو نہ فرماتے تھے ۔

مشہور رسوائے عالم کتاب "رنگیلا رسول" میں اس کے مصنف نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام سے متعلق جو خرافات لکھے، کوئی کلمہ گو اسے پڑھنا اور سننا تو رہا ایک طرف، اس غلیظ کتاب کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہ کرتا تھا[۲] ۔ لیکن حضرت مولینا نے جب "مقدس رسول ؐ" کے نام سے اس کا جواب لکھا ۔ تو ایسی حلیمی اور حلاوت سے لکھا کہ دشمنانِ اسلام بھی اسے پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گئے ۔ انہوں نے شرم و ندامت سے اپنی گردنیں

---

[۱] مطلب حدیث اور آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چیخ چلا کر اور کریہہ آواز نکالنے کو ناپسند جانتے ہیں اور نہ پست آواز کو پسند کرتے ہیں ۔ (فاروقی)

[۲] خواجہ عبدالرشید صاحب گوریجہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے میں نے یہ کتاب مولانا کو بغرض جواب فراہم کر کے دی ۔ (خادم)

جھکالیں۔ اور ان الفاظ میں اعتراف کیا کہ:

"اسلام" فی الواقع تہذیب و اخلاق، حلم و محبت کا سرمایہ دار ہے۔ اور ہندو دھرم اس سے یکسر خالی ہے"

جو لوگ اہل حدیثوں کو خشک، سڑیل، بد اخلاق اور سنگدل کہتے ہیں اگر وہ مولانا مرحوم کو دیکھتے اور ان کی صحبت میں رہتے، تو انہیں معلوم ہوتا کہ اہل حدیث سب سے بڑھ کر با اخلاق، حلیم، مہذب، محسن، متواضع اور منکسر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ " اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ پر عمل کرنا اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں۔ اور سنت نبوی کی پیروی ہی ان کی روحانی غذا ہے۔

اخبار "اہلحدیث" امرتسر میں جب آپ حریفوں اور مخالفوں کے اعتراضات کے جوابات ارقام فرماتے تو وہ بھی نہایت شستہ و شگفتہ، مدلل و جامع ہوتے اور ان میں حلیمی و شیرینی موجود ہوتی۔ آپ نے کبھی کسی کی دلآزاری نہیں کی۔ کسی کا دل نہیں دکھایا کسی کی بات کو سمجھانا ہوتا تو اس طریق سے گفتگو کرتے کہ ناگوار نہ گذرتی چونکہ طرزِ تکلم خاص قسم کا تھا۔ اس لیے دوست اور دشمن آپ کی باتوں میں دلچسپی لیتے اور کبھی بیزار نہ ہوتے تھے۔

تواضع و مہمان نوازی

مولانا بڑے مہمان نواز اور متواضع تھے۔ اکثر دو چار، دس بیس مہمان آپ کے پاس آتے رہتے۔ اور آپ حسب مراتب نہایت مسرت و محبت سے ان کا استقبال کرتے۔ ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ ان کی رہائش، خوراک، بستر اور دیگر ضروریات کا انتظام فرماتے اور ان کی

رہائش، خوراک، بستر اور دیگر ضروریات کا انتظام فرماتے اور ان کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے۔ مہمانوں کے ساتھ مل کر کھاتے، اور جھوٹھا کھا پی لینے میں پرہیز نہ کرتے۔ کیونکہ آپ کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم تھا کہ:

مِنَ التَّوَاضُعِ اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ مِنْ سُؤْرِ اَخِيْهِ مَنْ شَرِبَ مِنْ سُؤْرِ اَخِيْهِ رُفِعَتْ لَهٗ سَبْعُوْنَ دَرَجَةً وَمُحِيَتْ عَنْهُ سَبْعُوْنَ خَطِيْئَةً وَكُتِبَ لَهٗ سَبْعِيْنَ حَسَنَةً۔

"اپنے مسلمان بھائی کا جھوٹھا کھا پی لینا تواضع میں داخل ہے جو شخص اپنے دینی بھائی کا جھوٹھا پیتا ہے، اس کو ستر درجہ برتری دی جاتی ہے، اس کی ستر خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔ اور اس کے لیے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

حضرت مولانا کے طرزِ عمل اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر ان مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے، جو برادرانِ اسلام کے ساتھ کھانا پینا اور ان کے جھوٹھے سے نفرت کرنا "فیشن" کے خلاف سمجھتے اور مغربی معاشرت کو اسلامی تہذیب پر ترجیح دیتے ہیں[1]

مولانا مرحوم حسب فرمانِ نبوت "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" ہر ایک تواضع اور احسان و مروّت سے پیش آتے۔ انکساری اور ملنساری

---

[1] ہاں اگر کوئی شخص مریض ہو، یا غلیظ ہو تو اس کا بچا ہوا نہ کھایا جائے تو یہ الگ بات ہے۔ (فاروقی)

ان کی طبیعت ثانیہ تھی ۔ چونکہ مغرور عالم سے متواضع جاہل کو اچھا سمجھا گیا ہے، اس لیے آپ کبر و نخوت کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے ۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا یہ شعر ان کے پیش نظر رہتا ۔ ؎

كَمْ عَالِمٌ مُتَكَبِّرٌ سَتَرَ التَّكَبُّرُ عِلْمَهٗ
كَمْ جَاهِلٌ مُتَوَاضِعٌ سَتَرَ التَّوَاضُعُ جَهْلَهٗ

ایک دفعہ کسی نے کہا "مولانا آپ ضرورت سے زیادہ تواضع اور مہربانی کرتے ہیں ۔"

آپ نے فرمایا: "اگر یہی بات ہے تو قیامت کے روز اس کی گواہی دینا ۔ کیونکہ اس دن متواضع شخص کو ستر بدیاں معاف کر کے اس کی جگہ ستر نیکیاں لکھ دی جائیں گی ۔"

طنز و مزاح

مولانا شگفتہ مزاج اور زندہ دل تھے ۔ تقریر و تحریر اور عام گفتگو میں جذب و کشش پیدا کرنا اور قارئین و سامعین کے لیے دلچسپی و دلبستگی کا باعث بننا آپ کی عادات میں داخل تھا ۔ اگرچہ آپ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ ابن ابی ثابت کی روایت کردہ حدیث "كَانَ يُحِبُّ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ اَنْ لَّا يَقْبَلَ عَلَى الرَّجُلِ الْوَاحِدِ وَلٰكِنْ لِيَعُمَّهُمْ" کے مطابق اپنے مواعظ میں روئے سخن کسی خاص شخص کی طرف نہ کرتے تھے ۔ اور کسی کی تحقیر و تذلیل کے لیے مذاق اڑانا یا تمسخر اور ٹھٹھا کرنا بُرا سمجھتے تھے ۔ لیکن مناظرات و مباحثات میں جب آپ اپنے مخالفوں اور حریفوں پر پھبتیاں اڑاتے، تو انہیں آپ کی بے پناہ طنز سے بچنا مشکل ہو جاتا تھا ۔ مزاح میں آپ "مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ

کے ارشاد نبوی کو زیر نگاہ رکھتے تھے۔ دوسروں کو ہنساتے مگر خود نہ ہنستے تھے۔ کوئی غور کرنے والا ہوتا، تو سوچتا کہ مولانا کا ہنسانا در حقیقت سننے والوں کو آہ و بکا کی دعوت دیتا ہے کہ وہ گریبان میں منہ ڈال کر اپنے افعال شنیعہ اور اعمال قبیحہ کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں کہ وہ اسلام پیغمبر اسلامؑ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے صحیح کردار کو چھوڑ کر اور کفار و مشرکین کی راہ پر چل کر کس طرح جادۂ مقصود سے بھٹک گئے ہیں۔ ضاحک اصل میں نہ خود ہنستا ہے، نہ دوسروں کو ہنساتا ہے۔ وہ تو طنز و مزاح میں ایسی چوٹیں کرتا اور ایسی ضربیں لگاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا محال ہو جاتا ہے۔

مولانا نے اپنی تحریر و خطابت میں جو ظرافت اور مزاحی رنگ اختیار کیا، کوئی اسے وجہ دلچسپی سمجھے تو الگ بات ہے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے طرز خاص میں سمندِ قوم کی پشت پر کوڑے لگاتے رہے اسے بیدار کرتے رہے، اس کو درست راستے پر گامزن ہونے اور غلط راہ کو چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے یہی تھا اس کے طنز کا مطلب۔ اور یہی تھا ان کے مزاح کا مقصد۔ کہ ملتِ اسلامیہ سنور جائے، زندگی کو جنت آخرت کو بہشت بنائے اور دین و دنیا میں فائز المرام ہو۔

غیر مسلم کے اعتراضات کا جواب دیتے وقت آپ جس طنز و مزاح کو استعمال فرماتے۔ اس سے مفر ناممکن تھا۔ چند بھرے پُرے الفاظ میں آپ معترض کے قلب و جگر کو پہلے زخمی کرتے پھر اس پر نمک پاشی کرتے۔

ایک سکھ کا عجیب سوال

ایک دفعہ کسی سکھ لیڈر نے آپ سے پوچھا:

"مولانا! بھیڑ اور سؤر کی شکل و شباہت قریباً ایک جیسی ہے۔ پھر آپ بھیڑ کیوں کھاتے ہیں اور سؤر سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟"

یہ سنتے ہی حضرت نے قہقہہ لگایا اور فرمایا: "سردار صاحب آپ نے سوال تو بڑا ٹیڑھا کیا ہے۔ مگر یہ تو کہیے! کہ جب آپ بیوی میں، اور ماں بہن یا بہو بیٹی میں پوری مشابہت پاتے ہیں۔ تو پھر بیوی کو کیوں حلال سمجھتے ہیں؟ اور ماں بہن یا بہو بیٹی کو کیوں حرام جانتے ہیں؟ سنیئے اسلام نے ہمیں بھیڑ کی حلّت اور سؤر کی حرمت کا حکم دے دیا ہے، لیکن آپ کے مذہب میں یہ صراحت بھی نہیں، کہ فلاں کو بیوی بناؤ اور فلاں کو نہ بناؤ۔"

سکھ نے جب آپ کا یہ جواب سنا، تو عرق ندامت کو پونچھتا ہوا چل دیا۔

ایک چیلے کا اعتراض

مناظرہ دیوریا اس قدر مشہور و معروف ہے کہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس جلسے میں مخالفین کو رفع شکوک اور تبادلۂ خیالات کا موقع دیا گیا چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر بنارس کے ایک سوامی جی اپنے نوجوان چیلے کے ساتھ پنڈال میں پہنچ گئے۔ جب مناظرے کا وقت آیا۔ تو چیلے نے چھوٹتے ہی مولینا پر یہ اعتراض کر دیا:

"جب آپ کے مذہب میں ریشم اور سونا پہننے کی مردوں کو اجازت نہیں تو آپ نے یہ ریشمی کوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟ اور گھڑی میں سونے کا چین کیوں لگایا ہے؟"

مولانا نے متانت کے ساتھ اعتراض کو سنا۔ اور بڑی سنجیدگی سے کوٹ اور گھڑی اتار کر معترض کے پاس بھیج دی اور مسکراتے ہوئے فرمایا!

"لو مہاراج! کوٹ اور گھڑی حاضر ہیں اگر آپ کوٹ کو ریشمی اور گھڑی کی زنجیر کو طلائی ثابت کر دیں، تو میں یہ کوٹ اور گھڑی آپ ہی کو دان کر دوں گا۔"

سوامی جی نے جب دونوں چیزیں دیکھیں تو معذرت کے ساتھ کہا:

"اس چیلے نے اعتراض میں عجلت کی ہے۔ کوٹ بھاگلپوری ٹسر کا ہے اور زنجیر پیتل کی ملمع شدہ ہے۔"

اس کے بعد گورو اور چیلے نے چند اور اعتراض بھی کیے۔ مگر مولانا کا رعب و دبدبہ ان دونوں پر کچھ اس طرح طاری ہو گیا کہ ان کے منہ سے کوئی کام کی بات نہ نکل سکی۔

ایک بدعتی مولوی کا سوال

مولٰینا ایک بار انجمن اسلامیہ جموں کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے آپ نے وہاں اپنے مخصوص انداز میں شرک و بدعت کے خلاف تقریر فرمائی۔ اور غیر اللہ کی پوجا کرنے والے مسلمانوں کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ جلسہ گاہ میں تو سنیوں کو آپ پر اعتراض کرنے اور کچھ پوچھنے کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ جب جلسہ برخاست ہوا۔ اور مولٰینا اپنی جائے قیام پر تشریف لے گئے۔ تو اس وقت بیسیوں مختلف الخیال اشخاص کے مجمع میں ایک بدعتی مولوی نے پوچھا:

"مولٰینا! جب قرآن پاک میں اولیاء اللہ کو زندہ کہا گیا ہے، تو پھر

آپ ایک زندہ چیز سے مدد مانگنے اور اس سے مراد چاہنے سے کیوں منع کرتے ہیں؟"

مولانا نے یہ سوال سنا تو حسب عادت ان کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "مولوی صاحب! آپ کا اعتراض بالکل بجا اور درست ہے۔ ہم تو مُردوں کی عبادت و اعانت سے اس لیے روکتے ہیں، کہ ہمارے خیال میں ان کے جسم زندہ نہیں، گوشت اور پوست زندہ نہیں، ہڈیاں زندہ نہیں، صرف ان کی روحیں، ان کے نام اور ان کے کام زندہ ہیں۔ شہدار، اولیا، صدیقین اور مرسلین کی ابدی زندگی کا مطلب قرآن کی اصطلاح میں یہی ہے کہ وہ خدا اور دینِ خدا کے لیے رضا کارانہ و فداکارانہ جو کام کر گئے ہیں، ان کی وجہ سے ان کے اسمائے گرامی ابدالآباد تک زندہ رہیں گے۔ نیز خیال رہے کہ وہ زندگی اور قسم کی ہے۔ اور اس کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ یعنی تم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب اس زندگی کی حقیقت ہی آپ کو معلوم نہیں تو پھر انہیں اپنے جیسا کیوں سمجھے بیٹھے ہیں؟ اگر آپ جسمانی زندگی کے سبب سے ان سے مرادیں مانگتے اور حاجتیں طلب کرتے اور ان کو ماتھا ٹیکتے ہیں، تو پھر آپ کو جراثیم سے لے کر فیل لحیم تک کی پوجا کرنی چاہیئے۔ اور اب تو علومِ جدیدہ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ نباتات اور جمادات میں بھی زندگی پائی جاتی ہے۔ اور وہ اشیار جو ہمیں بے جان نظر آتی ہیں، جاندار ہیں اور اسی وجہ سے نشوونما پاتی ہیں تو آپ شوق سے حجر و شجر کی بھی پوجا کیجیے۔ مشرکین کی طرح ان کو بھی حاجت روا ملنیئے آپ کو روکنے والا کون ہے؟ ہاں آپ کو یہ کام کرنا ہوگا کہ قرآنِ پاک سے آیاتِ توحید نکال دیجئے

پڑیں گی۔ اور وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ایسے احکام و مسائل کو خارج کرنا پڑے گا۔

بدعتی نے یہ جواب سنا۔ تو انفعال کا پسینہ اپنے دامن سے خشک کرتا ہوا چلا گیا۔ اور حاضرین آپ کی اس پُر مغز گفتگو سے بہت محظوظ ہوئے۔

ایک پنڈت کا اعتراض

غالباً ۱۹۲۸ء کی بات ہے، لاہور کے ایک اسلامی جلسہ میں مولانا بھی تشریف لائے۔ پروگرام کے مطابق آپ کی تقریر حضور سرور کائنات علیہ الثناء والتحیات کے "تعدد ازدواج" کا فلسفہ و حکمت ثابت کرنے پہ رکھی گئی۔ آپ نے موضوع کے مطابق اس پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی۔ اور مسلمانوں کو چار تک بیویاں رکھنے کی جو اجازت دی گئی ہے۔ اس کے راز و اسرار، ضرورت اور اہمیت کو بے نقاب فرمایا۔ ابھی آپ نے تقریر ختم نہ کی تھی۔ کہ ایک پنڈت جی جھومتے جھامتے سٹیج کے قریب آئے۔ مولانا کو سلام کیا۔ اور ان سے سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے بخوشی اجازت دی۔ پنڈت جی نے کہا:

"مولوی صاحب! اگر ایک سے زائد بیویاں کرنا انسانی فطرت میں شامل ہوتا، تو آپ کے حضرت آدمؑ جو مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی ہیں ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے؟ اس وقت تو دنیا کو بڑھانے پھیلانے اور آباد کرنے کی ضرورت بھی بہت تھی۔ لیکن انہوں نے صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کی۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا فطرت کے خلاف ہے۔"

مولانا نے اس اعتراض کو دلچسپی سے سنا۔ پھر بڑی سنجیدگی سے فرمایا:

"ہاں! پنڈت جی!! درست کہا آپ نے۔ ہمارے حضرت آدمؑ نے بیشک ایک ہی زوجۂ محترمہ سے زندگی بسر کی۔ مگر اس وقت تو یہ ایک ہی عورت پیدا کی گئی تھی، جو ان کی مناکحت میں آئی۔ اُس اِستری کال کے سمے میں اگر آپ زیادہ عورتیں مہیا کر دیتے، تو آدم علیہ السلام کو انہیں اپنی زوجیت میں لینے سے کب انکار تھا؛ اور یہ انسانی فطرت کی خلاف ورزی ہی ہے تاکہ آپ کرشن جی مہاراج اور کئی دوسرے رِشی مُنی بیسیوں بیویاں رکھتے اور اُن سے اولاد پیدا کرتے تھے۔"

پنڈت جی اس جواب سے بہت کھسیانے ہوئے اور جواب دیئے بغیر گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔

القصہ، مولانا کے فُکاہ و مزاح، طنز و مذاق میں بھی موعظت، عبرت اور نصیحت ہوتی تھی۔ اس سے قوم کو آپ سبق دیتے تھے۔ کفار کو اپنے مذہب کی عظمت دکھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا:

"مولانا آپ نے بڑی شگفتہ طبیعت پائی ہے کہ تقریر و تحریر میں دلچسپیاں پیدا کر دیتے ہیں۔"

آپ نے جواب دیا: "بھائی تم جانتے ہو، کہ مذہبی باتیں خشک اور روکھی پھیکی ہوتی ہیں۔ اگر ان میں دلچسپی اور کشش نہ پیدا کی جائے، تو آج کل ایسی باتیں کون سنتا ہے؟ امرتسر کا یہ طوطی مشرکین و مبتدعین کے نقار خانے میں جب چلّاتا ہے، تو اس کی آواز تھوڑی بہت اسی لیے سنی جاتی ہے کہ اس میں کچھ جذب و اثر ہے۔ ورنہ ہم تو کسی پہ ہنسی اڑانا، کسی کو ٹھٹھا کرنا اور تضحیک و استہزا سے کام لینا بُرا سمجھتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا نے جو مزاحیہ و ظریفانہ طبع پائی تھی۔ آپ اس میں بھی حکیمانہ رموز اور فلسفیانہ نکات سے کام لیتے۔ اور اس کے ذریعے عوام کے قلوب مٹھی میں لے کر دین و ملت کی وہ خدمت سرانجام دیتے تھے کہ آپ کے حریف حسد سے جل مرتے تھے۔

برجستگی، بداہت اور سخن گوئی

مولانا چونکہ بلا کے زیرک، فہیم، ذہین اور فطین تھے اس لیے آپ میں برجستہ بات کہنے اور مواقع پر بداہت و حاضر جوابی سے کام لینے کی قوت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ برمحل شعر کہہ کر اور علمی و ادبی لطیفے سنا کر اپنی تقریر کو اس درجہ خوشگوار اور پر لطف بنا دیتے کہ سننے والے تھکتے اور اکتاتے نہ تھے۔ جو بات آپ کو وقت پر سوجھتی تھی، دوسروں کو گھنٹوں مغز مارنے اور سر کھپانے پر بھی نہ سوجھ سکتی تھی۔ عربی، فارسی، اردو کے مشہور شعراء کے ہزاروں اشعار از بر تھے۔ آپ گو شاعر تو نہ تھے اور شاعری کے رموز و نکات سے واقفیت رکھتے ہوئے آپ نے دیدہ دانستہ اس کو اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن اعلیٰ پایہ کے سخن فہم تھے۔ اور برمحل شعر کہنے میں تو ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

قادیان میں تقریر

قادیان میں ایک دفعہ مسلمانوں نے دھوم دھام سے جلسہ کیا اور حقیقت

میں یہ اہل اسلام کا پہلا عظیم الشان اجلاس تھا جو مرزائیت کے مرکز میں کیا گیا۔ مولانا مغفور کو دعوتِ شرکت دی گئی۔ ہر فرقہ اور ہر خیال کے مسلم واعظین و متکلمین بھی تشریف لائے اور سب نے باری باری اس فرقہ ضالہ کے خلاف تقریریں کیں۔ جب ابوالوفا مرحوم سٹیج پر آئے۔ تو آپ نے اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا ؎

بادہ خواری سے کیا قبرِ مغاںؔ[1] پہ جلسہ!

ہم نے اس سال بڑی دھوم سے توڑی توبہ

فرمایئے! کسی واعظ، کسی مولوی، کسی مناظر کو ایسا برمحل شعر سوجھ سکتا ہے؟ اس جلسے میں آپ کی تقریر اپنے موضوع کے لحاظ سے سب سے دلچسپ اور پُر اثر تھی۔ جس نے غلام احمدیت کی کھوکھلی عمارت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور کسی قادیانی بھیڑ کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے "مسیح" کے خلاف اتنا کچھ سن کر میدان میں نکلے یا مناظرہ کرے۔

پادری سے مناظرہ

ایک مرتبہ ضلع بستی میں کوئی مسیحی پادری کہیں سے آن وارد ہوا۔ اس کو اپنی قابلیت اور مذہبی واقفیت پر اس قدر ناز تھا۔ کہ ہر جلسہ د اجتماع میں علمائے اسلام کو مقابلہ و مناظرہ کا چیلنج دیتا۔ اور اسلام کے خلاف زہر تقریریں کرتا تھا۔ علمائے احناف میں سے بعض عالم اس کے مقابلے پر مگر پادری اس درجہ آتش زبان اور تیز طرّار تھا، کہ اس کے سامنے ان علما

---

[1] مغاں، مُغ کی جمع ہے، معنی ہے مے فروش (فاروقی)

کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ جب پانی سر سے چڑھ گیا۔ اور اس عیسائی کے فتنہ انگیز و گمراہ کن وطیرے اہل توحید کے لیے مُضر و مہلک ثابت ہونے لگے۔ تو احناف و اہلحدیث جماعتوں نے اتحاد باہمی سے حضرت مولانا ثناء اللہ کو تار دیا۔ اور ایک بھاری جلسے کے انعقاد کا اعلان کر کے دونوں فریقوں نے مناظرے کے انتظامات مکمل کر لیے۔ مولانا مرحوم تو ایسے موقعوں کے لیے ہر وقت چشم براہ رہتے تھے آپ فوراً تشریف لے گئے۔ آپ کی آمد کی خبر سُن کر جلسے کا عریض و وسیع پنڈال کھچا کھچ بھر گیا۔ اور آپ پادری کے آنے سے پہلے ہی سٹیج پر رونق افروز ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پادری جس کا رنگ سیاہ فام تھا۔ اپنی گوری چٹی خوبصورت لیڈی کے ہمراہ آکر مولانا کے بالمقابل علیحدہ سٹیج پر جا بیٹھا۔ مولانا نے یہ منظر دیکھا، تو کئی بار اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر بیٹھ جاتے اور مناظرے کے وقت کا انتظار کرتے۔ آخر آپ سے خاموش نہ رہا گیا۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور پادری کی کالک اور لیڈی کی سفیدی کو سامنے رکھ کر فرمایا:

"حضرات! مناظرہ شروع ہونے میں اگرچہ چند منٹ باقی ہیں۔ اور میں نے اپنی طبیعت کو بہت سمجھایا ہے کہ قبل از وقت کوئی لفظ زبان پر نہ لائے۔ لیکن وہ کچھ ایسی بے چین اور مضطرب ہے، کہ میرا کہنا نہیں مانتی اور مجھے مجبور کرتی ہے، کہ جو شعر بار بار اس کے منہ پہ آرہا ہے، وہ آپ کو سنا دوں۔ چنانچہ (پادری اور لیڈی کی طرف اشارہ کر کے) وہ شعر سنایا۔

پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت
زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت

آپ کا یہ شعر پڑھنا ہی تھا، کہ حاضرین نے تالیوں اور قہقہوں سے

آسمان کے پردے پھاڑ دیئے۔ اور پادری پر تو اس شعر ہی سے اتنا اثر ہوا کہ جب شور مدھم ہوا، تو اس نے بھرے جلسے سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ حضرت مولانا نے سمجھا بجھا کر اسے بٹھا لیا اور فرمایا:

"پادری صاحب! ناراض نہ ہوجیے۔ آپ تو سنا تھا بڑے دل گردے کے انسان ہیں۔ اور مسلمانوں کو ہر وقت للکارتے رہتے ہیں۔ اب جو مناظرہ کا وقت آیا تو لگے بزدلوں کی طرح بھاگنے۔ خدا کے لیے مناظرہ کرکے جایئے اور یوں محفل سونی کرکے نہ بھاگیے۔"

پادری نے کھڑے ہو کر اعلان کیا: "آج کے بعد میں کسی مسلمان سے مقابلہ و مناظرہ نہ کروں گا، عیسائیت باطل ہے اور اسلام سچا ہے۔ میں ہارا اور آپ جیت گئے۔"

یہ کہہ کر وہ ایسا بھاگا کہ پھر اس علاقے میں کبھی قدم نہ رکھا۔

جموّں میں تقریر

انجمن اہلحدیث جموّں کے سالانہ جلسہ میں ایک بار مولینا کو مدعو کیا گیا تو آپ نے وہاں توحید و سنت پر تقریر فرمائی۔ بدعتیوں کے اعتراضات کے جواب دیئے پھر ایک عیسائی مبلغ سے چند منٹ مناظرہ کرکے اس کو بھگا دیا۔ جب آپ ادھر سے فارغ ہوئے تو پرنس آف ویلز کالج جموں کے طلباء نے آپ کو دعوت دی کہ:

"احاطۂ کالج میں تشریف لا کر علوم جدیدہ کی ضرورت و اہمیت پر تقریر فرمائیں۔"

چنانچہ کالج کے سٹاف نے اس کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ اور اکابرین شہر کو بھی جلسہ میں شریک کیا۔ حضرت مولانا جب سٹیج پہ کھڑے ہوے تو آپ نے

اکبر مرحوم کے اس شعر سے اپنی تقریر کی ابتدا کی ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بعد ازاں آپ نے اپنی پُر مغز خطابت میں یورپی تعلیم اور مغربی تہذیب کی مضرتیں اور ہلاکت آفرینیاں ظاہر فرمائیں۔ اور بتایا، کہ حکمران قوم (انگریز) ہمارے مشرقی تمدن و ثقافت، اخلاق و خصائل کو تباہ کر کے ہمارے جسموں ہی کو نہیں، ہمارے قلب و دماغ اور ہماری ذہنیتوں کو بھی غلام بنا رہی ہے ہمارے نوجوانوں کو اس قسم کی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے، جو ملکی مفاد کے مطابق ہو۔ اور ہماری محکومی و مظلومی کا علاج کر سکے۔ آپ نے مسلمان طلبا پر زور دیا کہ اگر وہ دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو علوم دینیہ کی تحصیل کو علوم جدیدہ مغربیہ پر ترجیح دیں۔ اور قرآن و حدیث کی اور تفاسیر و شروح کا مطالعہ کریں۔

دھرم بھکشو سے مناظرہ

راولپنڈی کے ایک جلسہ میں آپ مشہور منہ پھٹ آریہ پرچارک مہاشا دھرم بھکشو سے مناظرہ کر رہے تھے۔ جب مہاشا جی کی باری آئی تو اس دریدہ دہن نے کہا:

"مولوی صاحب! مجھے تو ویدک دھرم کی ہمہ گیر کامیابی نظر آرہی ہے۔ اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اسی زُنّار کا پھندا ایک روز آپ کی گردن میں بھی پڑا ہو گا۔"

جواب کے لیے ابھی مولانا کا وقت نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ فقرہ سنتے ہی

آپ شیر کی طرح بپھرے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا :

" مہاشہ جی! شاید آپ نے عرفی کا یہ شعر نہیں سنا کہ ؎

گر محبت حملہ بر ناموسِ کفار آورد

برہمن را سبحہ در گردن بہ بازار آورد

یہ شعر سنتے ہی دھرم بھکشو کی ساری شیخی کر کری ہو گئی اور ہزارہا سامعین نے "سبحان اللہ" اور "اللہ اکبر" کے شور سے فضائے آسمانی میں گونج پیدا کر دی۔

مرزا کا جامع تعارف

ایک بار عجیب واقعہ ہوا۔ لاہور میں پیغامیوں یعنی لاہوری مرزائیوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اور آپ بھی کسی تقریب پر لاہور میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ پیغامیوں کو خدا جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے مولینا کی خدمت میں دعوت نامہ بدیں مضمون بھیج دیا :

" ہمارے جلسے میں تشریف لا کر رونق بڑھائیں اور حضرت صاحب کے اخلاق و عادات پر تقریر فرمائیں۔"

مولینا نے رقعہ پڑھا تو اسی وقت اٹھ بیٹھے۔ اور احباب سے پوچھے اور علیک سلیک کیے بغیر تیز تیز قدم بڑھاتے "احمدیہ بلڈنگ" پہنچ گئے۔ پیغامیوں نے انہیں دیکھا۔ تو بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اصل میں وہ بزعم خود مولینا کو "پھانسنے" میں کامیاب ہو چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو جلسہ میں بلا کر بڑا تیر مار لیا ہے۔ جب مولانا ان کے سٹیج پر تشریف لے گئے۔ تو پیغامیوں نے "مسیح موعود، زندہ باد، احمدیت پائندہ باد" کے پُرجوش نعرے

لگائے۔ آخر صدر جلسہ نے مجمع عام میں مولانا سے کہا:

"ہم نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ "حضرت مرزا صاحب" کے اخلاق و عادات، خصائل و شمائل وغیرہ سے متعلق کچھ افکار بیان فرمائیں، چونکہ آپ مرزا صاحب سے ہمیشہ ملتے رہے ہیں، ان کو دیکھتے رہے ہیں اور ان کے اخلاق وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپ سے زیادہ اُن کے خصائل سے کوئی واقف نہیں۔ اختلافات کو تو رہنے دیجیے ایک طرف، آپ ان کے اخلاقی پہلو کو ضرور نمایاں کریں تاکہ عوام کو "حضرت صاحب" کے کیریکٹر اور ان کے مقام کی بلندی کا پتہ چل جائے۔"

مولانا نے روایتی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی گذارش قبول فرمائی۔ اور کھڑے ہوتے ہی فرمایا:

"احمدی دوستو!"[1] میں اپنے پڑوسی کے خصائل و فضائل کیا بیان کروں جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اور جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے۔ ان کے محاسن و محامد کی نسبت میں یہی کہہ سکتا ہوں ؎

مرے معشوق کے دو ہی نشاں ہیں

مولانا نے اس مصرعہ کو چند بار دو انگلیاں اٹھا کر دہرایا۔ جب مرزائی سامعین دوسرے مصرعے کے لیے سراپا انتظار بن گئے۔ تو پورا شعر یوں ادا فرمایا ؎

---

[1] مرزائی قادیانی [redacted] کافر و دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ تبھی احمدی [redacted] طنزاً فرمایا۔ (فاروقی)

مرے معشوق کے دو ہی نشاں ہیں
زباں پر گالیاں مجنوں سی باتیں

یہ شعر سنتے ہی مرزائیوں کی تو آنکھیں بچ گئیں۔ اور وہ بغلیں جھانکنے اور گھٹنوں میں سر دباتے نظر آنے لگے۔ مگر آپ ان کی جلسہ گاہ سے اپنی جائے قیام پر واپس آ گئے۔ اس کے بعد بھی پیغامیوں کے ایام جلسہ میں مولانا کئی بار لاہور گئے۔ مگر پھر انہوں نے آپ کو کبھی شرکت کی دعوت نہ دی

کمال برجستگی

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے اجلاس منعقدہ مئو ناتھ بھنجن کے موقع پر منتظمین نے یہ انصرام کیا۔ کہ جن علماء و مقررین کو جلسہ پر مدعو کیا گیا۔ ان کے لیے حسب پسند سواریاں فراہم کر دی گئیں۔ جو صاحب جس قسم کی سواری پسند کرتے اس کو وہی مہیا کی جاتی۔ اس جلسے پر حضرت مولانا ثناء اللہ اور حضرت مولانا محمد دہلویؒ مرحوم بھی تشریف لے گئے جب یہ دونوں حضرات گاڑی سے اترے تو دونوں سے سٹیشن پر دریافت کیا گیا کہ انہیں کونسی سواری مرغوب ہے۔ مولانا ابو الوفاء نے پالکی پسند فرمائی اور مولانا محمدؒ نے ہاتھی کی سواری۔ جب یہ دونوں حضرات اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر روانہ ہوئے، تو مولانا محمدؒ نے مہابت سے کہا:

"مولانا ابو الوفاء پالکی میں بیٹھ کر آگے نکل گئے ہیں۔ تم ہاتھی کو ذرا تیز بھگاؤ اور ان کی پالکی سے آگے نکل جاؤ۔"

مہابت نے حکم کی تعمیل کی۔ جب ہاتھی مولانا ثناء اللہ کی پالکی کے قریب سے گذرا، تو مولانا محمدؒ نے بلند آواز سے کہا: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ"

مولینا ابوالوفائؒ نے فوراً جواب دیا: "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ"؟

آہ! کیسی پُر لطف صحبتیں تھیں ان بزرگوں کی جب وہ سنہری زمانہ یاد آتا ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ملت کی یہ دو روشن شمعیں گُل ہو چکی ہیں۔ کیا وہ پھر کبھی منور نہ ہوں گی؟ کیا تبلیغ و مناظرہ کی محفل اب تاریک و بے رونق ہی رہے گی؟ اور قوم میں ان کے جانشین پیدا نہ ہوں گے؟۔

قادیانی مولوی کی خجالت

بٹالہ ضلع گورداسپور میں ایک دفعہ مسلمانوں نے قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی شرانگیزیوں اور فتنہ خیزیوں کے انسداد کے لیے جلسہ کیا۔ اور حضرت مولانا کو بھی دعوت شرکت دی۔ آپ تو ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتے تھے، فوراً تشریف لے گئے۔ اور مرزا و اُمّتِ مرزا کی دسیسہ کاریوں کی خوب خوب قلعی کھولی۔ قادیانیوں نے بھی خفیہ خفیہ علماء اسلام کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ مگر جب انہوں نے سنا کہ مولانا ثناء اللہ بھی آ رہے ہیں۔ تو اپنا پروگرام منسوخ کر دیا۔ اور بھیگی بلّی کی طرح کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔

اس جلسے کے ایک اجلاس کی صدارت مولانا مرحوم نے فرمائی تھی۔ جب آپ کرسئ صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ تو ایک قادیانی مولوی کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ وہ جلسہ گاہ سے باہر گیا۔ اور چند منٹ بعد ازار بند ہاتھ میں پکڑے پنڈال میں آ گیا۔ مسلمان اس کی حرکت پر مسکرائے اور چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ مولینا نے بھی عوام کے دل کی بات معلوم کر لی۔ آپ تبسم زیر لب

اُٹھے۔ اور حاضرین سے مخاطب ہو کے فرمایا:

"برادران اسلام! آپ قادیانی مولوی صاحب کی اس حرکت پر کیوں مسکراتے اور حیران ہوتے ہیں۔ وہ تو اپنے پیغمبر کی پیشگوئی پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔ کیونکہ شاعر قادیان کہہ گئے ہیں۔ ع

"اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار"

یہ سن کر سامعین تو مارے ہنسی کے لوٹن کبوتر بن گئے۔ اور قادیانی مولوی کہیں ایسے رُوپوش ہوئے کہ پھر ان کی صورت نظر نہ آئی۔

مرزا بشیر پر پھبتی

اسی طرح ایک مرتبہ گورداسپور میں مرزائیت کے خلاف اسلامی اجتماع ہوا۔ حسب معمول حضرت مولانا بھی اس میں شریک ہوئے۔ اور اپنے مخصوص انداز میں غلام احمدیت کی دھجیاں اڑانے لگے۔ جب آپ تقریر فرما رہے تھے تو کسی نے اطلاع دی کہ آج مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان بھی گورداسپور کے انگریزی ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں حاضری دینے آئے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت وہ صاحب کی کوٹھی میں ہیں۔ مولانا نے فرمایا "پھر اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ کیا آپ نے یہ شعر کبھی نہیں سنا؟

ؔ

اس نقش پا کے سجدے نے یاں تک کیا ذلیل
وہ کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل چلا

الغرض آپ کی برمحل برجستگی، برموقع بداہت اور حالات کے مطابق نپی تُلی شعر گوئی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ دو چار لفظوں یا ایک دو مصرعوں میں وہ کچھ کہہ جاتے تھے، جو لمبے چوڑے مضمون میں ادا کرنا مشکل ہوتا۔ آپ کی

حاضر جوابی اور برجستہ کلامی مخالفین کے لیے تیغ و سناں کا حکم رکھتی تھی۔ اور آپ کا ایک ایک لفظ حریفوں کے دل و جگر میں تلوار کی طرح اتر جاتا تھا۔ حق تو یہ ہے کہ اس گئے گذرے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا تھا وہ بہت کم لوگوں کو دیا گیا۔ عوام تو آپ کی لطیفہ گوئی، شعر گوئی، برجستگی، حاضر جوابی اور طنز و مزاح ایسی چیزوں کو محض تقریر میں جذب و اثر پیدا کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوں گے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ چیزیں خود مخالفین اسلام و توحید کو خاموش کرانے اور لاجواب کرنے کا ایک ذریعہ تھیں اور عظیم ذریعہ جو قدرت کی طرف سے آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔

حاضر جوابی

مولانا کی بدیہہ گوئی اور برجستگی، تو مشہور تھی، بدیہہ گوئی کے چند واقعات بھی آپ سن چکے، اب حاضر جوابی کے چند لطائف بھی ملاحظہ کیجیے۔

حاضر جوابی کا ملکہ قدرت نے آپ کو بچپن ہی سے عطا فرما رکھا تھا۔ زمانہ تعلیم میں جب کوئی طالب علم آپ پر اعتراض کرتا۔ تو آپ فوراً ایسا جواب دیتے کہ وہ ہکا بکا رہ جاتا اور وہ حیران ہوتا کہ آپ کو اتنی جلد جواب سوجھ کیسے جاتا ہے۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر جب آپ آنے لگے تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے فرمایا۔ کہ "ابوالوفاء! تیری حاضر جوابی سے مجھے خاص لطف اور مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ بعض

طلبا حسد کرتے تھے ۔ مگر یہ خدا کی دین ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۔

پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

هُمْ يَحْسُدُونِي وَشَرُّ النَّاسِ كُلُّهُمْ
مَنْ عَاشَ فِي النَّاسِ غَيْرَ مَحْسُودٍ"

آپ کے انتقال پُر ملال پر مدیر زمیندار نے جو شذرہ[۱] لکھا تو اس میں یہ الفاظ بھی ارقام فرمائے کہ " مولانا کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ہی دنیا سے حاضر جوابی ختم ہو گئی"۔ مناظرہ میں حاضر جوابی بس آپ پر ختم تھی اور آپ اس فن میں گویا امام مانے جا چکے تھے ۔

آریہ مناظر کو جواب

ایک بار آریوں سے مناظرہ تھا ۔ آریہ مناظر کو جب پتہ چلا کہ مدِمقابل ثناء اللہ ہے ۔ تو اس کے چھکے چھوٹ گئے ۔ مگر وہ بہت ہوشیار تھا ۔ اور چاہتا تھا کہ کسی طرح مولٰنا ثناء اللہ کی زد سے بچ جائے ۔ اور ان کی ایسی توہین ہو کہ ان کا جی کھٹا ہو جائے ۔ اس لیے اس نے چھوٹتے ہی کہا :

" آج ہمارا مقابلہ مسلمانوں سے تھا ۔ مگر افسوس کہ اب مسلمانوں کے پاس کوئی عالم نہیں رہا اور انہوں نے ہمارے مقابلہ میں ایک ایسے شخص کو کھڑا کیا ہے ، جو بجائے خود کافر ہے ۔ اور اس کے بھائیوں ہی نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے ۔ چنانچہ یہ دیکھیے میرے پاس وہ فتاویٰ موجود ہیں ، جو مولوی ثناء اللہ پر علماء نے لگا رکھے ہیں ۔ . . . . "

---

[۱] اخبار میں ایڈیٹر کا کسی واقعہ پر مختصر تبصرہ ۔ (فاروقی)

ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مولینا ثنا ءاللہ اٹھے اور فرمایا :

" مہاشہ جی ! گھبرایئے نہیں آج ثناء اللہ آپ کو چھوڑے گا نہیں۔ مان لیا کہ ثناء اللہ کافر ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ جب کوئی کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ تو وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ لیجئے ثناء اللہ آج کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مسلمان ہو رہا ہے۔ کیا اب بھی اس کے اسلام میں کچھ شک ہے؟ مسلمان کی ایک نشانی ختنہ بھی ہے جس کے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا ہے۔

بوقت ختنہ جو میں چیخا تو نائی نے کہا ہنس کر

مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

خدا کے فضل سے وہ نشانی بھی یہاں موجود ہے اگر شبہ ہو تو۔ . . . .

کیا اب بھی میرے اسلام میں آپ کو شبہ ہو سکتا ہے؟"

یہ جواب سن کر عوام تو قہقہے مار مار کر ہنسے مگر مہاشا جی کے طوطے اڑ گئے۔ وہ بیچارا آپ کو لاجواب کرنا چاہتا تھا، مگر خود لاجواب ہو گیا۔

مرزائی مناظر کو جواب

ایک دفعہ مرزائیوں سے مناظرہ تھا اور مبحث متعین نہ ہونے پاتا تھا مرزائی چاہتے تھے کہ مسئلہ حیات ممات پر گفتگو ہو۔ اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ "مرزا جی کا آسمانی نکاح محمدی بیگم" زیر بحث آئے[1] چنانچہ مولانا

---

[1] مسلمان عام فہم باتوں کے ذریعے مرزا کو جھٹلانا چاہتے تھے اور قادیانی خشک اور پیچیدہ باتوں میں داؤ فریب لگا کر مرزا کو بچانا چاہتے تھے ورنہ یہ بات نہیں کہ مسلمان حیات مسیح پر مناظرہ نہ کر سکتے تھے (فاروقی)

ثناء اللہ نے بدلائل فرمایا کہ پہلے اسی موضوع پر بحث ہونی چاہیئے۔ مرزائی مناظر اٹھا اور اس نے طنزاً کہا:

"میں نہیں سمجھتا مولوی ثناء اللہ کا محمدی بیگم سے کیا رشتہ ہے۔ جو اسے اسی کی اتنی حمایت مقصود ہے۔"

مولانا ثناء اللہ اٹھے اور فرمایا کہ: "عزیز من! محمدی بیگم سے ہمارا رشتہ اگر زیادہ سے زیادہ کہو تو "کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ" کے زیر تحت یہی کہو گے کہ وہ ہماری "اسلامی بہن" ہے۔ مگر ہم تو اس کی حمایت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ تمہاری ماں ہے۔ کیونکہ نبی کی بیوی امت کی ماں ہوتی ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر تم غیور ہو تو اپنی ماں کو اپنے گھر لا کر بٹھاؤ۔ وہ دوسرے کے گھروں میں کیوں پھر رہی ہے"۔

بس آپ کا یہ کہنا تھا، کہ مرزائیوں کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور مسلمان کھِل کھِلا کر ہنسنے لگے۔

عیسائی مناظر کو جواب

ایک بار ایک عیسائی مناظر نے دوران مناظرہ میں یہ کہا۔ کہ "اگر تمہارے رسول محمد ﷺ اللہ کے اتنے ہی مقبول اور محبوب تھے تو اپنے لخت جگر حسینؓ کو کربلا میں شہید ہوتے دیکھ کر کیوں خدا سے سفارش نہ کی؟ اور کیوں اسے بچا نہ لیا؟"

مولانا نے بڑی متانت سے فرمایا: "بھائی کہا تو تھا۔ مگر اللہ میاں نے جواب دیا کہ میرے حبیب میں کیا کروں۔ میں تو خود اس فکر میں ہوں کہ ظالم عیسائیوں نے میرے اکلوتے بیٹے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا۔ اور میں کچھ نہ کر

سکا حسین تو پھر بھی تیرا نواسہ ہی ہے "
اس پر عیسائی بہت شرمندہ ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مولینا نے فرمایا:
"پادری صاحب! کچھ علم اور عقل کی باتیں کریں۔ یہ آپ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں"

ایک بار لاہور میں بریلوی اور دیوبندی حضرات کے مابین مناظرہ قرار پایا۔ فریقین کے بڑے بڑے جیّد علماٗ جمع ہوئے۔ مولانا بھی امرتسر سے لاہور پہنچ گئے آپ دہلی دروازہ سے گزر رہے تھے کہ سامنے ایک مکان میں بریلوی علما بیٹھے نظر آئے۔ آپ نے اسلامی اخلاق کے تقاضا کی بنا پر چاہا کہ ان سے ملیں چنانچہ دروازہ پر پہنچے اور السلام علیکم کہہ کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ مگر انہوں نے صاف جواب دیا کہ "ہم آپ سے ملنا نہیں چاہتے، اندر آنے کی اجازت نہیں ہے"

مولینا نے ہنس کر فرمایا: "وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ۔ اگر تم کسی کے ہاں جاؤ اور گھر والی (پردہ دار عورت) اندر آنے کی اجازت نہ دے تو تم لوٹ آؤ تمہارے لیے یہی بہتر ہے"
جب آپ نے معاً یہ آیت پڑھی تو بریلوی حضرات بہت نادم ہوئے۔

مرزا کے بارے میں جواب

کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ سب ہی علمائے کرام مرزا ئے قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ نہ اسے کافر کہا ہے۔ مولینا عبدالغنی صاحب خانپوری

کا بیان ہے کہ میں یہی اعتراض ذہن میں لے کر مولینا ثناء اللہ کے پاس پہنچا اور اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا:

"بھئی! میں تو مرزا قادیانی کو "کافر" کہنا لفظ "کفر" کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔"

یہ ایک ایسا جواب تھا کہ میں خاموش ہو گیا۔ اور پھر کچھ کہہ نہ سکا۔

ایک بار لاہور میں ایک آریہ مناظر نے جو گوشت خوری کے موضوع پر آپ سے بحث کر رہا تھا طنزاً کہا کہ "گوشت خوری سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور مسلمان چونکہ شہوت پرست ہیں، اس لیے گوشت کھاتے ہیں"!

آپ نے فرمایا: "پنڈت جی! کچھ سوچ کر بولو، مسلمان شہوت پرست ہیں یا آپ؟ گوشت خور شہوت پرست ہوتا ہے یا دال خور؟ دیکھو شیر گوشت خور جانور ہے، مگر اپنی مادہ کے پاس ایک ہی بار جاتا ہے۔ لیکن چڑے چڑیا کو آپ نے دیکھا ہو گا دال خور ہیں مگر کتنے شہوت ران ہیں۔ مرغا مرغی بھی گوشت خور نہیں ہیں، آپ کی طرح دال خور ہی ہیں، مگر کتنے شہوت پرست ہیں"!

ابھی آپ چند مثالیں اور دینا ہی چاہتے تھے کہ پنڈت جی نادم ہو کر بول اٹھے: "میں اپنے لفظ واپس لیتا ہوں، اب آپ زیادہ تشریح نہ فرمائیں"!

اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہیں جو آپ کی حاضر جوابی پر دال ہیں۔ مگر ہم اختصار کے پیشِ نظر انہیں نظر انداز کر رہے ہیں۔

اَخلاقِ حَسَنہ

حضرت مولینا مرحوم تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کی سچی تصویر تھے مخالف و موافق، دوست دشمن کے ساتھ احسان و مروّت، خُلق و محبت سے پیش آتے۔ اور اس میں کسی قسم کی تخصیص و تفریق روا نہ رکھتے۔ مسلم اور غیر مسلم سے آپ کا حسنِ سلوک یکساں تھا۔

سکھ سے حُسنِ سلوک

ایک مرتبہ آپ کسی جلسہ پر جا رہے تھے۔ ریل کے سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سکھ مسافر اپنی جگہ سے جو اٹھا تو اس کو اوپر کے بیٹھے سے ایسی چوٹ آئی کہ چکرا کر گرا اور کراہنے لگا۔

حضرت مولینا اس کے پاس پہنچے۔ اس کو اٹھایا، سنبھالا، بستر پہ لٹایا۔ سر اور پاؤں دبائے۔ مٹھی چاپی کی۔ اس نے ہر چند منع کیا۔ مگر آپ نے فرمایا: "سردار صاحب! اسلام نے محض مسلمانوں کی خدمت کا حکم نہیں دیا، بلکہ تمام بنی نوع انسان اور تمام مذاہب کے پیرؤوں سے نیک سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لیے میں نے جو سلوک آپ سے کیا ہے، یہ کوئی آپ پر احسان نہیں ہے، میرے فرائض میں داخل ہے۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ؎

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

کسی کے گر آفت گذر جائے سر پہ
پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پہ
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

آپ ہمیشہ وعید نبوی لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا بزرگوں کا ادب و احترام کرتے بچوں پر شفقت فرماتے اور ان کا لحاظ کرتے۔

بچوں سے شفقت

ایک مرتبہ کوئی ضعیف العمر شخص اپنے بچوں کو ساتھ لیے دفتر "اہلحدیث" میں آیا۔ بچہ کار آمد کاغذوں پر ہاتھ مارنے لگا۔ اور ایک دو کاغذ پھاڑ بھی دیئے ملازم نے جو بچے کی یہ حرکت دیکھی تو اس کو سخت الفاظ میں جھڑکا۔ بڑھے کو بھی برا بھلا کہا۔ اور کرسی سے اٹھا کر ایک چٹائی پر بٹھا دیا۔ اتنے میں حضرت مولانا تشریف لے آئے۔ جب ان کو ملازم کی اس گستاخی کا پتہ چلا۔ تو اسے طلب کر کے ڈانٹ پلائی، اور فرمایا:

بیوقوف! تو مسلمان ہو کر بچوں کو جھڑکتا اور بوڑھوں کی بے ادبی کرتا ہے، سن! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ كَمَا قَالَ۔

خبردار! آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ بچوں سے ہمیشہ شفقت کیا کرو۔

عفو و درگذر

آپ نے کبھی کسی سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ آپ بدلہ لینا جانتے ہی نہیں تھے۔ ایک بار کسی جلسے میں آپ تقریر کر رہے تھے۔ کہ اہل بدعت نے آپ پر آوازے کسے اور خشت باری بھی کی۔ احباب نے مشورہ دیا کہ پولیس میں رپورٹ کی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اگرچہ قصاص و انتقام کا حکم موجود ہے۔ مگر عفو و درگذر کو بدلہ لینے پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور جو کچھ معاف کر دینے میں مزا ہے، وہ انتقام لینے میں نہیں ہے۔

آپ کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو اعلیٰ و ممتاز جگہ پر بیٹھنے کی کوشش نہ کرتے۔ اگر اہل مجلس آپ کو اچھی جگہ بٹھانا چاہتے۔ تو آپ یہ کہہ کر ان ہی میں فرش پر بیٹھ جاتے۔ کہ بھائی! آپ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق یہ نہیں سنا؟ کہ ان کا قول ہے۔ کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس احدنا حیث انتھی! مطلب یہ کہ مجلس میں جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جانا چاہیئے۔

دفتر "اہلحدیث" امرتسر میں اور مولانا کے دولتکدہ پر ہر خیال، ہر فرقہ، اور ہر مذہب لوگ آتے رہتے تھے۔ اور آپ کسی مخالف و حریف کی آمد پر ماتھے پر بل نہ لاتے تھے۔ بلکہ اٹھ کر اس کا استقبال کر کے سلام کہتے مزاج پوچھتے، اچھی جگہ بٹھاتے، نرم و شیریں گفتگو کرتے۔ اور اس کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ انہی خصائل کے باعث آپ محبوب خلائق اور ہر دلعزیز تھے۔ اور تمام مذاہب کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔

احناف و مقلدین سے اگرچہ آپ کی چشمک رہتی تھی۔ اور دونوں میں تحریری و تقریری طور پر نوک جھونک ہوا کرتی تھی۔ لیکن جب ان میں سے

کسی کی وفات ہو جاتی تو آپ جنازہ پر تشریف لے جاتے ۔ ماتم پرسی کرتے خود نہ جا سکتے تو اپنے صاحبزادے یا پوتے کو بھیج دیتے ۔ کوئی بیمار ہوتا تو عیادت کو جاتے ۔ مریضوں کی ڈھارس بندھاتے ۔ شفا کے لیے دعا فرماتے نادار مریضوں کو دوا دارو بھی فراہم کرتے ۔ اور حتی المقدور ان کی مالی امداد بھی کرتے ۔

ہندو کی عیادت

ایک مرتبہ امرتسر کا ایک ہندو بیمار ہوا ۔ آپ عیادت کو گئے ۔ اس کو تسلی تشفی دی ۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس علاج کے لیے پیسے نہیں ۔ تو آپ نے کچھ رقم اسے بھجوا دی اور ایک عطار سے فرمایا، کہ اس لالہ کو جس دوا کی ضرورت ہو، دے دیا کرو اور قیمت میرے حساب میں لکھ لیا کرو ۔ اسی طرح آپ نے کئی دفعہ غیر مسلم بیوگان، یتامیٰ، طلباء اور غرباء کی امداد فرمائی ۔ اور ثابت کر دیا ۔ کہ اسلام وہ عالمگیر مذہب ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک رواداری چاہتا اور خلق و محبت کی تعلیم دیتا ہے ۔

آپ آداب مجلس کا خود بھی خیال رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اسلامی اخلاق میں آداب مجلس میں داخل ہے ۔ کسی اجلاس میں کوئی شخص دوسرے کو اٹھانے اور خود اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش کرتا تو اس کو یہ حدیث یاد دلا کر روکتے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يُقِيمَنَّ اَحَدُكُمُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ "کوئی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس پر قبضہ نہ کرے ۔"

جگہ تنگ ہوتی تو یہ حکم نبوی سناتے" تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا! لوگو! کھلے اور کشادہ ہو کر بیٹھو۔"

مجلسی آداب

ایک اجلاس میں صاحب صدر نے حاضرین سے کھل کر بیٹھنے اور جگہ وسیع کرنے کی درخواست کی، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور لوگ جوں کے توں بیٹھے رہے۔ چنانچہ آپ اٹھے اور فرمایا "حضرات آپ کو کم از کم قرآنی احکام تو یاد رکھنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ۔

اسی طرح ایک مجلس میں جگہ بہت تنگ تھی۔ آپ تشریف لائے تو فرمایا: "حضرات نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے" خَيْرُ الْمَجَالِسِ أَوْسَعُهَا" کشادہ مجلس سب سے بہتر ہے۔"

یہ سن کر لوگ کھلے ہو کر بیٹھ گئے۔

ایک بزم میں نشست و برخاست کا انتظام اچھا نہ تھا۔ جو شخص کسی کام سے اٹھ کر جاتا، دوسرا اس کی جگہ بیٹھ جاتا۔ جب وہ واپس آتا، تو کہیں بیٹھ نہ سکتا۔ آپ نے تھوڑی دیر تو بدنظمی دیکھی۔ پھر فرمایا:

"آپ کو حضور رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم یاد رکھنا چاہیئے إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ کہ جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر وہاں آئے تو اسے اپنی جگہ بیٹھنے کا حق

حاصل ہے۔"

اسی قسم کی بدانتظامی ایک اور مجلس میں دیکھی اور لوگ ایک دوسرے کی جگہ پر قابض ہونے پلنے لگے۔ تو مولانا نے کہا: "نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر قبضہ جمائے"۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق سیکھنا چاہئیں اور ہر بات میں حضورؐ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مغفور ذرا ذرا سی بات ادنیٰ ادنیٰ کام میں بھی اطاعتِ رسولؐ کو لازمی سمجھتے تھے۔

بریلوی عالم سے محبت

دفتر "اہلحدیث" امرتسر میں ایک دفعہ مختلف الخیال علماء کی محفل گرم تھی اور مولانا مرحوم اس میں شمع کی مانند جگمگا رہے تھے۔ کہ ایک بریلوی صاحب جو مولانا سے اختلاف عقائد کی بنا پر اکثر ناراض رہا کرتے تھے، آئے۔ اور دیدہ دانستہ مولانا سے دور ہٹ کر بیٹھے۔ حضرت نے انہیں دیکھا، تو حسب عادت مسکرائے۔ سلام کیا۔ اور ایک ہلکی سی آہ بھر کر بطور طنز کہا: "أَكْرَمُ النَّاسِ عَلَيَّ جَلِيسِي!" یہ بھی رسول اکرمؐ کی حدیث ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "سب سے بزرگ و مکرم وہ ہے جو میرے قریب آکر بیٹھے۔"

"بریلوی صاحب نے یہ برمحل فقرہ سُنا، تو وہ مسکرا دیئے اور ہولے ہولے کھسکتے مولانا کے پاس جا بیٹھے۔

دوستوں کو نصیحت

ایک روز آپ چند احباب کے ساتھ سیر کو نکلے۔ جب واپس آئے۔ تو دو چار دوستوں نے تھکاوٹ ظاہر کی اور بازار میں بیٹھنے لگے۔ مولینا نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازاروں اور گلیوں میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔"

کسی نے پوچھا "کیوں؟" اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے حضور اقدس کی یہ حدیث پڑھ کر سنائی: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمَجَالِسِ بِالصَّعَدَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَشُقُّ عَلَيْنَا الْجُلُوسُ فِي بُيُوتِنَا قَالَ فَإِنْ جَلَسْتُمْ فَأَعْطُوا الْمَجَالِسَ حَقَّهَا قَالُوا فَمَا حَقُّهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِدْلَالُ السَّائِلِ وَرَدُّ السَّلَامِ وَغَضُّ الْأَبْصَارِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازاروں، گلی کوچوں اور راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! گھروں میں بیٹھے رہنا تو بہت مشکل بات ہے۔"

فرمایا: "اگر تم بازاروں اور رستوں میں بیٹھو تو ان کا حق ادا کرو۔"

لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ! ان کا کیا حق ہے؟"

ارشاد ہوا "بھٹکے ہوؤں کو راہ بتانا، نگاہیں نیچی رکھنا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔"

پھر مولانا نے احباب سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اگر آپ حضرات ان شرائط

کو پورا کرنے کے لیے وقت رکھتے ہیں، تو بیشک بازار میں بیٹھ جائیے۔ ورنہ دفتر میں چلیے کیونکہ وقت تنگ ہو رہا تھا۔ اس لیے سب نے دفتر چلنے پر رضامندی ظاہر کی۔

آپ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، کہ ایک بابو صاحب آئے اور جوتے سمیت غالیچہ پر بیٹھ گئے۔ آپ نے باتوں ہی باتوں میں آداب مجلس کا ذکر چھیڑ دیا اور فرمایا:

مِنَ السُّنَّةِ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ اَنْ يَّخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعُهَا اِلٰى جَنْبِهٖ

"جب کوئی مجلس میں بیٹھے تو جوتا اتار کے ایک طرف رکھ دے" کیونکہ یہ مسنون بات ہے۔

جھگڑے سے نفرت

آپ ایک بار ایک جلسہ پر گئے۔ اختتام جلسہ کے بعد اقامت گاہ میں فروکش تھے۔ کہ دو عالم آپس میں جھگڑ پڑے۔ بات تو تو میں میں سے آگے بڑھ کر گالی گلوچ تک پہنچ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کو گھونسے دکھانے لگے قریب تھا کہ دھینگا مشتی پر نوبت پہنچ جاتی کہ مولانا فوراً چارپائی سے اٹھے اور دونوں کے درمیان جا بیٹھے فرمایا "بھئی لڑیئے نہیں جو کچھ کہنا ہو مجھے کہہ لیجیے۔ جب دو مسلمان آپس میں جھگڑتے ہیں تو مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے اور ڈر لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اہل اسلام بھی آپس میں لڑ کر پہلی امتوں کی طرح تباہ ہو جائیں۔"

آپ نے ان دونوں میں صلح صفائی کرا دی اور اس وقت تک وہاں سے نہ اٹھے جب تک انہوں نے آئندہ صلح و محبت سے رہنے کا وعدہ نہ کر لیا۔ جب آپ اپنی جگہ پر واپس آئے تو ایک شخص نے کہا "مولانا آپ نے خواہ

مخواہ اتنی محنت کی کہ دونوں میں صلح کرادی۔ اور یہیں تماشا بھی نہ دیکھنے دیا۔"

آپ نے اس شخص کی حالت پر سخت افسوس کیا۔ اور فرمایا: "آپ اگر لکھے پڑھے نہ ہوتے۔ تو میں نادان کہہ کر پکارتا۔ کیسے عجیب آدمی ہیں آپ؟ کہ دو مسلمانوں کی لڑائی کو "تماشا" کہتے اور اسے دلچسپی سے دیکھتے ہیں؟ حالانکہ ان کا ذرا سا جھگڑا بھی امت کے ضعف و انتشار، نفاق و افتراق کا باعث ہوتا ہے۔ جب مسلمان آپس میں جھگڑ پڑیں۔ تو خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ فَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ نیز فرمایا وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا۔ پس جو شخص مسلمانوں کی لڑائی پر خوش ہوتا ہے اور اسے روکتا نہیں ان میں صلح نہیں کراتا وہ اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گذار نہیں وہ کامل مسلمان نہیں اور کتاب و سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

بھائی کا ادب

ایک بار آپ ایک محفل میں رونق افروز تھے کہ ایک صاحب کا حقیقی بڑا بھائی ان سے ملنے آیا۔ مگر انہوں نے نہ تو اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا، نہ تپاک سے ملے، جب وہ چلا گیا۔ تو مولانا نے دریافت کیا "یہ کون صاحب تھے، جو آپ کو ملنے آئے تھے؟"

جواب ملا: "میرے حقیقی برادر بزرگ تھے۔"

آپ نے فرمایا: "واہ! اچھی موانست ہے آپ میں، کہ آپ ان کے احترام میں نہ تو اٹھے اور نہ محبت کا اظہار کیا۔ سنیئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

ہے حَقُّ کَبِیْرِ الْاِخْوَۃِ عَلٰی صَغِیْرِھِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ "بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر ایسا ہے، جیسے باپ کا بیٹے پر"۔ اور یوں بھی حضور نے ہر مسلمان کے لیے فرمایا ہے: مَنْ اَکْرَمَ اَخَاہُ الْمُؤْمِنَ فَکَاَنَّمَا اَکْرَمَ اللّٰہَ۔ جس نے اپنے مسلم بھائی کی عزت کی اس نے گویا اللہ کی عزت کی"۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اپنے سگے یا دینی بھائیوں کی عزت نہیں کرتے وہ خدا کا احترام بھی نہیں کرتے"۔

رزق حلال کی اہمیّت

ایک بار کوئی شخص اپنی پیٹھ پر ایندھن کا بوجھ لادے دفتر میں آیا۔ حضرت مولانا دیکھتے ہی مسکرائے۔ اور فوراً یہ حدیث پڑھی: "لان یحتطب احدکم حزمۃ علی ظھرہٖ خیر لہ من ان یسئل احد فیعطیہ او یمنعہ یعنی لکڑیوں کا گٹھا اپنی قبر پر لانا سوال کرنے سے بہتر ہے کہ کوئی دے یا نہ دے"!

یہ سن کر وہ بھی اور سامعین بھی بے اختیار ہنس پڑے۔ مگر حضرت نے متانت سے کہا "کہ کسب حلال واقعی دریوزہ گری سے بدرجہا افضل ہے اور بھک منگے ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک اجلاس میں چند مولوی صاحبان نے پانی پلانے کی خدمت اپنے ذمے لی۔ اور وہ مشکیزے اٹھائے ہوئے اہل مجلس کو پانی پلانے لگے جب حضرت مولانا کے قریب آئے۔ تو آپ نے متبسم ہو کے کہا۔ لان یاخذ احدکم حبلہ خیرا لہ من ان یسئال مطلب یہ کہ آپ باریک و لطیف نکتوں میں قوم کو اخلاق و آداب کا درس دے جاتے تھے۔ اور صرف یہ اس لیے کہ آپ خود اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔

آپ کی ایک عادت

آپ نے کبھی کسی سے قرض لینا ہوتا، تو مقروض کو تنگ نہ کرتے۔ زیادہ مدت گزر جاتی تو اشارہ میں سمجھا دیتے۔ کسی کو خط میں لکھتے:
"بھائی! اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا، قرآن مجید کے کس پارے میں ہے؟ کبھی بطور سرنامہ تحریر فرماتے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ یا اَوْفُوْا بِعَهْدِكُمْ پڑھنے والے سمجھ جاتے۔ اور قرض ادا کر دیتے۔

ناصحانہ انداز

ایک مشہور بخیل اور بدخلق مسلمان جو اچھا خاصہ پڑھا لکھا تھا۔ اپنے بھائیوں کو بہت تنگ کرتا تھا۔ اور وہ اس کی بے عزتی سے سخت نالاں تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک ایسی مجلس میں آیا جس میں حضرت مولانا بھی جلوہ افروز تھے۔ آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور بخل و بدخلقی پر ایک مختصر و جامع تقریر فرمائی۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ"

مسلمان میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک بخیلی دوسری بدخلقی"
اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ شخص یہ دونوں قبیح عادتیں ترک کر گیا۔

تدیّن و تخیّر

آپ بیحد امین و متدیّن تھے۔ لوگ آپ کے پاس قیمتی امانتیں نقدی

زیورات وغیرہ رکھ دیتے۔ اور جب چاہتے واپس لے جاتے۔ آپ اپنے مواعظ و تقاریر میں بھی مسلمانوں کو دیانتدار رہنے اور کسی کی امانت واپس کر دینے کی تلقین فرماتے رہتے تھے، بد دیانت کو منہ نہ لگاتے۔ اس کا بائیکاٹ کرتے اور کہتے کہ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا کے تحت خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کرنی چاہیئے۔

ایک بار کوئی شخص آپ کے پاس ایک ہزار روپے امانت رکھ گیا، جب لینے آیا۔ تو اس روز مولینا موجود نہ تھے۔ آپ کے معتمد نے کہا، پھر کسی دن آنا "مولانا کی اجازت کے بغیر روپیہ نہیں مل سکتا"

جب وہ شخص دوبارہ آیا اور اس نے بتایا کہ "میں پہلے بھی آیا تھا، آپ تشریف نہ رکھتے تھے۔ اور آپ کے معتمد نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا تھا" تو آپ نے معتمد سے کہا: "جب میرا حساب تم رکھتے ہو۔ اور تمہیں یہ علم تھا کہ یہ شخص روپیہ امانت رکھ گیا ہے تو پھر تم نے کیوں واپس نہ کیا، یاد رکھو إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا "اللہ تعالیٰ خائن اور گنہگار کو پسند نہیں رکھتا"

ادائیگی امانت کی تلقین

ایک بار آپ نے دو مسلمانوں کو جھگڑتے دیکھا دریافت پر معلوم ہوا کہ ایک نے دوسرے کے پاس امانت رکھی تھی۔ اور وہ واپس کرنے پر رضامند نہیں بلکہ انکار کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"بھائی تم مسلمان ہو اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ جو شخص تیرے

پاس امانت رکھے اس کو ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے، تو اس سے خیانت نہ کر۔"

چار نیک خصلتیں

کسی نے آپ سے پوچھا "مسلمان کے لیے کتنی نیک خصلتیں لازم ہیں؟"

فرمایا "چار"

اس نے پوچھا: "کون کونسی"

آپ نے جواب میں یہ حدیث پڑھ کر سنائی،

"اَرْبَعُ خِصَالٍ اِذَا اُعْطِیْتَهُنَّ فَلَا یَضُرُّكَ مَا عُزِلَ عَنْكَ مِنَ الدُّنْیَا حُسْنُ خَلِیْقَةٍ وَعِفَافُ طُعْمَةٍ وَصِدْقُ حَدِیْثٍ وَحِفْظُ اَمَانَةٍ

یعنی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر چار خصلتیں تجھ میں جمع ہو جائیں تو دنیا کی کسی چیز کے کم ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔

۱۔ حسن خلق ۲۔ اکل حلال ۳۔ درستگی قول ۴۔ اور حفظ امانت

ایک تقریر میں مولانا نے فرمایا۔ امانت اس کا نام نہیں کہ تمہارے پاس کوئی چیز رکھی جائے۔ تو اس کو واپس کرو۔ کسی سے عہد کرنا اور کسی فرد یا جماعت کی باتوں کو دل میں محفوظ رکھنا اور کسی خاص راز کو دوسروں پر نہ کھولنا بھی امانت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اذا حدث الرجل الحدیث فھو امانة"

نیز نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے المجالس بالامانة پس ہر مسلمان کو قولی اور مالی دونوں کی امانت داری کرنا چاہیے۔

چونکہ خود بھی مخیر تھے اور انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہتے تھے۔ اس لیے دوسروں کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے بیواؤں، یتیموں، مسکینوں ناداروں، غریبوں، طالبعلموں کی ہمیشہ امداد کی۔ جماعت ہائے اسلامیہ اور مسلم اداروں کی بھی مدد کرتے رہتے جب کسی کام کے لیے جائز چندے کی ضرورت ہوتی تو مولانا کا دستِ سخا اس کے لیے سب سے پہلے کھلتا۔ کوئی مسلمان استطاعت کے باوجود امور خیر میں مالی امداد نہ کرتا تو آپ اسے وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ کی تفسیر سنا دیتے۔ اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ۔ پس ہر فرزند اسلام کو اپنی طاقت کے مطابق اللہ کی راہ میں ضرور کچھ دینا چاہیئے۔

جذبہ انفاق

ایک دفعہ کسی مسجد کے لیے چندہ ہو رہا تھا۔ آپ نے ایک خطیر رقم عطا فرمائی۔ اور مسلمانوں سے اس کے لیے اپیل کی۔ کسی نے پوچھا: "راہ خدا میں دینے سے کتنا ثواب ملتا ہے"

آپ نے حدیث پڑھی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اس کے لیے سات سو گنا ثواب لکھا جاتا ہے"

آپ نے کبھی کسی معاملے میں بخل و امساک سے کام نہیں لیا۔ جود و سخا، بخشش و کرم کے وقت آپ ہمیشہ مسابقت کرتے۔ اور مناسب صدقہ و

خیرات دینے۔

ایک بخیل کو نصیحت

ایک دفعہ امرتسر کے ایک مشہور متموّل مسلمان نے کسی کارِ خیر میں چندہ دینے سے انکار کیا۔ تو ایک روز جب وہ مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، مولانا نے بخل و خیرات کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا وَمَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا یعنی ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے "الٰہی سخی کے مال کا نعم البدل عطا کر"۔ دوسرا کہتا ہے: "اے اللہ بخیل کا مال تلف کر"۔

وہ امرتسری تونگر آپ کے بیان سے بہت شرمندہ ہوا۔ اور خطیر رقم بطور چندہ عطا کر دی۔

دلجوئی و دلنوازی

حضرت مولانا اپنے احباب، اپنے اعزہ اور اپنے متعلقین کی دلجوئی فرماتے رہتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کی دلآزاری نہیں کی۔ مخالف سے مخالف بھی آپ کے ان اوصاف کا مدّاح تھا۔ ہجو و ہتک سے کلّی پرہیز تھا۔ تالیفِ قلوب آپ کا خاص شیوہ تھا۔ جو شخص حق پہ ہوتا اس کی دلداری و طرفداری کرتے

اور غیر مسلموں کی دلنوازی کرتے تاکہ اسلام کی عظمت اور رواداری ظاہر ہو۔ خود فرمایا کرتے تھے: "ہم غیر مسلم اصحاب کے ساتھ محض اس لیے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اسلام کی بزرگی اور وسعت کے قائل ہو جائیں۔"

جلسوں میں مبتدی حضرات تقریریں کرتے تو آپ ان کی پیٹھ ٹھونک کر حوصلہ بڑھاتے۔ انہیں تحسین و مرحبا کہتے۔ اور اس طرح ان کی جھجک دُور کر کے انہیں ترقی کرنے کا موقع دیتے۔ کوئی نیا مقرر شرم سے رکنے لگتا، تو آپ یہ کہہ کر اس کا دل بڑھاتے؟ صاحب! جھجکیے نہیں۔ آپ اچھا بول رہے ہیں۔ آپ کے الفاظ پُر اثر ہیں۔ کھل کر بولیے۔ شرم کرنا عورتوں کا کام ہے اور آپ تو خدا کے فضل سے مرد ہیں۔ اور اپنے دامن میں علم رکھتے ہیں۔"

دفتر "اہلحدیث" میں مبتدیوں کے بکثرت مضامین آتے۔ اگر وہ اخبار کی پالیسی کے مطابق ہوتے تو آپ انہیں درست کر کے چھاپ دیتے ورنہ "مضامین غیر مقبولہ" میں اشارۃً لکھ دیتے کہ فلاں فلاں مضمون قابلِ اشاعت نہیں۔

ایک جلسے میں کسی مبتدی نے ضرورتِ حدیث پر تقریر کی۔ جو زیادہ مؤثر و جاذب نہ تھی۔ مولانا نے بڑی داد دی اور خوب تعریف کی۔ کسی نے کہا: "مولانا تقریر تو پھیکی ہے۔ مدلل و پُر اثر نہیں آپ یونہی تعریف کیے جاتے ہیں۔"

آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا ؎

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

غیر مسلموں سے تعلقات

یہ کتنی تعجب خیز و حیرت زا بات ہے۔ کہ جن مذاہب کے خلاف حضرت مولانا ساری عمر بولتے اور لکھتے رہے۔ مناظرے اور بحثیں کرتے رہے۔ انھی مذاہب کے لوگ آپ کی خدمت میں بصد شوق حاضر ہوتے اور والہانہ آپ پر گرتے تھے۔ غیر مسلم عوام تو درکنار، وہ "خواص" جن کے ساتھ آپ کی ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی۔ جلسوں میں جن کے ساتھ مناظرے اور مقابلے ہوتے تھے۔ اور جن سے مباحث و مناظرات کا بازار گرم رہتا تھا، وہ بھی آپ سے ملنے کے لیے بیتاب رہتے اور اکثر آپ کے نیاز حاصل کرنے کو آتے رہتے تھے۔ چنانچہ مولینا کے دفتر اور دولتکدہ پر عجیب نظارہ دیکھنے میں آتا۔ کہ فرش محمدی پر اگر ایک طرف مقلِد و غیر مقلّد، بریلوی و دیوبندی، موحّد و غالی اہلحدیث و اہل الرائے، شیعہ و تفضیلی، مجدّدی، نقشبندی، نظامی، چشتی حضرات رونق افروز ہیں، تو دوسری طرف سماجی و سناتنی، سکھ اور جینی، بابی و بہائی، مرزائی عیسائی اصحاب بھی گھٹنے ٹیکے بیٹھے ہیں۔ اور مولانا ابوالوفا سب پر آفتاب کی طرح اپنے نور و عرفان کی کرنیں بکھیر رہے ہیں۔

جب کوئی غیر مسلم آپ سے ملنے آتا تو آپ اٹھ کر اس کا استقبال کرتے اور حسب ارشاد رسالت إِذَا جَاءَكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ آپ اس کا مناسب احترام فرماتے۔ اس کو سلام کہتے اور بہترین جگہ پر بٹھاتے۔ چونکہ قدرت نے آپ کے کلام میں نرمی، حلاوت، تاثیر اور کشش بھری ہوئی تھی

اس لیے غیر مسلم بھی آپ کی شیریں و حکیمانہ گفتگو نہایت توجہ و دلچسپی سے سنتے اور محظوظ ہوتے۔ یہ آپ کے خلق و محبت ہی کا اثر تھا کہ آپ جہاں سے گذرتے غیر مسلم اٹھ اٹھ کر آپ کو سلام کہتے اور آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔ آپ کے حسنِ سلوک اور اخلاق و کردار نے غیر مذاہب پر واضح کر دیا تھا کہ دیگر ادیان کی طرح "اسلام" تنگ نظر، تنگ دل و حاسد اور متعصب نہیں بلکہ وہ بلا امتیازِ مذہب اور بلا تفریق ملت بنی نوع انسان کے ساتھ احسان و مروت، خلق و محبت سے پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور تمام ابنائے آدمؑ کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔

خلاصہ بیان یہ کہ حضرت مولانا مغفور بہترین عادات اور افضل و احسن خصائل کے سرمایہ دار تھے۔ آپ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ از بسکہ کتاب و سنت، قرآن و حدیث، خدا و رسولِ خدا کی اطاعت آپ کی روحانی غذا تھی۔ اور اسی کے احیا و بقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبلغ و مناظر، مقرر و مصنف کی حیثیت میں مامور فرمایا تھا۔ اس لیے آپ کا قول و فعل، نصوص و آثار کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ ہر بات، ہر گفتگو، ہر تحریر و تقریر میں فرمودۂ خدا اور گفتہ رسولؐ کی تفسیر بیان کرتے اور باتوں ہی باتوں میں اشاروں ہی اشاروں میں قرآن و حدیث کا درس دے جاتے تھے۔

مذہبی زندگی

دینی و ملّی خدمات

یوں تو حضرت مولانا ابتدا ہی سے مذہب کے پابند تھے۔ اور مشہور ہے کہ بچپن ہی سے آپ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے تھے۔ لیکن جب آپ نے تعلیم و تدریس شروع کی، تو مذہبی امور کو پہلے سے بھی زیادہ انہماک سے انجام دینے لگے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مولینا کے تحصیل علوم کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔ اور کتاب و سنت کو زندہ باقی رکھا جائے۔ اسی احیا و بقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چُنا۔ خدمتِ دین و ملت کے لیے مامور فرمایا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ڈیوٹی آپ کے سپرد کی۔ شرک و کفر کی تردید آپ کو سونپی اور بدعات و محدثات کا استیصال آپ پر فرض کیا۔ اور اس طرح علوم دینیہ سے فارغ التحصیل ہوتے ہی آپ نے اپنی حیات کو مستقل طور پر مذہب و ملت کے لیے وقف کر دیا۔

حالاتِ گردوپیش

حضرت مولانا نے ہوش سنبھال کر جب تعلیم سے فراغت پائی تو جن اسباب کی بنا پر حق سبحانہ' نے آپ کو عہدۂ تبلیغ و مناظرہ پر فائز کیا، وہ گردوپیش کے نازک ترین حالات تھے۔ جو دینِ حنیف اور ملّتِ بیضاء کے لیے مضر و مہلک ثابت ہو رہے تھے۔ کفار و مشرکین کی بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی جہالت و ضلالت پھیلا رہی تھی۔ غارتگرانِ دین و ایمان مسلمانوں کے عقائد اور بنیادی مسائل و احکام کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ متحدہ ہند میں چونکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اس لیے اس غالب قوم نے مسلمانوں کی قدیم روایات کو فنا کرنا شروع کر دیا۔ اسلامی تہذیب و ثقافت، تمدن و معاشرت پر ڈاکہ ڈالا جس کا یہ اثر ہوا کہ اسلامیانِ ہند رفتہ رفتہ ہندوؤں کے رسم و رواج پر مائل ہو گئے۔ ہر بات میں ان کی نقل اتارنے لگے۔ ہر معاملے میں ان کی پیروی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ "توحید" جو اسلام کی جڑ اور روح ہے، مسلمانوں میں اس کا صرف نام باقی رہ گیا۔ عملی طور پر اس کی جگہ شرک و بدعت نے قبضہ کر لیا۔ بُت پرستی کی تقلید میں انہوں نے قبر پرستی اختیار کر لی۔ اور دیوی دیوتاؤں کی بجائے بہ نام کے موحِد مُردوں کی پرستش کرنے اور ان سے مرادیں مانگنے لگے۔ مطلب یہ کہ ہندو دھرم کا مسلمان پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ اپنا دین و ایمان کھو بیٹھے۔

اسلام کے اس بدترین دشمن فرقے نے اہلِ اسلام کو ہندوستان سے مٹا دینا چاہا۔ چنانچہ سناتن دھرم[1]، وشنو مت[2]، شیو مت[3]، برہمو سماج[4]،

(حاشیہ آئندہ صفحہ)

جین مت[۵]، سکھ دھرم، نائر جاتی[۶] اور برہمنوں[۷] کی کئی شاخوں نے یہ تہیہ کر لیا

---

[۱] ہندوؤں کا یہ مشہور بت پرست فرقہ اپنی قدامت کا مدعی ہے بڑا وہمی واقع ہوا ہے۔ برہمنوں، سادھوؤں وغیرہ کی ضرورت سے زیادہ عزت کرتا ہے۔ اور بڑا ہٹ دھرم، ضدی اور متعصب ہے۔

[۲،۳] یہ بھی ہندوؤں کے فرقے ہیں وشنومت وشنو کے لنگ کی اور شیومت شیوجی کے لنگ کی پوجا کرتا اور اسی عبادت میں اپنی نجات ڈھونڈتا ہے۔ دونوں کے عقائد ملتے جلتے ہیں۔

[۴] راجہ رام موہن رائے برہمو سماج کے بانی ہیں جو ۱۷۷۲ء کو ضلع ہگلی کے ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے بزرگ شاہان اسلام کے معزز عہدوں پر فائز تھے۔ راجہ صاحب عربی، فارسی، عبرانی، سنسکرت اور انگریزی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ۱۸۳۲ء کو کلکتہ میں سماج مندر بنایا اور برہمو سماج کی بنیاد رکھی بہت سے عقائد اسلام سے اخذ کر کے شامل فرقہ کیے۔ ان کے مندر میں ہر مذہب کی عبادت کرنے کی اجازت تھی۔ ان کے بعد مسٹر کیشب چندر سین نے اس فرقے کی اشاعت کی اور مسلمانوں کو فریب دے کر اپنے ساتھ ملانا چاہا۔

[۵] جین نامی ایک ہندو نے اپنے نام پر اس کی بنیاد رکھی۔ جینی لوگ ہر قسم کے جانوروں کو مارنا پاپ سمجھتے ہیں مگر انسان کا خون بے دریغ کرتے ہیں، گوشت، انڈا، پیاز نہیں کھاتے۔ پنجاب میں انہیں بھابڑے کہتے ہیں۔

[۶] یہ اکیلا فرقہ ہی نوے شاخوں تک مشتمل ہے۔ اور مختلف عقائد رکھتا ہے۔ اس میں بڑی بڑی عجیب رسمیں ہیں مسلمانوں کو تنگ کرنے میں نائریوں نے بھی کافی حصہ لیا تھا۔

[۷] برہمن جاتی میں نمبودری اور پڑ برہمنوں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھائی اور ان پر سکھ کا سانس لینا حرام کر دیا۔

تھا کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو یا تو "شدھ" کر لیا جائے، یا ملک سے نکال دیا جائے۔ اور یا انہیں ہلاک کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ بعض دوسرے مذاہب مثلاً بابی، بہائی، وغیرہ بھی ان کے درپئے آزار تھے۔ اور ان کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتے تھے۔ چونکہ انگریز نے اس وقت ہندوستان پر حاکمانہ تسلط جما لیا تھا۔ اس لیے عیسائیت بھی اسلام کو للکار رہی تھی۔ اور مسیحی مشنری مسلمانوں کو ستانے اور پھانسنے کی ناپاک و ناکام کوششوں میں مصروف عمل تھے۔

انگریز کے دو خود کاشتہ پودے

جن دنوں بلاد عربیہ میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب[۵] کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے۔ اور ان کی تحریک وہابیت[۶] کامیابی کے نصف النہار پر تھی ان ایام میں ہندوستان کے اندر بھی اس کے اثرات ظاہر

۵۔ آپ کے خلاف بہت پروپیگنڈہ کیا گیا مگر وہ صحیح نہیں ہے آپ تو توحید و سنت کے علمبردار اور اسلام کے سچے داعی تھے۔ آپ نے کسی فرقے کی بنیاد نہیں رکھی۔ آپ فقہ حنبلی کے پیرو تھے۔ البتہ آپ نے شرک و بدعت کے خلاف ایک تحریک چلائی تھی۔ جس نے بت کدہ عرب و عجم میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ آپ کے عقائد و افکار معلوم کرنے کے لیے آپ کی گرانقدر کتب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(فاروقی)

۶۔ "تحریک وہابیت" کا مطالعہ کرنا ہو اور اس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا ہو تو یہ رسالہ ادارہ مسلم پبلیکیشنز ۱۵ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور سے حاصل کیجیے۔

ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے قرآن و حدیث کی درس وتدریس شروع کر رکھی تھی۔ ان کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسمٰعیلؒ نے اس تحریک کو جاری رکھا[1]۔ ازبسکہ سکھ قوم کو مسلمانوں سے خدا واسطے کی دشمنی تھی، لہٰذا اسی عداوت و مخاصمت کی بنا پر اس نے شاہ اسمٰعیل کو شہید کر دیا۔ ادھر شمالی ہند میں حضرت مولانا سید احمد بریلویؒ کی مساعئ جمیلہ سے قرآن اور حدیث کی اشاعت و تبلیغ میں دوبارہ زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ مگر سکھ گورنمنٹ نے ان کی وفات کے بعد یہ اثرات بھی فنا کر دیئے۔ اور یوں ۱۸۳۰ء میں بظاہر ہندوستان اور پنجاب سے توحید وسنت کی نشر و اشاعت ختم ہو گئی۔

اس کے تھوڑے عرصے بعد پنجاب اور ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں انقلاب ہوا۔ جس میں اکثر علمائے اسلام خصوصاً علمائے اہلحدیث نے نمایاں حصہ لیا۔ انگریز اور اس کی حکومت کے خلاف انہوں نے فتوے جاری کیئے۔ عامۃ المسلمین کو "جہاد فی سبیل اللہ" پر ابھارا۔ ہزارہا فرنگی قتل کیے اور کرائے۔ مگر آخر کار برطانوی گورنمنٹ کے آگے علمائے کرام کی کچھ پیش نہ گئی۔ اہل فرنگ ملکی غدّاروں کے طفیل پورے طور پر قابض ہو گئے۔ اور اپنی مضبوط حکومت بنانے میں انہیں حیرت انگیز اور غیر معمولی کامیابی ہوئی۔

جب وہ ملک پر کامل طور سے مسلّط ہو گئے۔ تو انہوں نے ہزاروں

---

[1] اس تحریک کی پوری تفصیل دیکھنی ہو تو "رسالہ انگریز اور وہابی" منگوائیے۔ مساحر پبلیکیشنز ۴۔ قذافی مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

علما کو پھانسیاں دیں۔ ملک بدر کیا۔ کالے[1] پانی بھیجا۔ جیلوں میں ٹھونسا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کیں۔ اور جب اس طرح بھی ان کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی۔ تو فرنگی شاطروں نے ایک اور شرارت وشیطنت کھڑی کر دی۔ یعنی دو زہریلے پودے ملک میں کاشت کر دیئے۔ اور یہ دونوں محض اسلام کو مٹانے اور تباہ کرنے کی وجہ سے بوئے گئے۔ انگریز چونکہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس لیے اس نے سوچا کہ جب تک وہ مسلمانوں کو اور ان کے دین وایمان کو برباد نہ کرے گا وہ نہ تو چین سے بیٹھ سکے گا۔ نہ اطمینان سے حکومت کر سکے گا۔

پہلا پودا آریہ سماج

انگریز کا پہلا خود کاشتہ وہ پودا ہے، جو اس نے سوامی دیانند کے ہاتھ سے لگوایا۔ اس نے سب سے اول سوامی جی کی "خدمات" حاصل کیں ان کو پھانسا اپنے ساتھ ملایا اور ان کے کان میں یہ جادو پھونکا کہ:

"سوامی جی! آپ سے مخفی نہیں کہ اسلام آپ کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ مسلمان اس آرزو کے ساتھ ہر وقت تڑپتے رہتے ہیں کہ کوئی ایسی تدبیر ہاتھ آئے جس سے ساری ہندو جاتی مسلمان ہو جائے اور ہندوستان میں ایک غیر مسلم باقی

---

[1] یہ پوری روئیداد پڑھنی ہو تو "کالا پانی" نامی کتاب پڑھیے جس میں آپ کے بزرگوں کی وہ داستان درج ہے جو تحریک حریت سے تعلق رکھتی ہے۔

مینجر مسلم پبلیکیشنز، قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور سے طلب کریں

نہ رہے۔ پس آپ کوئی ایسا فرقہ ایجاد کیجیے، جو ویدک دھرم سے مختلف ہو۔ ویدوں، شاستروں، پرانوں اور قدیم دھارمک پستکوں سے اس کے اصول و آئین انوکھے، نرالے، آسان اور حالات حاضرہ کے مطابق ہوں۔ اگر آپ اس ایجاد میں کامیاب ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان تو آپ کے دھرم میں داخل ہو سکیں گے۔ لیکن کوئی ہندو اسلام قبول نہ کر سکے گا اور اس طریق سے لاٹھی بھی بچ جائے گی، زہریلا سانپ بھی مر جائے گا۔ پس آپ پہلی فرصت میں اس پر توجہ فرمایئے۔"

فرنگی اور سوامی کی اس ملی بھگت کا نتیجہ آریہ سماج کی شکل میں ظاہر ہوا۔ پنڈت دیانند نے اس فرقہ کی بنیاد رکھ کر اپنے ہم قوموں یعنی ہندوؤں سے معمولی چھیڑ چھاڑ کی۔ اور دیگر مذاہب کے خلاف بھی بہت کم کہا۔ اور جو کچھ کیا، اسلام ہی کے خلاف کیا۔ اس نے اپنی مشہور دلخراش کتاب "ستیارتھ پرکاش"[1] میں مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا۔ اور قرآن حکیم پہ ایک سو انسٹھ اعتراض کیے۔ ملک بھر میں سماج کی شاخیں پھیلا دیں۔ آریہ دھرم کے پرچار پہ ہزاروں "اپدیشک" مقرر کیے جو اچھوتوں میں تو برائے نام تبلیغ کرتے تھے ان کا مقصد اور نصب العین مسلمانوں کو مرتد کرنا تھا۔ وہ اہل اسلام ہی کو پھانسنے اور ورغلانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگرچہ

---

[1] جب ۱۸۹۹ء میں ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بلا تاخیر "حق پرکاش" کے نام سے اس کا ایسا جواب لکھا کہ جس کا جواب ہی نہیں تھا۔ مسلمان خوش ہو گئے، اور معترض خاموش ہو گئے۔ (فاروقی)

ان کی مکروہ مساعی زیادہ بار آور نہ ہو سکیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی "کامیابی" پر فخر کرتے تھے۔ شاید اس لیے کہ ان کی پشت پر انگریز کا ہاتھ ہے۔ اور وہ سرکار برطانیہ کی حفاظت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالص آریہ سماجی پرچارکوں نے ملکی تحریکات و سیاسیات میں جو انگریزی حکومت کے خلاف جاری تھیں بالکل حصہ نہ لیا۔ اگر لیا بھی تو محض برائے نام ـــ دوسروں کو دکھانے اور اپنا اصلی بھید چھپانے کے لیے۔ اس فرقہ کی تردید یا دریا نندی اعتراضات کے جواب میں حضرت مولانا ثناء اللہ علیہ الرحمۃ نے کیا خدمات سر انجام دیں اس کا ذکر آپ کی تصانیف کے باب میں تفصیل سے آئے گا۔

دوسرا پودا مرزائیت

فرنگی کا دوسرا خود کاشتہ پودا مرزائیت، قادیانیت یا غلام احمدیت کے نام سے موسوم ہے۔ اس نے اسلام اور اس کے بنیادی اصول و احکام کو مٹانے کے لیے مسلمانوں ہی سے ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو چُنا اور اس کو یہ پٹی پڑھائی کہ ایک ایسے مذہب کی اساس رکھو جس کا مقصد انگریز اور اس کی حکومت کی اطاعت ہو۔ اور جو مسلمانوں کی مذہبی و قومی روایات کا خاتمہ کر دے تاکہ انڈیا کی برٹش گورنمنٹ اہل اسلام کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ اور وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اور ہر معاملہ میں اس کے آگے سر جھکائے رکھیں۔

چنانچہ مرزائے قادیان نے انگریز کی گٹھ جوڑ سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ دی۔ پہلے تو اس نے مسلمانوں کو جھُل دینے کے لیے "تبلیغ اسلام" کا ڈھونگ رچایا۔ اور "براہین احمدیہ" (حصہ اوّل) شائع کر کے مسلمانوں کی ہمدردی

حاصل کی۔ ان سے اپنی "علمیت" اور "خدمت دین" کی داد چاہی۔ پھر مجددیت و مہدیت کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد نبوۃ کاذبہ کی کرسی سنبھالی۔ اور بعدازاں خود کو اس مقام پہ پہنچا ہوا ظاہر کیا۔ جس کے تصور سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی لرزتے اور کپکپاتے رہے۔

قادیانی تعلیم کا خلاصہ

قادیانی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی —— خَاتَمُ النَّبِيّٖن کے معنی (نعوذ باللہ) غلط ہیں اور سلسلہ رسالت قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی رسول، نبی اور ملہم ہے۔ جس پر انبیاءؑ کی طرح وحی نازل ہوتی ہے۔ خدا کے تمام پیغمبروں کی صفات اس میں پائی جاتی ہیں۔ وہ خود کہتا ہے ؎

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

۳۔ جس مہدیؑ، عیسیٰؑ یا مسیحؑ کے نزول کی حدیث میں رسول اللہؐ نے خبر دی ہے وہ مرزا ہی ہے۔ مگر درجات و مراتب میں مسیحؑ سے افضل و اعلیٰ ہے یعنی بقول مرزا ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو   اس سے بہتر غلام احمد ہے

۴۔ آیۂ کریمہ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے مرزائیو! خدائے قادیان،

مرزا غلام احمد اور گورنمنٹ برطانیہ کی اطاعت کرو۔ اور ان تینوں کے سوا کسی کو نہ مانو۔

۵۔ روئے زمین کے تمام اہل اسلام کافر مطلق ہیں۔ جب تک کوئی شخص مرزا غلام احمد کی غلامی کا پھندا گردن میں نہ ڈال لے وہ "ایماندار" اور "مسلمان" نہیں کہلا سکتا۔ جس کسی نے مرزا کا نام تک بھی نہیں سنا چاہے وہ دنیا کے کسی گوشے میں سکونت رکھتا ہو۔ جب تک پیغمبر قادیان کی بیعت نہ کر لے۔ مومن و مسلم نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ وہ بچہ جو شکم مادر میں بصورت جنین محبوس ہے۔ اور ولادت کا انتظار کر رہا ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور اس قانونِ الٰہی سے مبرا و معرا ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ

"انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے"۔

۶۔ اسلام کے تمام فرزند اور علمائے کرام بھی ولد البغایا (حرامزادے یا بیسواؤں کے بچے) کافر، دجال، مفتری، شیطان اور فسادی ہیں۔ اور "فرقہ مولویان" بدذات ہے۔ امت مرزائیہ کا فرض ہے کہ انہیں گالیاں دیتی رہے۔ اور اسلام سے خارج سمجھے۔

۷۔ کسی مسلمان کا جنازہ پڑھنا، اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا۔ اور اس کو رشتہ دینا جائز نہیں۔

۸۔ جناب نبی کریم علیہ السلام کو روحانی معراج ہوئی۔ لیکن مرزائے قادیان اسی جسم عنصری کے ساتھ عرش عظیم پر گیا۔ خدا کے پاس بیٹھا اس کے قلم سے سرخ روشنائی کے ساتھ کاغذات پر دستخط کرائے اور واپس آگیا۔ صبح دیکھا تو خدا کی سرخ سیاہی کے دھبے اس کے کپڑوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات والھفوات۔

۹۔ توحید کا مسئلہ غلط ہے۔ سورہ اخلاص عبث، ناقابلِ قبول اور بے بنیاد ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ ٥ وَلَمْ يُوْلَدْ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ٥ کی آیاتِ بینات بے سروپا ہیں۔ اس لیے کہ مرزا خدا کا شریک اور ساجھی ہے۔ خدا کا باپ اور بیٹا ہے اس نے خدا کو جنا۔ خدا نے اس کو جنا۔ وہ خدا کی نسل سے ہے۔ خدا اس کے خاندان سے ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق نہیں، مرزا بھی خلاّق و صنّاع ہے۔ اس نے آدم کو بنایا۔ ارض و سما پیدا کیے۔ کائنات اور مخلوق بنائی۔ اور اس طرح تخلیقِ عالم میں وہ خدا کا شریک و حصہ دار ہے۔ (العیاذ)

۱۱۔ فرقہ ضالہ مرزائیہ ہی وارث جنت اور صحیح راستے پر گامزن ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔ باقی تمام جماعت ہائے اسلامی باطل ہیں، سزاوار جہنم ہیں۔ اور غلط راہ پر چل رہی ہیں۔ ان کی کسی صورت نجات نہ ہو گی کیونکہ وہ مرزا اور دعاوی مرزا کی منکر ہیں۔

۱۲۔ مرزا کی کتابیں "صحف آسمانی" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا درجہ قرآن کے برابر ہے۔ خدا نے جو علم و عرفان مرزا کو دیا۔ وہ دیگر انبیاء و مرسلین کو نہیں دیا گیا۔ بعض ایسے امور بھی مرزا پر منکشف کیے گئے جو پیغمبرانِ حق پر نہیں کھولے گئے۔

۱۳۔ رسول اللہ ؐ کا جو اسم گرامی "احمد" مشہور ہے وہ نعوذ باللہ غلط ہے۔ احمد نام مرزائے قادیان کا ہے۔ اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ ؑ کے بیان میں جو اسمہٗ احمد کی پیشگوئی ہے کہ مسیح ؑ کے بعد جو نبی مبعوث

ہو گا اس کا نام احمد ہو گا اس سے آنحضرتؐ نہیں بلکہ مرزا غلام احمد ہے۔

یہ اُن مرزائی عقائد کا ایک سطحی نقشہ ہے جو اہل اسلام کے دین و ایمان کو لوٹنے کے لیے انگریز کی شہ اور ایما پر گھڑے گئے۔ اور حکومت برطانیہ کی انگشت پر اس مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ جو اسلام کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُس قدر نقصان مسلمانوں کو آریہ سماج نے نہیں پہنچایا۔ جس قدر مرزائیت نے پہنچایا۔ دیانندی فرقے کی کوششوں سے تو شاید چند صد مسلمان مرتد ہوئے ہوں گے۔ مگر مرزائی مذہب نے لاکھوں مسلمانوں کا ارتداد کیا۔ اور شدھی وسنگھٹن کی تحریکات سے فتنۂ قادیان بہت زیادہ مضر، مہلک اور مفسد ثابت ہوا۔ چونکہ توحید الٰہی میں شرک کو مدغم کرنا اسلام کی سالمیت کو توڑنا، ملت بیضا کی موحدت کو پارا پارا کرنا، امت محمدیہ میں نفاق وافتراق ڈالنا، کتاب و سنت کی جگہ تصانیف مرزا کی تعلیم دینا، آیاتِ قرآنی کے ترجمہ و تفسیر میں تاویلات گھڑنا اور ان کے معانی و مطالب توڑ مروڑ کر پیش کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی سے انکار کر کے پیغمبر قادیان کو آخری نبی ماننا، قوم میں تشتت و انتشار پھیلانا اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کر کے ان کی بجائے نئے نئے مسائل و احکام گھڑنا، دین حنیف میں رخنے نکالنا عقائد باطلہ کی ترویج دینا اور عامۃ الناس کو غلط و گمراہ کن راستوں پر چلانا، اس مذہب کا خاص دستور اور اصل اصول ہے۔ اس لیے اس نے اسلام کے جماعتی و ملی نظام کو درہم برہم کرنے میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی اور "اسلام" کے پردے میں وہ کام کر دکھایا جو کسی بدترین دشمن دین سے ہونا ناممکن تھا۔

فاتح قادیان

یہ تھے وہ پُر آشوب حالات! جن کی تعمیر و اصلاح، نگرانی و نگہداری کے لیے حق سبحانہ نے حضرت مولانا ثناء اللہ کو مامور فرمایا۔ ازبسکہ آپ زمانہ تعلیم ہی میں اسلام کے نازک ترین دور اور دشمنان دین کی فتنہ انگیزیوں سے کما حقہ واقف ہو چکے تھے اور تمام معروف مذاہب کی کتابیں محض اس غرض سے پرائیویٹ طور پر مطالعہ فرماتے رہتے تھے کہ فارغ التحصیل ہونے پر اسلام کو ان کی ہلاکت خیزیوں سے بچایا جائے لہٰذا تعلیم و تدریس سے فراغت پاتے ہی آپ نے ان مذاہب کے خلاف قلمی و لسانی جہاد شروع کر دیا۔

مرحوم نے اگرچہ اپنی مذہبی و تبلیغی زندگی میں قریباً ہر مذہب اور ہر دین کے پیرؤوں سے مناظرے کیے ہیں۔ اور ان کا منہ بند کرنے کے لیے مناظرانہ رنگ میں بیسیوں کتابیں لکھی ہیں۔ مگر "آریہ دھرم" اور "مرزائیت" پر تو آپ نے خاص توجہ مرکوز فرمائی۔ فرنگی حکومت کے اشارہ ابرو پر ایجاد کیے ہوئے ان دونوں مذہبوں پر مولانا کو اتنا عبور حاصل تھا۔ کہ شاید خود ان کے مبلغ بھی ان سے اتنے واقف نہ ہوں گے۔

مولانا نے سب سے پہلے "ستیارتھ پرکاش" کا جواب "حق پرکاش" کے نام سے لکھا۔ جو اس قدر مقبول ہوا کہ مرزائیوں نے بھی اس کی خوب نقالی کی اور اس میں اور ردّ و بدل کر کے اپنے نام سے اسے شائع کیا۔ تاکہ واہ واہ حاصل کر لیں۔ مگر مولانا ثناء اللہ نے سماجی خرافات کے کئی دندان شکن جوابات تحریر فرمائے۔ ان سے مناظرے کیے اور مسلمانوں کو اس کے زہر ہلاہل

سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ تریاق تیار کیے۔ جن کی نظیر اس زمانے میں ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں مرزائے قادیان نے "اعجاز احمدی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں انہوں نے حضرت مولانا کو چیلنج دیا کہ وہ قادیان آکر الہامات مرزا کو غلط ثابت کریں۔ ان کی پیشین گوئیوں کو جھٹلائیں۔ اور ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ انعام پائیں۔ اس وقت اگرچہ آپ کی تبلیغ و مناظرہ کا آغاز تھا اور آپ نے اس میدان میں ابھی نیا نیا قدم رکھا تھا۔ لیکن حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شروع ہی میں مرزائے قادیانی آپ کے تبحر علمی کا معترف ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اسی کتاب "اعجاز احمدی" کے صفحہ ۴ پر حضرت مولانا کی فضیلت و علمیت کے سامنے یہ کہہ کر گھٹنے ٹیک دیئے تھے:

"فَكَانَ ثَنَاءُ اللهِ مَقْبُوْلُ قَوْمِهٖ ثناء اللہ اپنی قوم (مسلمانوں) میں مقبول و مرغوب ہے۔"

آپ جنوری ۱۹۰۳ء میں مرزا کی دعوت پر قادیان تشریف لے گئے۔ اور اس کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ مرزا نے جواب میں لکھا:

"میں خدا کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں کہ میں مولویوں سے مناظرہ نہیں کروں گا۔"

مولانا اس جواب سے مایوس ہوئے اور قادیان میں تقریر فرما کر واپس چلے آئے۔ لیکن بعد میں بھی حضرت مولانا نے مرزا صاحب سے خط و کتابت میں تصانیف میں، تقاریر میں، مناظرات میں، جلسوں اور وعظوں میں، کسی نہ کسی رنگ میں مباحثہ جاری رکھا۔ ان کے بے برگ و گیاہ مذہب کا خوب پول کھولا۔ اور قوم نے آپ کو اسی خدمت کے عوض "فاتح قادیان"

کے خطاب سے سرفراز کیا۔

مرزا جی سے مباہلہ

جب مرزائے قادیان اپنی امت و ذریت کے ساتھ حضرت مولانا کے دلائل قاطع و براہین ساطع کا جواب نہ دے سکا اور ان کے مباحث و مناظرات سے عاجز آگیا۔ تو وہ آخر کار اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آیا۔ پہلے تو حضرت مولانا پر دشنام طرازی کر کے اپنی تہذیب و خوش خلقی کا ثبوت دیا۔ پھر مباہلہ کا چیلنج دیا، اور لکھا کہ "جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا"

حضرت مولانا مرحوم نے یہ مباہلہ قبول کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مرزا قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ آف احمدیہ بلڈنگس لاہور کے مکان میں "ہیضہ" سے ہلاک ہو گیا اور مولانا ثناء اللہؒ بفضلہ تعالیٰ ان کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ع

کذب میں پکا تھا، پہلے مر گیا

مرزائے قادیانی نے اس "مباہلہ" سے متعلق جو اشتہار شائع کیے۔ چونکہ وہ سبز رنگ کے کاغذ پر چھپوائے گئے تھے، اس لیے "سبز اشتہار" کے نام سے معروف ہیں۔ ہم قارئین سیرت ثنائی کی ازدیاد معلومات کے لیے مرزا کا وہ تاریخی اشتہار ذیل میں بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ جملہ اہل اسلام آیۂ کریمہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا کی صداقت پر سر جھکا دیں اور اپنے ایمان کو تازہ کر لیں۔ اور یقین فرمائیں کہ باطل ہمیشہ سرنگوں اور حق ہمیشہ سر بلند ہوتا ہے۔

مرزا کا اشتہار مباہلہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علی من اتبع الھدیٰ

مدت سے آپ کے پرچہ" اہلحدیث" میں میری تکذیب وتفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذّاب، دجّال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجّال ہے۔ اور اس شخص کا" مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا۔ اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں۔ اور آپ بہت سے افترا میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے ان گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی" کذاب" اور" مفتری" ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہرایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ

مفتری اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشدّ دشمنوں کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذّاب اور مفتری نہیں ہوں۔ اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سُنّۃُ اللہ کے مطابق مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے۔ جیسے "طاعون"، "ہیضہ" وغیرہ مہلک بیماریاں ہیں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک! بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے۔ جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے۔ اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذّاب ہوں۔ اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے۔ تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل و صادق خدا!

اگر مولوی ثناءاللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں، تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ دکھ دیتا ہے آمین یارب العالمین۔ میں ان کے ہاتھوں بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ مجھے اُن چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد، ٹھگ اور دوکاندار، کذّاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے، تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ انہیں تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تونے میرے آقا! اور میرے بھیجنے والے! اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناءاللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت

میں مفسد اور کذاب ہے اسے کو صادق کی زندگی میں ہوے دنیا سے اٹھالے۔ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک! تو ایسا ہی کر آمین ثم آمین رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ آمین۔ بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے۔ کہ وہ اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ احمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدہٗ

مرقوم یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ - ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء

آپ اپنے دام صیّاد آگیا

اس اشتہار کی تاریخ اشاعت سے ایک سال ایک ماہ ۱۲ دن یعنی پورے ۴۰۶ روز بعد مرزائے قادیان خود اپنی دعا یا پیشینگوئی کے بعد سچے کی زندگی میں بمرض ہیضہ مہلکہ ہلاک ہو گیا اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنے کذب کی تکذیب پر مہر تصدیق لگا کر ثابت کر گیا کہ جھوٹے مدعی سچوں کی زندگی میں تباہ ہوا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ثناء اللہؒ ہلاکت مرزا کے بعد چالیس سال تک مرزائیوں سے بحثیں اور مناظرے کرتے رہے۔ مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ تکذیب مرزا کی وجہ سے ان کو ذرا آنچ نہ آئی۔ خدائے حفیظ نے انہیں طاعون، ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بچایا۔ اور جو شخص اپنے دعاوی باطل کے

ساتھ میدان مباہلہ میں کودا۔ اور حضرت مولانا کو شکار کرنا چاہا۔ وہ آپ اپنے دام میں آگیا۔

مرزائی عذر بہانے

مرزائی اس "سبز اشتہار" کے متعلق اکثر کہا کرتے ہیں کہ چونکہ مرزا صاحب نے اس میں یہ شرط رکھی تھی۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب توبہ کریں گے تو ان پر عذاب نازل نہ ہوگا اور امراض مہلکہ سے محفوظ رہیں گے۔ لہٰذا مولوی ثناء اللہ صاحب خوف کی وجہ سے "تائب" ہو گئے، اور ہلاکت سے بچے رہے۔ مگر جب مرزائیوں سے کہا جائے کہ وہ مولانا کی کوئی ایسی تحریر پیش کریں، جس سے ان کی توبہ ثابت ہو تو ٹامک ٹوئیاں مار کر چپ سادھ لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے جب بھی مرزائیوں سے مناظرہ کیا۔ آپ ہر مرتبہ اس اشتہار والی پیش گوئی کو جھٹلاتے رہے اپنی سچائی کو ثابت کرتے مرزا کی تکذیب فرماتے اور قادیانیوں کو للکارتے رہے، کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ! اگر تم سچے ہو، تمہارا پیغمبر سچا ہے تو میرا توبہ نامہ سر اجلاس پیش کرو۔ اور ثبوت دو کہ تمہارا نبی سچے کی زندگی میں ہلاک نہیں ہوا۔ لیکن مرزائیوں سے کبھی اس کا جواب بن نہ آیا۔ انہوں نے اندھے کی طرح اندھیرے میں بہت ہاتھ پاؤں مار مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور پلّے پڑا تو یہی کہ "جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو چکا ہے"

چنانچہ کئی بار اس موضوع پر مرزائیوں سے مناظرہ بھی ہوا۔ اور وہ شکست کھاتے رہے۔ اور ایک بار تو شرطیہ مناظرہ کر کے روپیہ بھی کھو

بیٹھے۔

دستگاہِ کامل

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت مولینا کو آریہ دھرم اور مرزائیت پر کامل دسترس تھی۔ یوں تو برِ عظیم پاک و ہند میں شاید ہی کوئی ایسا مذہب ہو گا جو آپ کی نگاہِ عقابی سے اوجھل رہا ہو۔ آپ کو مذہبیات پر اس قدر دستگاہ حاصل تھی کہ بیک وقت مختلف مذاہب کے پیرؤں سے مناظرے فرماتے اور کامیابی حاصل کرتے تھے لیکن آریوں اور مرزائیوں کو تو آپ نے ہر مرتبہ بری طرح شکستیں دی ہیں۔ یہ دونوں آپ کے سامنے دم نہ مارتے تھے اور مناظروں میں بہت جلد مغلوب ہو جاتے تھے۔ ذیل میں آپ کی ذکاوت طبع اور بیداریِ علم کے دو چار نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

آریوں کا بادشاہ

ایک دفعہ دو سماجی اور مرزائی آپس میں جھگڑ پڑے۔ سماجی نے مرزائی کی توہین کی۔ جس سے بات طول کھینچ گئی۔ حضرت مولانا نے دونوں کی باتیں سنیں۔ تو آپ نے سماجی سے فرمایا:

"بھائی! توبہ کرو، اور مرزائیوں سے نہ جھگڑو۔ کیونکہ یہ تمہارے فرمانروا ہیں۔"

جب مرزائی اور سماجی نے حیرت کا اظہار کیا تو مولینا نے کہا:

"بھئی تعجب کیوں کرتے ہو؟ مرزا صاحب نے اپنی کتاب البشریٰ جلد

اوّل کے صفحہ ۶۷ پر اپنے رتبہ اور درجہ کے متعلق لکھا ہے " آریوں کا بادشاہ " یہ سن کر سماجی تو مسکرا دیا ۔ اور مرزائی بہت خفیف ہوا ۔

ایک اہم حوالہ

ایک بار مرزائیوں نے کہا : کہ " مولینا ! یا تو آپ ہمیں " مرزائی " کہہ کر نہ پکارا کریں ۔ یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم بھی مسلمانوں کو وہابی ، سنّی ، خارجی وغیرہ کے نام سے پکاریں " ۔

آپ نے جواب میں فرمایا : مرزائی دوستو ! آپ مرزائی کے نام سے خواہ مخواہ چڑھتے اور غصہ کھاتے ہیں ۔ حالانکہ مرزائی کہنا آپ کے لیے عزت اور فخر کا باعث ہے ۔ اور ہمارے پاس اس کا ثبوت موجود ہے ۔ کہ خود مرزائیوں نے اپنے ہم مذہبوں کو مرزائی کہا ہے " ۔

جب قادیانیوں نے دلیل اور سند طلب کی تو مولانا نے فرمایا : " مرزائی صاحبان ! سنیے بگوش ہوش سنیے ۔ آپ کے پیغمبر کی زندگی میں ایک بار جماعت مرزائیہ کا سالانہ جلسہ قادیان میں ہوا ۔ اس میں سینکڑوں اشخاص کے روبرو میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر اخبار " فاروق " قادیان نے مرزا صاحب اور ان کے خاص خاص مریدوں کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا اور مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہوریہ کی یوں تعریف کی ؎

کیا ہے راز طشت از بام جس نے عیسویت کا
یہی وہ ہیں یہی وہ ہیں یہی ہیں پکّے مرزائی

دوستو ! جسے شبہ ہو ۔ وہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۸ء کا اخبار " بدر " دیکھ لے جس میں یہ پورا قصیدہ درج ہے " ۔

مرزا کی زبان کا نمونہ

ایک جلسے میں مولانا نے مرزائیت کی تردید میں تقریر فرمائی اور کہا کہ "مرزا صاحب اور ان کی جماعت چونکہ عقائد باطلہ کی حامل ہے۔ اور اصولِ اسلام سے منحرف ہے اس لیے وہ کافر ہے اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی تعلق نہیں[1]"

اس پر چند مرزائی برافروختہ ہو کر اٹھے۔ اور مولانا سے کہنے لگے "مولینا صاحب! کسی کو کافر کہنا بھی گالی ہے۔ ہم گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہتے۔ کیونکہ "حضرت صاحب" نے فرمایا ہے ؎

گالیاں سن کر دعا دو، پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو، تم دکھاؤ انکسار

نیز "حضرت" نے "کشتیٔ نوح" میں لکھا ہے کہ "کسی کو گالی مت دو، گو وہ گالی دیتا ہو"

---

[1] بعض دوست کہتے ہیں کہ مرزائیوں کے متعلق دیگر علمائے اہلِ سنت نے تو کفر کا فتویٰ دیا ہے مگر مولینا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ ہم نے مولانا عبدالغنی صاحب کی ایک روایت اسی حیرت میں کسی موقعہ پر نقل کی ہے کہ انھوں نے جب مولانا مرحوم سے یہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ بھائی مرزا جی کے عقائد کو دیکھتے ہوئے ان کو کافر کہنا میرے نزدیک تو خود لفظ کفر کی توہین ہے یعنی اس کے عقائد اس قدر گمراہ کن، مہلکِ ایمان، اور خطرناک ہیں کہ وہ کفر میں بھی حد درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اور دوسرا ابھی واقعہ ہے جس میں آپ نے قادیانی دجّال کو برملا "کافر" کہا ہے۔ (خادم)

پس ہم آپ کی گالیوں کا جواب خدا تعالیٰ سے مانگتے اور اسی سے بدلہ چاہتے ہیں۔"

مولانا ابوالوفا مرحوم نے فرمایا: "قادیانی دوستو! کافر کہنا گالی نہیں، یہ ایک فتویٰ ہے۔ جو ہر خارج از اسلام کے لیے ہو سکتا ہے۔ آپ (مرزائی) بھی تو ہمیں کافر کہتے اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ پھر یہ تکفیر اگر اُلٹ کر آپ پر پڑ جائے، تو غصہ کیوں اور غضب کس لیے؟ سنئیے اور ٹھنڈے دل سے سنیے کہ آپ کے قادیانی "پیغمبر" نے مسلمانوں خصوصاً علمائے اسلام کو وہ غلیظ اور ناپاک گالیاں دی ہیں، کہ شیطان بھی سُنے تو کانوں میں روئی ٹھونس لے۔ چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

۱۔ وَيُصَدِّقُ دَعْوَتِي اِلَّا ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷)

یعنی "جو میری دعوت قبول کر کے مرزائی نہیں ہوتا، وہ حرامزادہ ہے اور فاحشہ رنڈیوں کا بچہ ہے۔"

۲۔ "اے بد ذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا۔ وہی عوام کالانعام کو بھی پلا دیا۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۱)

۳۔ اِنَّ الْعِدٰى صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا نِسَاءُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَكْلُبُ (نجم الہدیٰ صفحہ ۱۰)

"یعنی میرے مخالف جنگلوں کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔"

۴۔ جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو

ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں۔ (انوار الاسلام صفحہ ۳)
ابھی مولانا کچھ اور ثبوت مرزا صاحب کے حسن خلق اور شیریں زبان کا دینا چاہتے تھے کہ مرزائی لاجواب ہو کر اٹھے اور سر کھجاتے چلے گئے۔

مرزا کے تناقضات کا نمونہ

اسی قسم کے ایک اور جلسے میں مولانا مغفور نے مرزائیت کی تردید کے سلسلے میں فرمایا۔ کہ "مرزا صاحب کی تحریر و تقریر میں بے حد تناقض و اختلاف پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ انبیاء کی شان کے خلاف ہے۔"
اس جلسے میں چند مرزائی بھی بیٹھے تھے۔ وہ مولانا کے اس بیان سے سخت برہم ہو گئے۔ ان بدبختوں نے اسلام ہی پر اعتراض نہ کیے، بلکہ حضور ختمی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و بابرکات پر بھی حملے کیے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام و ناپاک سعی کی کہ اکثر مرسلین کرام علیہم السلام بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی تناقض پایا جاتا ہے۔ اور اس سے (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد) قرآن حکیم بھی مبرا نہیں۔
حضرت مولانا نے ٹھنڈے دل سے اعتراضات سنے۔ پھر مہذبانہ و اخلاقی طریق سے ان کا دندان شکن جواب دیا اور فرمایا۔ کہ "قادیانی دوستو! اگرچہ غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا ایک لفظ سن کر بھی دریدہ دہنوں کو ایسی سزا دیں، کہ پھر انہیں سر ابھارنے کی جرأت نہ ہو۔ مگر جس کی ذات والا صفات پر تم نے حملے کیے ہیں ہم اسی کے اخلاق حسنہ پر عمل کرتے ہوئے تہذیب و شرافت سے اس کا جواب دیتے ہیں۔

"تم نے مرزا صاحب کی نسبت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ ان کی تحریر و تقریر میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ سو وقت اگرچہ تنگ ہے مگر چند حوالے اپنے نبی کی کتابوں کے سن لو۔ پھر جو جی میں آئے کہو، سنو:

۱۔ مرزا صاحب اپنی کتاب "ازالۂ اوہام" کے ص۴۷۳ پر لکھتے ہیں: کہ

"سچ تو یہ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا"

یہاں انہوں نے مسیح علیہ السلام کو گلیل میں مارا اور وہیں ان کی قبر بنائی ہے۔ مگر وفات مسیح کا مضمون جب "کشتی نوح" میں تحریر کرنے لگے ہیں تو فوراً لکھ دیا:

"مسیح اس زمین سے پوشیدہ طور پر بھاگ کر کشمیر کی طرف آ گیا اور وہیں فوت ہوا ص۵۳"

فرماؤ مرزائیو! ہم اس کے سوا کیا کہیں؟ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

۲۔ آپ کے پیغمبر قادیانی "آئینہ کمالات اسلام" کے ص۶۵ پر رقمطراز ہیں:

"حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے، مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھی"

یہی مضمون جب ازالۂ اوہام کے ص۳۰۷ پر تحریر فرمایا تو لکھا:

"یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا"

کہیے کیا یہ تناقض نہیں ہے؟

۳۔ مرزا صاحب ایک جگہ فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ "لوگوں نے جو اپنے نام حنفی، شافعی وغیرہ رکھے ہیں یہ سب بدعت ہیں" (ڈائری کلام مرزا ص۴)

بابت (۱۹۰۱ء)

لیکن دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے ہاں جو آتا ہے، اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری" (ڈائری مذکور صہ۴۷)

حضرت مولانا مرزائے قادیان کے تناقضات و اختلافات ثابت کرنے میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ ان کی نظر اس مقام پر پڑی، جہاں مرزائی سورمے کیل کانٹے سے لیس ہوکر بیٹھے تھے۔ تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ جگہ خالی پڑی ہے۔ اور مرزائی ڈرامائی طور پر کہیں فرار ہوگئے ہیں۔ نہ معلوم انہیں زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا؟

مرزا کے عجیب الہام

یوں تو حضرت مولانا نے اپنی مشہور لاجواب تصنیف "الہاماتِ مرزا" میں پیغمبر قادیانی کے الہاموں اور پیشگوئیوں کی خوب کلی کھولی ہے۔ مگر جموں کے ایک اسلامی جلسے میں جب حضرت نے مرزائیت کے اصول کا پول ظاہر کیا تو چند قادیانی مقابلے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اور اپنے نبی کے الہامات اور پیشگوئیوں کو سچا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

حضرت مولانا نے ان کی خرافات توجہ سے سنیں۔ پھر مندرجہ ذیل الہامات مرزا کا جواب مانگا۔ اور کہا کہ ان کے معانی و مطالب بھی وضاحت کے ساتھ سمجھائے جائیں۔

۱۔ ھُوشَعنًا نعسًا (براہین احمدیہ صہ۵۵۶)

۲۔ ایریشن۔ عمر براطوس۔ یا پلاطوس (البشریٰ جلد اول ص۵)
۳۔ غثم، غثم، غثم (البشریٰ جلد دوم ص۵)
۴۔ رَبّنا عَاج۔ ہمارا رب عاجی ہے (البشریٰ جلد اول ص۴۳)
۵۔ ایلی اوس (البشریٰ جلد اول ص۳۶)
۶۔ ایک دانہ کس کس نے کھایا (البشریٰ جلد دوم ص۱۰۱)
۷۔ بعد ۱۱۔ انشاء اللہ (البشریٰ جلد دوم ص۶۵)

یہ سات الہامات مولانا نے کاغذ پر لکھ کر مرزائیوں کے حوالے کیے۔ اور جلسہ میں ان کا جواب لینا چاہا۔ قادیانیوں نے جب یہ الہامات ملاحظہ کئے تو پسینہ پسینہ ہو گئے۔ اور یہ کہہ کر ان کا جواب دینے سے انکار کر دیا، "ہم مرکز (قادیان) کی اجازت لیے بغیر ان کی تشریح و معانی نہیں بتا سکتے" مولانا ابوالوفا نے کورا جواب سنا تو حسب عادت مسکرائے۔ پھر فرمانے لگے:

"مرزائی دوستو! صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ع
زبانِ شوخ من ترکی و من ترکی نمے دانم"

ایک علمی مجلس میں مرزائیت کا ذکر ہو رہا تھا۔ جب مرزا صاحب کی الوہیت کی نسبت بات چھڑی تو حضرت مولانا نے فرمایا۔ کہ "مرزائے قادیان خود خدا، خدا کا باپ اور خدا کا بیٹا ہی نہیں بنا بلکہ ان کے صاحبزادے بھی خدا ہیں جو آسمان سے اتر کر زمین پر سکونت پذیر ہیں۔

حاضرین نے حوالہ طلب کیا تو فرمایا: "مرزا صاحب اپنی تصنیف "البشریٰ" کے صفحہ ۱۱۴ پر اپنے پیدا ہونے والے لڑکے کی نسبت لکھتے ہیں" فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ

نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ" مطلب یہ ہے کہ میرا پیدا ہونے والا بیٹا صرف گرامی وارجمند ہی نہ ہوگا وہ اوّل وآخر کا مظہر ہوگا۔ اس سے حق اور غلبہ ظہور پائے گا۔ گویا خود اللہ تعالیٰ آسمان سے اترے گا۔"

معلوم نہیں۔ مرزا کے تمام بیٹے خدا ہیں۔ یا خلیفہ قادیان کو الوہیت ملی ہے۔ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔

حضورؐ اکرم کی توہین

ایک اجلاس میں مولانا پیغمبر قادیان کے دعاوی پر تقریر فرما رہے تھے۔ جب آپ نے کہا۔ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر فضیلت نہ دو میں بھی پہلے نبیوں کی طرح ایک نبی ہوں۔ لیکن مرزا صاحب نے خود کو تمام مرسلین سے افضل سمجھ رکھا ہے۔ اور کُل انبیاء کے کمالات اپنے اندر جمع کر لیے ہیں۔ یہاں تک گستاخی کی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے محاسن و فضائل کا اپنے کو مظہر ظاہر کیا ہے اور حضورؐ کی جانشینی کا دعویٰ کیا ہے۔

اس اجلاس میں چند مرزائی بھی موجود تھے جو غالباً جماعت لاہوریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے انکار کیا کہ مرزا صاحب نے یہ دعوے کبھی نہیں کیے۔ اور نہ کبھی ایسے الفاظ لکھے ہیں۔ وہ تو حضرت رسولؐ اکرم کے غلام تھے۔ حضرت مولانا ابوالوفا ر نے لاہوری مرزائیوں کا انکار سنتے ہی پہلے تو مرزا قادیان کے یہ دو شعر پڑھے ؎

(۱) آدمم نیز احمد مختار — دربرم جامہ ہمہ ابرار

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا — منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد

(درثمین فارسی)

پھر فرمایا۔ "مرزائی دوستو! مرزا صاحب اپنی مشہور کتاب "حقیقۃ الوحی" کے حاشیہ صد ۲" پر لکھتے ہیں۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں میں اسمٰعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داود ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔"

پھر اسی کتاب حقیقۃ الوحی کے تتمہ صد ۸۴ پر تحریر کرتے ہیں:

"دنیا میں کوئی نبی نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے۔ میں آدم ہوں، نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسمٰعیل ہوں میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ یعنی بروزی طور پر جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دیئے۔ اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرائے میں۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعے ظہور ہو۔"

اسی طرح مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صد ۹۰ پر لکھا ہے۔

"اس زمانے میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راستباز اور مقدس نبی گذر چکے ہیں، ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔"

حضرت مولانا نے ابھی تقریر ختم نہ کی تھی۔ کہ لاہوری مرزائی کچھ جواب دیئے

بغیر اٹھ کر چلے گئے اور تسلیم کر گئے کہ مولانا ابوالوفا واقعی فاتح قادیان ہیں۔

مرزا کا ایک الہام

ایک دفعہ کسی مجلس میں ایک قادیانی نے پوچھا۔ کہ "مولانا! یہ جو بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اگر حضرت رسول کریمؐ پیدا نہ ہوتے تو خدا زمین و آسمان ہی کو نہ بناتا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟"

حضرت مغفور نے فرمایا: "قادیانی صاحب! اگرچہ یہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں۔ مگر مسلمان غلطی پر ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اصل میں مرزا صاحب کے لیے آسمان پیدا کیے تھے۔ اور دنیا میں جو کچھ ہے، وہ انہیں کے لیے بنایا تھا۔"

اس جواب پر قادیانی حیرت زدہ ہوا۔ اور تعجب سے مولانا کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت نے فرمایا:

"حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرزا صاحب کا الہام ہے: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (البشریٰ جلد دوم ص۱۱۲) اسی طرح آپ کو الہام ہوا كُلٌّ لَكَ وَلِاَمْرِكَ (البشریٰ جلد دوم ص۱۲۷) یعنے دنیا میں جو کچھ تیرے لیے ہے اور تیرے حکم کے لیے ہے۔"

مرزائی نے یہ حوالے سنے۔ تو گھٹنوں میں سر دبائے بُت بنا بیٹھا رہا۔

امام حسینؓ کی اہانت

ایک بار محفل علم گرم تھی، شیعہ، حنفی، اہلحدیث، اہل قرآن کی مختلف الخیال اصحاب و علما جمع تھے ان میں دو تین قادیانی بھی بیٹھے تھے۔ ایک شیعہ صاحب حضرت امام حسینؓ کے مناقب بیان کرنے لگے۔ تو مولانا نے فرمایا:

"چھوڑو بھی یار! اس پرانے قصے کو اب تو پنجاب میں ایک ایسا شخص پیدا ہو چکا ہے، جو حسینؓ سے بھی افضل ہے۔ شیعوں کو چاہیئے کہ اب اس کا ذکر کیا کریں اور اس کی فضیلت کو مان لیں۔"

کسی نے پوچھا: "وہ کون شخص ہے؟"

فرمایا: "مرزا قادیان!"

اس پر مرزائی تلملا اٹھے اور کہنے لگے: "کہاں لکھا ہے حضرت صاحب نے کہ میں حسین ہوں اور حسینؓ سے افضل ہوں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا: "گھبرائیے نہیں اور جوش میں نہ آیئے میں ابھی بتاتا ہوں۔ سنو! مرزا صاحب" دافع البلاء" کے ص۱۳ پر لکھتے ہیں ــــ

"اے قوم شیعہ! اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ حسین سے بڑھ کر ہے۔"

پھر "اعجاز احمدی" کے صفحہ ۶۹ پر تمہارے حضرت صاحب یوں فرمایا ہے ؎

شَتَّانِ مَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ حُسَيْنِكُمْ — فَاِنِّيْ اُؤَيَّدُ كُلَّ اٰنٍ وَاُنْصَرُ

وَاَمَّا حُسَيْنٌ فَاذْكُرُوْا دَشْتَ كَرْبَلَا — اِلٰى هٰذِهِ الْاَيَّامِ تَبْكُوْنَ فَانْظُرُوْا

اِنِّيْ قَتِيْلُ الْحُبِّ لٰكِنْ حُسَيْنُكُمْ — قَتِيْلُ الْعِدٰى فَالْفَرْقُ اَجْلٰى وَاَظْهَرُ

پھر اپنے مجموعۂ کلام معروف بہ "درِّ ثمین" میں یوں نغمہ زن ہوئے ہیں ؎

کربلائیست سیر ہر آنم — صد حسین است در گریبانم

اہل محفل تو آپ کی معجز بیانی اور وسعتِ معلومات پر عش عش کر کے لٹھے مگر قادیانیوں کو سانپ سونگھ گیا۔ اور وہ شرم و ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے خس کم جہاں پاک ہو گئے۔

مرزا کے بڑے دعاوی

جس زمانے میں مولانا زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ آپ حج پر جا رہے تھے کہ ایک روز عرشۂ جہاز پر علم و عرفان کی مجلس منعقد ہوئی۔ عقائد مختلفہ کے اصحاب اہل اسلام شریک محفل تھے۔ اور حضرت مرحوم علوم دینیہ کی شمع روشن کر کے ضوفشانی فرماتے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں آپ کو معلوم ہوا کہ اس مجلس میں ایک قادیانی بھی ہے، جو حج پر جا رہا ہے۔ جب آپ تذکار دین سے فارغ ہوئے، تو آپ نے اس قادیانی کی طرف توجہ فرمائی اور پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا مکہ معظمہ حج کے لیے جا رہا ہوں فرمایا "واہ صاحب! آپ نے ناحق تکلیف اٹھائی۔ روپیہ الگ برباد کیا اور سفر کی صعوبت الگ برداشت کی۔ بھلا آپ کو حج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ آپ کے پیغمبر کا مرتبہ سنگِ اسود کے برابر اور قادیان کا درجہ مکہ کے مساوی ہے۔"

مرزائی یہ سن کر خشمگیں ہوا، غصے سے اس کے ابرو کھنچ گئے۔ اور وہ دیدے پھاڑ کے مولانا کو دیکھنے لگا۔ آپ نے کہا: "صاحب ناراض نہ ہوجیے مرزا صاحب نے البشریٰ جلد اول صہ ۴۸ پر لکھا ہے کہ:

"شخصے پائے من بوسید من گفتم کہ سنگ اسود منم"

یعنی ایک شخص نے میرے پاؤں کو چوما تو میں نے کہا کہ میں ہی سنگِ اسود ہوں۔

پھر مرزا صاحب اپنے کلام بلاغت نظام "اعنی درثمین" میں فرماتے ہیں

زمینِ قادیاں اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

مولانا فرماتے تھے کہ قادیانی اس سے ایسا شرمندہ ہوا کہ اس کے بعد نہ تو جہاز پر ہی نظر آیا نہ مکہ معظمہ میں ہی کہیں دیکھا گیا۔

مرزا کا سکھوں سے تعلق

ایک بار گورداسپور میں سکھوں کا جلسہ ہوا۔ ان دنوں پنجاب میں سکھ مسلم فساد رونما تھا گوردوارہ پربندھک کمیٹی نے مولانا کو بھی شریکِ جلسہ ہونے کی دعوت دی اور گذارش کی گئی کہ ملکی اتحاد و اتفاق پر تقریریں فرمائیں تاکہ فساد دور ہو۔ آپ تشریف لے گئے اور بلیغ و پُر اثر تقریر فرمائی، دورانِ تقریر میں آپ نے حسبِ معمول مرزائیت کا ذکر چھیڑا۔ اور سکھوں سے کہا:

"وہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب قادیان کا احترام کریں، اور ان کی امت کے ساتھ ادب سے پیش آئیں۔ کیونکہ پیغمبرِ قادیان بھی کچھ نہ کچھ سکھوں سے تعلق رکھتے ہیں"

جلسے میں چونکہ رنگا رنگ کی خلقت تھی۔ ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان، مرزائی وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ جب مولانا نے یہ الفاظ کہے تو چند قادیانیوں کا پارا انتہائی ڈگری پر چڑھ گیا۔ غصّے سے ان کے چہرے لال ہو گئے اور انہوں نے شور مچا دیا: "مولوی صاحب! اپنے الفاظ واپس لو۔ اور تحریری معافی مانگو، ورنہ دعویٰ کیا جائے گا"

حضرت مولانا مرزائیوں کا رقص دیکھ کر مسکرائے اور زیرِ لب تبسّم فرمایا! اور کہا: "قادیانی دوستو! اگر میں نے مرزا صاحب کو "مہاراجہ" اور سکھوں سے قریبی تعلق رکھنے والا کہا ہے، تو بے جا نہیں کہا۔ ان کے اس "الہامی نام" کی مناسبت سے کہا ہے۔ جو ان کے خدا نے بذریعہ وحی ان

کو بتایا تھا۔ چنانچہ سن لیجیے، کہ حضرت مرزا صاحب کا اسم شریف "امبن الملک جے سنگھ بہادر" رکھا گیا ہے۔ باور نہ ہو تو البشریٰ جلد دوم کا صہ ۱۱۸ دیکھیے اور اطمینان فرمایئے۔ اگر غلط ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لینے اور تحریری معافی مانگنے کو تیار رہوں۔

لاہوری مرزائی

لاہوری مرزائی قادیانیوں کی نسبت بہت خطرناک واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نبوت مرزا سے دیدہ دانستہ انکار کرکے مرزا صاحب کے دعاوی کو توڑ موڑ کر پیش کیا ہے۔ از بسکہ یہ خطرناک پارٹی عامۃ المسلمین میں ظاہر کرتی ہے کہ منکرین مرزا کافر نہیں۔ اور اہل تکفیر (قادیانی) گمراہ ہیں اس لیے بعض کم علم اور سادہ مسلمان اسی بات پر ان کے پھانسے میں آجاتے ہیں۔

چنانچہ ایک بار کسی اجلاس میں لاہوری مرزائیوں اور حضرت مولانا مرحوم کے درمیان اسی موضوع پر بحث چھڑ گئی۔ لاہوریوں کا دعویٰ تھا کہ مرزا صاحب نے اپنے منکرین کو کافر نہیں کہا۔ یہ سب خلیفہ قادیان اور ان کی جماعت کے گھڑے ہوئے مسائل ہیں۔ مولانا مغفور نے ان کے اس دعویٰ کی تردید میں فرمایا۔ کہ "لاہوری دوستو! میں آپ کے نئے مجدد اور پرانے نبی کی کتابوں سے چند حوالے پیش کرتا ہوں کو ذرا غور سے سنو:

۱۔ مرزا صاحب حاشیہ حقیقۃ الوحی کے صہ ۱۶۳ پر لکھتے ہیں: "جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ مجھے مفتری قرار دے کر مجھے کافر ٹھہراتا ہے اس لیے میری تکفیر کی وجہ سے "آپ" کافر بنتا ہے۔

۲۔ کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا

ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کے باوجود اتمام حجت کے جھوٹا مانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔ اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے۔ کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں (حقیقۃ الوحی ص۱۷۹)

۳۔ قَالُوْا اِنَّ التَّفْسِيْرَ لَيْسَ بِشَيْءٍ اس الہام میں خداوند تعالیٰ نے کفار مولویوں کا مقولہ بیان فرمایا ہے (البشریٰ جلد دوم ص۶۷)

۴۔ اب ذرا ایک حوالہ مولوی نورالدین خلیفہ اول قادیان کا بھی سنیے۔ ان کی ایک نظم مرزا صاحب کی ہلاکت کے پونے تین ماہ بعد اخبار الحکم قادیان بابت ۱۷ اگست ۱۹۰۸ء میں چھپی تھی۔ جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

اسم او اسم مبارک ابن مریم مے نہند
آں غلام احمد ست و مرزائے قادیاں
گر کسے آرد شکے درشانِ آں کافر است
جائے او باشد جہنم بیشک و ریب و گماں

۵۔ مرزا صاحب! اپنے ایک مخالف میاں شمس الدین کی نسبت لکھتے ہیں۔ "اگر میاں شمس الدین کہیں کہ پھر ان کے مناسب حال کونسی آیت ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت مناسب حال ہے کہ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ (دافع البلاء ص۱۱)"

مولانا کا یہ جواب اور منہ توڑ جواب سن کر لاہوریوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اور بحث کے اختتام کا بھی انتظار نہ کیا۔ مولانا نے متبسم ہو کر فرمایا:

مرزا صاحب اپنے منکروں یعنی مسلمانوں سے مخاطب ہو کر ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں
ہم نے سو سو طرح سے سمجھایا (دُرِ ثمین)

یہی حال لاہوری اور قادیانیوں مرزائیوں کا ہے کہ ہم مرزا صاحب ہی کی کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں۔ اور وہ پھر بھی انکار پر انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔

مولانا کی قادیانی لٹریچر پر نظر

یہ ان محفلوں، مجلسوں، جلسوں اور اجلاسوں کا مختصر تذکرہ ہے جن میں مولانا نے مرزائیت کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ باقاعدہ مناظروں میں قادیانیت کے خلاف وہ وہ رموز و نکات بیان کرتے اور بال کی کھال اتارتے تھے۔ کہ سامعین حیران رہ جاتے تھے۔ لطف یہ کہ حضرت مرحوم کو اپنی خداداد ذہانت و فطانت کے طفیل مرزا صاحب کی کتابوں اور قادیانی لٹریچر پر اتنا عبور تھا کہ جب مخالف کوئی دلیل پیش کرتا تو آپ کتب مرزا ہی سے اس کی تردید فرما دیتے۔ حافظہ اتنا تیز تھا کہ ہزارہا کتابوں، رسالوں، اخباروں ٹریکٹوں، پمفلٹوں کے حوالے ازبر تھے۔ سالم کی سالم طویل و عریض عبارتیں دماغ میں محفوظ تھیں۔ اور ضرورت کے وقت نہ صرف کتاب کا نام بلکہ صفحہ تک زبانی بتا دیتے تھے۔

ایک دفعہ کسی مناظرے میں جو مرزائیوں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ آپ نے مرزا کی بہت سی کتابوں کے حوالے زبانی دیدیئے اور صفحات کے نمبر بھی بتا

دیئے۔ مرزائیوں نے وہ حوالے ماننے سے انکار کیا۔ تو حضرت نے فوراً وہ کتابیں منگوا کے عبارتیں نکالیں اور پڑھ کر سنائیں۔ جو حرف بہ حرف درست نکلیں۔ مرزائی اس سے بہت خفیف و شرمسار ہوئے اور حاضرین مولانا کے ذہن عالی اور عقل رسا کی تعریف کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے مخالف مسلمانوں نے بھی اس باب میں ان کی مدح کی اور ان کے علم و فضل کو بیحد سراہا۔

ہنود سے نوک جھونک

حضرت مولانا ہندو دھرم اور ان کے مالۂ و ما علیہ سے بھی کامل واقفیت رکھتے تھے۔ ویدوں، شاستروں، پرانوں اور دوسری مشہور دھارمک پستکوں کی اکثر عبارتیں آپ کو ازبر تھیں۔ کتابوں کے نام اور صفحات زبانی بتا دیتے تھے۔ مناظروں اور مباحثوں کے علاوہ اکثر محفلوں، مجلسوں اور سفر وغیرہ میں ہندوؤں سے آپ کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ اور آپ مہذبانہ طریق سے ان کے ڈھکوسلوں کا ایسا منہ توڑ جواب دیتے اور مزاحیہ رنگ میں ایسے طنز کرتے تھے کہ دشمنان دین آپ کے دلائل و براہین سے پناہ مانگتے۔ پہلو بچا کر چلتے اور دامن کتراتے نظر آتے تھے۔

ہنود کو جواب

غالباً ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے اجتماع میں

آپ کو بھی شریک ہونے کا موقع ملا۔ یہ اکٹھ مذہبی نہیں تھا، ان کے کسی قومی معاملے سے متعلق تھا۔ اور انہوں نے حضرت مولانا کو بھی شمولیت کی دعوت دی تھی۔ وہاں باتوں باتوں میں ہندو ودھواؤں (بیوہ عورتوں) کی دوسری شادی کا ذکر چلا۔ اور آپ کو معلوم ہوا، کہ اہل ہنود خصوصاً آریہ سماجی اپنی بیوگان کے نکاح ثانی کی نسبت ایک قانون یا ریزولیشن پاس کر رہے ہیں

آپ نے طنزاً فرمایا:

"میرے ہموطنو! مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ آپ اپنی ودھواؤں کی شادی کرنے کی فکر میں ہیں۔ اگر یہ درست ہے، تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ منوجی مہاراج کے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ کیونکہ منوسمرتی کے پانچویں ادھیائے میں لکھا ہے: "کوئی عورت اپنے پتی[1] کے مرنے کے بعد دوسرا پتی کرنے کا نام تک نہ لے۔ جو استری اولاد کے لالچ میں دوسرے پتی سے مباشرت کرتی ہے۔ دنیا میں وہ بدنامی اور ناکامی کا منہ دیکھتی ہے اور پرلوک[2] میں پتی لوک[3] کو نہیں پاتی"۔ لیکن اگر آپ نے یہ فیصلہ اسلامی قانون کے ماتحت کیا ہے، تو مجھے بے حد خوشی ہے کہ آپ قوانین اسلام کو قبول کرتے جا رہے ہیں مگر آپ کو ذرا اس کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ کہ ہم نے قرآنی احکام کے مطابق اپنی پنچائت میں ودھواؤں کی دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ دنیا تاریکی میں نہ رہے اور آپ کے فیصلے پر تعجب کا اظہار نہ کرے"۔

ہندوؤں نے یہ آپ کا ارشاد سنا تو بغلیں جھانکنے لگے اور سر کھجلانے لگ گئے۔ جی میں کہتے ہوں گے کہ اس کفر سوز کو خواہ مخواہ دعوت میں شریک کیا جو بھی بات منہ پر دے مارتا ہے۔

---

[1] شوہر [2] بیوی کے دوسرا جہان [3] انسان، جہان

جرأت و دلیری

مولانا کے ایک آریہ دوست کو، جو اپنے دھرم کا پرچار کرتے اور اسلام کے خلاف زہر اُگلتے رہتے تھے۔ بیک وقت دو صدمے پہنچے کہ ایک ہی روز ان کی بیوی اور بہنوئی فوت ہو گئے۔ مولانا اظہار افسوس کو گئے مگر چند روز بعد آپ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی شادی بھی کر لی ہے اور اپنی ودھوا[1] بہن کو بھی دوبارہ بیاہ دیا ہے۔ اتفاق سے ایک مجلس میں جس میں بہت سے ہندو بھی بیٹھے تھے۔ مولانا نے ان کو دیکھ لیا۔ آپ ان کے قریب گئے "ڈبل مبارکباد" دی اور سر اجلاس فرمایا:

"لالہ جی! آپ نے کام تو بہت اچھا کیا ہے کہ اپنی اور اپنی بیوہ ہمشیرہ کی دوبارہ شادی کر دی ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے؟ کہ آپ کے سوامی دیانند جی ستیا رتھ پرکاش کے صفہ ۱۳۰ پر لکھ گئے ہیں۔ کہ" اگر وہ (بیوہ عورت) برہمچریہ[2] حالت میں رہے گی تو کوئی خرابی پیدا نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر رنڈوا مرد بھی تجرد[3] کی زندگی بسر کرے تو افضل ہے"! بہر حال لالہ جی! مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اسلامی قانون پر عمل کیا ہے۔ اور اس بارے میں اپنے دھرم کی بھی پرواہ نہیں کی۔"

یہ سن کر آریہ سماجی نے آنکھیں جھکا لیں۔ اور دوسرے ہندو مولانا کو دیدے پھاڑ کر دیکھنے لگے کہ کیسا دلیر اور جری آدمی ہے۔

ہندو لاجواب ہو گیا

کسی جلسے میں آپ قرآن کریم کی عظمت اور شانِ نزول بیان فرما رہے تھے

---

[1] بیوہ [2] ترک دنیا [3] شادی کے بغیر

کہ ایک ہندو دو دیار تھی[1] نے اعتراض کیا "مولانا! آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ قرآن کس پر اترا؟ مرد یا کسی عورت پر نازل ہوا ہے؟"

حضرت مولانا سن کر مسکرانے لگے۔ اور فرمایا: "لالہ جی ہمارا قرآن خود کہتا ہے کہ میں ایک بندے پر اترا ہوں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ہم نے اپنے بندے پر جو یہ قرآن نازل کیا ہے، تم اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔"

پھر فرمایا تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ وہ خدا بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وہی خدا تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب اتاری۔" مگر لالہ جی! اب آپ بتائیں کہ آپ کے ویدیں کس نے بنائے؟ غالباً ایک عورت نے! ورنہ ہو تو رگوید کا پہلا منڈل اور بارہواں سوکت کا چھٹا منتر پڑھیے جس میں لکھا ہے:

"شرارت اور فساد پیدا کرنے والے عناصر راجہ کے لباس اور ہتھیاروں کو تو اچھی طرح میں ہی تانتی ہوں۔ اور وہ یقیناً میں ہی ہوں جو ایشور اور وید دونوں کے مخالفوں کو ہلاک کرنے کے لیے ہتھیار لگاتی ہوں اور وہ میں ہی ہوں جو اپنے آدمیوں کے لیے جنگ وجدال کرتی ہوں، میں زمین اور خلد میں داخل ہوتی ہوں۔"

مولانا کے اس جواب سے وہ ہندو مُہر بلب ہوا۔ اور حاضرین جلسہ نے مولانا کے علم وفضل پر مرحبا کہی۔

ہندوؤں کی ایک محفل

ایک مرتبہ دیوالی کے روز ہندوؤں نے جلسہ کیا۔ اسے دیکھنے کے لیے آپ

[1] عالم

بھی تشریف لے گئے۔ اہل ہنود نے آپ کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ اور سٹیج پر آپ کو عزت سے بٹھایا۔ اس جلسے میں بہت سے ہندوؤں نے دیوالی کی فضیلت پر تقریریں کیں۔ جب آپ سے درخواست کی گئی کہ اس تیوہار پر کچھ ارشاد فرمائیں۔ تو آپ نے کہا:

"چونکہ اس مبارک دن میں جوا کھیلنے کو بہت سراہا گیا ہے اس لیے اہل ہنود کو چاہیئے کہ وہ پھلوں سے جُوا کھیلا کریں۔ کیونکہ ایسے پھل آپ کے ایشور اور پرماتما کو بہت بھاتے ہیں۔ چنانچہ رگوید دسویں منڈل کے پہلے منتر میں لکھا ہے "کافی ہوادار اور کالری زمین میں پیدا شدہ پھل، جو قمار بازی میں استعمال ہوتے ہیں، مجھے مست کر دیتے ہیں"

ہندو اس بیان پر کچھ ناراض بھی ہوئے، کچھ نادم بھی۔ مگر جواب نہ دے سکے اور اس مرد مجاہد کے سامنے بولنے کی تاب بھی کس کو تھی؟

عجیب انکشافات

ایک بار ہستی باری تعالیٰ سے متعلق ہندوؤں نے مولانا سے بحث چھیڑ دی اور اپنے بھگوان اور پرمیشور[1] کی نسبت بیان کیا کہ "وہ بے انت اور بلونت ہے اور غیر مجسم ہے"

حضرت نے فرمایا: "آپ کا دعویٰ غلط ہے۔ رگوید آدی بھاشا بھومکا طبع اول کے صفحہ ۱۳۵ پر آپ کے پرماتما[2] کی یوں تعریف کی گئی ہے — دن اور رات ایشور کی دو بغلیں ہیں۔ سورج اور چاند اس کی دو آنکھیں ہیں۔ سورج کی دھوپ اور بجلی کی چمک یہ دونوں ایشور کے ہونٹ ہیں اور سورج اور چاند کے درمیان جو پول (خلا) ہے وہ ویدک ایشور کا منہ ہے"

---

[1] پرم ایشور، مراد رب الارباب [2] اعلیٰ روح، خدا

آپ کے اس جواب سے کفار کی آنکھیں مچ گئیں اور پھر نہ کھل سکیں۔

اسی طرح ایک مجلس میں آریہ سماجی اپنے ایشور کی صفات بیان کر رہے تھے حضرت مولانا بھی تشریف لے گئے۔ اور ان کے پرمیشور کی تعریفیں سن کر فرمایا! "صاحبو! وہ دیالو، کرپالو وغیرہ سب کچھ ہے، مگر اس کے علاوہ آپ کے پرماتما کی کچھ اور صفتیں بھی ہیں۔"

آریوں نے پوچھا" وہ کیا؟"

آپ نے فرمایا:" وہ چوری کرتا ہے اور کراتا ہے"

چنانچہ لکھنا ہے:" اِندر دولتوں[1] سے مالا مال پرمیشور! ہم سے کبھی علیحدہ مت ہو۔ اور ہمارے مرغوب سامان خوراک کو مت چرا، اور مت چروا۔"

یقین نہ ہو تو رگ وید اشٹک کا ساتواں منڈل انیسواں سوکت اور آٹھواں منتر دیکھ لیجیے۔

ماتھے پر تلک

کسی مذہبی تیوہار کے دن چند ہندو ماتھے پر تلک لگائے آپ کی خدمت میں سلام کی غرض سے حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس بہت سے مسلمان بیٹھے تھے۔ مولانا نے ہندوؤں کو دیکھا تو تپاک اور محبت سے ملے، مزاج پرسی کی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہی۔ کچھ مسلمانوں نے ہندوؤں سے تلک کے متعلق پوچھا کہ" یہ کیا ہے؟ اس کا موجد کون ہے، اور یہ کیوں لگایا جاتا ہے؟"

اہل ہنود نے لاعلمی ظاہر کی اور ان استفسارات کا کچھ جواب نہ دے سکے۔

مولانا مرحوم نے فرمایا:" اجی یہ بیچارے کیا بتائیں گے۔ اس کی نسبت میں بتاتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے اور کس کی ایجاد ہے۔ سنیئے ہندوؤں کی مشہور

---

[1] سخی [2] مہربان [3] ہر قسم کی دولتیں۔

کتاب "بھگت مال" میں لکھا ہے کہ "ایک شخص کسی درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ کہ اس کی جان نکل گئی۔ اس درخت پر کوّا بیٹھا تھا۔ اس نے جو بیٹ کی تو اس مرے ہوئے آدمی کے ماتھے پہ پڑی۔ جو شیوجی[1] کے تلک کی شکل اختیار کر گئی۔ یم کے فرشتے[2] اسے دوزخ میں لے جانے کے لیے آ گئے۔ لیکن وشنوں مہاراج کے فرشتوں نے کہا ہمارے آقا نے ماتھے کے تلک کی وجہ سے اس کو سورگ[3] میں پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ دونوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ آخر کار وشنو[4] کے فرشتے جیت گئے۔ اور کوّے کی بیٹ کے تلک کی وجہ سے اس کو بہشت میں لے گئے۔"

"اس سے معلوم ہوا۔ کہ اس تلک کا موجد کوّا ہے شاید اسی وجہ سے ہندو لوگ کوّوں کا بھی احترام کرتے اور ان کو پکا ہوا کھانا کھلاتے ہیں۔"

مولانا کے اس بیان پر مجلس قہقہوں سے گونج اٹھی: ہندو بھی ندامت کی ہنسی میں مصروف تھے۔ اور آپ کی معلومات کا اعتراف کرتے تھے۔

پنڈت فرار ہو گیا

ایک جلسے میں سناتن دھرمیوں کے ساتھ آپ کا مناظرہ ہونے والا تھا انتظامات مکمل ہو گئے۔ اور آپ سٹیج پر تشریف لے گئے۔ آپ کے مدمقابل ایک برہمن تھا۔ جس نے استرے سے سر منڈا رکھا تھا۔ سب سے پہلے مولانا ہی کھڑے ہوئے۔ اور اس سناتنی برہمن سے خطاب کر کے فرمایا:

"پنڈت صاحب! گستاخی معاف: معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں آپ کو قتل کی سزا ملی تھی[5]!"

یہ انوکھی سی بات سن کر وہ برہمن اپنی ہندو جاتی سمیت تصویر حیرت بن

---

[1] ہندوؤں کا بڑا دیوتا [2] موت کے فرشتے [3] جنت [4] بہشت [5] ہندو قوم

گیا۔ اور تعجب کی ٹکٹکی لگا کر آپ کی طرف دیکھنے لگا۔ مولانا نے کہا حیران کیوں ہوتے ہو؟ آپ کی منو سمرتی کے آٹھویں ادھیائے میں مذکور ہے کہ "برہمن کا سر مونڈ دینا ہی قتل کے برابر ہے۔"

جونہی برہمن نے یہ الفاظ سنے۔ تو اس نے سوچا کہ جو شخص ہماری ذرا ذرا سی بات پر ہماری ہی کتابوں کے حوالوں سے نکتہ چینی کرتا ہے، وہ مناظرہ میں کیا غضب ڈھائے گا۔ پس اس نے اپنا بستہ اٹھایا اور مناظرہ کیے بغیر فرار ہو گیا۔

ایک فیصلہ

ایک دفعہ امرتسر میں کسی برہمن نے ایک کھشتری[1] لڑکی کے ساتھ زنا کیا جس پر بہت شور اٹھا۔ اور کھتری اس برہمن کو سخت سے سخت سزا دینے بلکہ مارنے تک آمادہ ہو گئے۔ ایک روز چند کھتری جو غالباً زانیہ کے رشتہ دار تھے۔ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ کہ "اب کیا کرنا چاہیئے؟"

آپ نے فرمایا: "بھئی ہم اس معاملے میں کوئی دخل نہیں دے سکتے۔ بہتر ہو کہ آپ اپنے مذہبی قانون کی پیروی کریں۔"

ہندوؤں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کہ نا معلوم ہمارا مذہبی قانون کیا ہے۔ اور اس بارے میں کیا کہتا ہے؟ مولٰینا نے سنا تو فرمایا: "دیکھو جی! منو سمرتی کے ادھیائے ۳۶۶ میں مرقوم ہے کہ "اگر کوئی لڑکی کسی برہمن سے زنا کرائے، تو لڑکی کو کوئی سزا نہ دینی چاہیئے۔" پھر آگے چل کر لکھا "اگر کوئی برہمن کسی کھشترانی یا ویشانی[2] سے اس کے گھر میں زنا کرے تو اس برہمن کا سر

---

[1] ہندوؤں کی ایک قوم [2] ہندوؤں کی ایک ذات

بھی نہیں مونڈنا چاہیئے"۔ یعنی کوئی سزا نہ دینی چاہیئے۔ سو معاملہ صاف ہے جس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ہم کیا رائے دیں؟ اتنا کچھ سن کر ہندو چپ سادھے واپس چلے گئے۔

اسلام کی دعوت

ایک مجلس میں آپ وعظ فرما رہے تھے۔ کہ ایک اچھوت لیڈر کے پاس دو چار مہاجن[1] آ بیٹھے۔ مولانا وعظ سے فارغ ہوئے۔ تو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مہاجنوں سے فرمایا:

"لالہ صاحبان! آپ اس شودر (اچھوت) کو سزا دیتے ہی بنے گی۔ سامعین کچھ حیران سے ہوئے تو فرمایا کہ "منوجی کا قانون ہے کہ" اگر کوئی شودر کسی دوِج کے برابر بیٹھے تو اس کی کمر میں داغ دے کر گاؤں سے باہر نکال دیا جائے یا اس کے چوتڑوں کو تھوڑا سا کاٹ دیا جائے":

مہاجنوں نے سمجھا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں۔ مولانا نے متانت سے کہا: "صاحبو! اسے ٹھٹھا نہ سمجھو یا تو منو کے قانون ماننے سے انکار کردو یا اس کے کہنے پر پورا عمل کر کے دکھاؤ۔ اگر نہیں تو ہم آپ کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اسے قبول کرو۔"

ہندوؤں نے آپ کی گرفت سے چھوٹنا مشکل سمجھا۔ تو ہاتھ باندھ کر سلام کیا۔ اور ٹال مٹول میں چند منٹ گزار کر چلے گئے۔

اسلامی پردہ

ایک جلسے میں آپ پردہ نسواں کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔ آپ

[1] سوداگر

نے اسلامی پردے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ نے ہر مسلم عورت کو پردہ کرنے کی یہاں تک تاکید فرمائی ہے۔ کہ وہ اپنے خاوند کے بھائیوں سے بھی پردہ کرے۔ اور بے حجاب ان کے سامنے نہ آئے۔"

اس پر ایک پڑھا لکھا ہندو بول اٹھا "ہائیں! مولوی صاحب!! آپ دیور اور جیٹھ سے بھی پردہ کراتے ہیں؟"

مولانا نے فرمایا: "جی نہیں لالہ صاحب! ہم آپ کی بات نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو سمجھا رہے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں کہ وید بھگوان نے آپ کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ ــــ" اے بیوہ عورت! اپنے مرے ہوئے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیور کو قبول کر۔ اور اس سے اولاد پیدا کر جو تیرے اصلی خاوند ہی کی کہلائے گی۔"

لالہ جی نے کچھ خفگی سی ظاہر کر کے حوالہ مانگا۔ تو حضرت نے فرمایا: "رگوید دسواں منڈل اٹھارھواں سوکت کا آٹھواں منتر دیکھیے سب کچھ روشن ہو جائے گا۔" ٹھیک ہے لالہ جی آپ کے ہاں دیور کا بڑا مرتبہ ہے۔ اور اسی لیے اس کی اولاد خاوند ہی کی اولاد کہلاتی ہے۔

ہنود کا خدا

کسی محفل میں ہندو بیٹھے تھے اور مسلمان بھی۔ اور سب سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک ہندو نے پوچھا "مولوی صاحب! یہ جو عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ کیا سچ مچ خدا نے ان کو جنا تھا؟"

آپ نے فرمایا: "انجیل میں یہ تو لکھا نہیں دیکھا۔ کہ خدا نے کبھی مسیحؑ کو جنا

ہو۔ البتہ ایک روز میں آپ کی مذہبی کتاب "گوپت برہمن" کے پہلے ادھیائے کا دوسرا منتر پڑھ رہا تھا کہ اس میں مجھے یہ عبارت دکھائی دی ـ" ہمارے گھر بھگوان کا مادارن نہ کرنا۔ پرماتمانے کشٹ[1] اٹھا کر سوسٹی کو پیدا کیا"۔

یہ الفاظ سن کر اس ہندو نے تو سر چھپانے کے لیے ادھر اُدھر جھانکنا شروع کر دیا، مگر مسلم حاضرین نے اس کا مطلب سمجھانے کی درخواست پیش کر دی۔

مولانا نے فرمایا: "اس منتر کے معنی یہ ہیں، کہ کوئی صاحب اپنے خدا بھگوان پرماتما اور ایشور وغیرہ کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ اپنا حمل ہمارے گھر ہرگز نہ گرانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ پرمیشور صاحب نے بڑی تکلیف اٹھا کر دنیا کو پیدا کیا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اہل ہنود کا خدا "حاملہ" ہوتا اور جنتا ہے اور وضع حمل کی تکلیف اٹھاتا ہے"۔

الغرض کفار و مشرکین کے ساتھ اس قسم کی نوک جھونک، بحث و تمحیص کا سلسلہ عمر بھر آپ نے جاری رکھا۔ اور ایسے نپے تلے الفاظ میں ان پر اعتراض کیے۔ اور ایسے دندان شکن جواب ان کو دیئے کہ آپ سے مقابلہ و مناظرہ کرنے کو ان کا حوصلہ ہی نہ پڑتا تھا۔ اور اکثر اوقات وہ آپ کے ایک دو لطیف نکتے سن کر بغیر مناظرہ کیے بھاگ جاتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اسلام کی برتری کے لیے کرتے۔

بہائی مذہب کی تردید

عیسائیوں، مرزائیوں، سناتنیوں، آریوں، ست دھرمیوں وغیرہ کی طرح حضرت مولانا نے کئی دوسرے مذاہب مخالفِ اسلام سے بھی مباحث

[1] دیوی کا استعمال ۲ دکھ، سختی ۳ دنیا۔

کیئے۔ ان کے اعتراضوں کے مدلّل و مسکت جواب دیئے اور اس طرح دین متین کی وہ خدمات سرانجام دیں جن کی مثال دورِ حاضر میں ڈھونڈنا محال ہے۔

بعض اوقات بابیوں اور بہائیوں نے بھی آپ سے بحثیں کیں۔ اور مرحوم و محترم نے ان کو بدلائل قاطع ایسا خاموش کیا کہ پھر ان کو سر اٹھانے اور فتنہ پھیلانے کی بہت کم جرأت ہوئی۔

ایک دفعہ کسی بہائی نے آپ سے تبادلہ خیال کیا۔ اور کہا کہ "ہم (بہائی) تو جناب بہاء اللہ کو نبوۃ کے آسمان پر نہیں چڑھاتے۔ بلکہ ان کی مظہریت کے قائل ہیں"۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔ ارے بھائی! تم لاہوری مرزائیوں کی طرح مدعیٔ نبوت کے دعاوی کو توڑ مروڑ کر پیش نہ کرو۔ دیکھو بہاء اللہ صاحب اپنی معروف کتاب "البلاغ المبین" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"قُلْ اَتَعْتَرِضُوْنَ عَلَى الَّذِيْ جَآءَكُمْ بِبَيِّنَاتِ اللّٰهِ وَ بُرْهَانِهٖ وَحُجَّتِهٖ وَاٰيَاتِهٖ اِنْ هِيَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ بَلْ مِنْ لَّدُنْ مَنْ بَعَثَهٗ وَاَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ وَجَعَلَهٗ سِرَاجًا لِّلْعَالَمِيْنَ؟ یعنے اے بہاء اللہ! کہہ دو کیا تم اس پر اعتراض کرتے ہو جو کھلے کھلے نشان اور دلائل اور حجت اور آیات لے کر آیا ہے۔ یہ باتیں اس کی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہیں جس نے اس کو مبعوث کیا۔ سچائی کے ساتھ بھیجا۔ اور تمام جہانوں کے لیے ایک چراغ روشن بنایا"۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ رسالت کے مدعی تھے اور خود کو نبی اور رسول کہتے تھے۔

فہم وادراک کا کمال یہ تھا۔ کہ ذرا کسی نے کسی بات پر اعتراض کیا، تو اس کا جواب اس کی مذہبی کتابوں سے دے دیا۔ اور ایسا دندان شکن، کہ پھر سے منہ کھولنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ دیکھنے اور سننے والے آپ کے تبحّر علمی پر حیران ہوتے۔ رشک کرتے۔ اور ان کے سامنے اپنی بے بسی و فرومایگی کا اعتراف کرتے۔ آپ کے بڑے بڑے معاصرین نے بھی آپ کی فضیلت و علمیت کی تعریف کی ہے۔ جو کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کیا تھا، اس کو آپ نے باحسن طریق سر انجام دیا۔ اور اس نازک ترین دور میں جب کہ ہر طرف سے دشمنان دین اسلام کو فنا کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ آپ نے دین حنیف کو حملوں سے بچایا اس کا نام اچھالا اور اس کو نئی زندگی بخشی۔

اسلام کی اشاعت و خدمت

درس قرآن و حدیث

غیر مذاہب سے بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رکھنے کے علاوہ آپ قریباً روزانہ اپنی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ چونکہ اہل اسلام پر کفار و مشرکین کے عقائد اثر انداز تھے اور وہ ہندوؤں اور مسیحیوں کے مذہبی خیالات سے متاثر ہو کر خدا تعالےٰ کی توحید کو ایک حد تک فراموش کر چکے تھے۔ اس لیے آپ نے کتاب و سنت کے بقا اور توحید الٰہی کے احیاء کے لیے دیگر تبلیغی سلسلوں کے علاوہ درس

بھی جاری رکھا۔ جس میں رموز قرآنی و نکاتِ حدیث نبوی بیان ہوتے تھے۔ معترضین کے اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کا جواب دیا جاتا اور غیر مذاہب کے لوگ اسلام پر جو حملے کرتے تھے، ان کا استیصال کیا جاتا۔ بعض اوقات غیر مسلم بھی اس درس میں شریک ہوتے، اعتراض کرتے، بحث چھیڑتے اور مولانا سے مدلل جواب سنتے تھے۔

خطبات جمعہ

درس قرآن تو عموماً روزانہ ہوا کرتا۔ لیکن آپ باقاعدگی سے جمعہ کا خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کے خطبات ان ملاؤں، نام کے واعظوں اور رقل اعوذیئے اماموں کی طرح نہ ہوتے تھے کہ کسی چھپے ہوئے مجموعہ سے کچھ عربی عبارت پڑھی۔ ایک دو بدعات بتائیں حکایات سنائیں اور دو ٹکریں مار کر چلتے بنے۔ نہ خطیب نے سمجھا کہ کیا سنایا ہے نہ سامعین نے جانا کہ کیا سنا ہے۔

حضرت مولانا کے خطبے علم و عرفان کے بہتے ہوئے دریا ہوتے تھے۔ جو خشک و مردہ پودوں کو شاداب کر دیتے تھے۔ آپ ان خطبات میں کتاب و سنت، توحید و رسالت کی تبلیغ کے علاوہ شرک و بدعت کی تردید بھی کرتے۔ اور ملک میں مخالفین اسلام یا گم کردہ راہ لوگوں نے جو دین متین کو کوئی نقصان پہنچانے کی تحریک شروع کر رکھی ہو تو سامعین کو اس سے آگاہ کرتے۔ اور اس سے بچنے اور اس کو روکنے کی تدبیریں بتاتے۔ علاوہ ازیں حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے، ملکی و غیر ملکی منتخب خبریں سناتے۔ غرض آپ کا خطبہ ایک جامع و پرتاثیر خطبہ ہوتا تھا۔ جسے حاضرین بڑی توجہ اور دلچسپی

سے سنتے اور سیر نہ ہوتے تھے۔

چونکہ آپ کی زندگی مذہبی امور کے لیے وقف تھی۔ اور خدمتِ اسلام آپ کا مقصدِ حیات تھا۔ اس لیے تمام دینی فرائض مہمّہ کی انجام دہی میں آپ بصد شوق پیش پیش رہتے۔ اور ان میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ آپ نے مذہبیات ایسے خشک موضوع میں کچھ ایسی تازگی و شادابی پیدا کی کہ اہلِ ذوق اور اہلِ ایمان آپ کی تقریروں اور خطبوں کو سننے کے لیے دیوانہ وار لپکتے اور دوڑتے تھے۔ اور یہ وہ خوبی تھی جو عہدِ حاضر میں بہت کم علماء و واعظین، خطباء و مقررین میں پائی جاتی ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

آپ کی تصانیف

ازبسکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو خدمتِ دین کے لیے مامور فرمایا تھا۔ اس لیے تعلیم و تدریس سے فراغت پا کر آپ اس فرض کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔ چند روز مدارس مختلفہ میں معلمی بھی کی۔ مگر اس سے وہ مقصد پورا نہ ہو سکتا تھا۔ جس کے لیے خالق اکبر نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا۔ لہٰذا آپ نے تمام مشاغل سے منہ موڑ کر صرف اشاعت و تبلیغِ اسلام اور خدمتِ دین و ملّت کا بیڑا اٹھایا، اور ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

طرزِ تحریر

اندازِ تکلم کی طرح آپ کا طرزِ تحریر بھی بہت شیریں، نرم، جاذب، دلچسپ اور مؤثر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی لفظ پایۂ ثقاہت سے گر جائے۔ اعدائے بدباطن کی ناپاک کتابوں کے جواب ایسی حلاوت، لینت اور خلق و تہذیب سے لکھے کہ مخالف بھی عش عش کر اُٹھے۔ چنانچہ "رنگیلا رسول" ایسی دلآزار کتاب کا جواب "مقدس رسولؐ" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اور اس انداز میں کہ دشمن بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرح پنڈت دیانند کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کا جواب "حق پرکاش" کے نام سے لکھا اور اسلام کے روائتی اخلاق کو اجاگر کر کے ثابت کر دیا کہ دینِ محمدؐ زہر کا جواب شہد سے دیتا ہے اور بدخلقی کا جواب حسنِ خلق سے پیش کرتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی اقسام

آپ کی تصنیفات اور ان کی تقسیم

حضرت مولانا کی تصنیفات کو (۶) چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جس کا مختصر نقشہ درج ذیل ہے

۱۔ وہ کتابیں جو عامۃ المسلمین کے لیے تصنیف فرمائیں مثلاً قرآن اور دیگر کتب۔ دلیل القرآن۔ تعلیم القرآن۔ قرآنی قاعدہ ثنائیہ۔ خصائل النبیؐ اتباعِ رسولؐ۔ خلافتِ محمدیہ۔ خلافتِ رسالتؐ۔ عبادات مسنونہ، کلمۂ طیبہ، ہدایت الزوجین۔ السلام علیکم۔ شریعت اور طریقت۔ رسوم اسلامیہ۔ الفوز العظیم۔ اسلام اور برٹش لاء، مائۃ ثنائیہ، ثنائی پاکٹ بک وغیرہ۔

۲۔ وہ کتابیں جو مقلّدین کی ہدایت اور اہل حدیث کی حمایت میں لکھی گئیں مثلاً — فتوحات اہل حدیث۔ اہلحدیث کا مذہب۔ حدیث نبوی اور تقلید شخصی و سلفی۔ تنقید تقلید۔ اجتہاد و تقلید۔ معقولات حنفیہ۔ آمین۔ رفع یدین معہ ضمیمہ فاتحہ خلف الامام وغیرہ۔

۳۔ وہ کتابیں جو مرزائیت کی تردید میں تحریر ہوئیں مثلاً فیصلہ مرزا نکاتِ مرزا، تاریخ مرزا، نکاح مرزا۔ الہامات مرزا۔ عقاید مرزا۔ چیستانِ مرزا۔ علمِ کلام مرزا۔ عجائبات مرزا۔ شہادتِ مرزا۔ بہاء اللہ اور مرزا، محمد قادیانی۔ فتح ربانی۔ فاتح قادیان۔ شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان، فسخ نکاح مرزائیاں[1]۔ مکالمہ احمدیہ وغیرہ۔

۴۔ وہ کتابیں جو آریہ سماج کے رد میں تالیف کی گئیں حسب ذیل ہیں؛ حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش۔ مقدس رسولؐ بجواب رنگیلا رسول۔ تُرکِ اسلام بجواب تَرکِ اسلام۔ اصول آریہ۔ جہاد وید۔ حدوثِ وید۔ الہامی کتاب۔ کتاب الرحمٰن۔ الہام۔ القرآن العظیم۔ سوامی دیانند کا علم و عقل۔ حضرت محمدؐ رشی۔ بحث تناسخ۔ ہندوستان کے دو ریفارمر۔ شادی بیوگان اور نیوگ۔ نکاح آریہ۔ نمازِ اربعہ وغیرہ۔

۵۔ وہ کتابیں جو عیسائیت کی مدافعت میں تصنیف ہوئیں مندرجہ ذیل ہیں — توحید و تثلیث۔ تقابل ثلاثہ۔ جواباتِ نصاریٰ۔ آئینہ تثلیث یا تین خداؤں کی حقیقت۔ اسلام اور مسیحیت۔

۶۔ کلام اللہ شریف کی تفاسیر۔ حضرت مولانا مرحوم کا سب سے بڑا اعجاز

---

[1] یہ کتاب صرف "دفتر اہلحدیث" کی طرف سے شائع ہوئی مولانا کی تصنیف نہیں ہے۔ (رخادم)

یہ ہے کہ آپ نے قرآن عظیم کی چار عظیم تفسیریں لکھیں اور ہر تفسیر کا انداز جداگانہ رکھا۔ اور ہر ایک میں فرقان حمید کے ایسے رموز و نکات بیان فرمائے کہ آپ سے اختلاف رکھنے والے بھی آپ کے کمال فن اور علم و فضل کا لوہا مان گئے۔ ان تفسیروں کے نام یہ ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن۔ یہ آپ کی عربی تفسیر ہے۔ اس میں آپ نے ہر آیت کا ترجمہ دوسری آیات سے کیا ہے۔ یعنی کلام اللہ کی تفسیر کلام اللہ ہی سے فرمائی ہے۔ اکثر مشاہیر علماء اسلام نے اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور مولانا کی حسن بیانی کی داد دی ہے[1]۔

۲۔ تفسیر ثنائی: یہ تفسیر اردو میں ہے۔ اور آپ کے تبحّر و تفضّل کو اجاگر کرتی ہے۔

۳۔ تفسیر بیان القرآن علی علم البیان۔ آپ نے یہ تفسیر علم بیان کے مطابق تحریر فرمائی ہے۔ اور قرآن کریم کی عظمت، فصاحت و بلاغت اور سحر بیانی ثابت کی ہے۔

۴۔ تفسیر بالرائے۔ اس تفسیر میں مخالفین اسلام مثلاً بابیوں، بہائیوں، مرزائیوں وغیرہ کی غلط تفسیروں کی بدلائل قرآن تردید کی گئی ہے۔

---

[1] بعض علمائے کرام نے اس تفسیر سے اختلاف کیا ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے (خادم)

آپ کی تصانیف کا مختصر تعارف

(نوٹ چونکہ اس عنوان کی ضرورت تھی اس لیے ہم نے اس کا اضافہ کیا ہے ۔ فاروقی)

اندازہ ہے کہ حضرت مولانا نے کوئی ڈیڑھ سو کے قریب چھوٹی بڑی کتب لکھیں، جو تقریباً تمام ضروری موضوعات پر حاوی ہیں۔ یہ کتب اس قابل ہیں، کہ ان کا تعارف حاصل کیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کو بالعموم اور جماعت اہلحدیث کو بالخصوص اسلام کے اس عظیم فرزند اور اپنے عہد کے ابن تیمیہ کی علمی محاذ آرائیوں کا پتہ چل سکے۔ علاوہ ازیں یہ کتب اس قابل ہیں کہ ہر عالم دین کے دارالمطالعہ کی زینت ہوں اور مدارس کے نصاب میں داخل ہوں۔

جمعیت اہلحدیث پاکستان کو "جمعیت اہلحدیث لائبریری" اور "جمعیت اہلحدیث چھاپہ خانہ" کا انتظام کرنا چاہیئے۔ لائبریری میں شروع سے لے کر آج تک ہر اہلحدیث عالم کی کتب ہونی چاہئیں۔ اور پریس میں علمائے اہلحدیث کی طباعت کا معقول بندوبست ہونا چاہیئے۔ آج ہمارے علماء کی گرانقدر تصنیفات نایاب بلکہ مفقود ہو رہی ہیں۔ ان کی صحیح تعداد کا علم تو رہا الگ جو کتب دستیاب ہیں، اعیانِ اہل حدیث کو ان کی بھی پوری خبر نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

ہمارے ناقص خیال میں جماعت کا ایک "شعبہ تصنیف و تالیف" بھی ہونا چاہیئے جو دیگر اہم امور کے ساتھ سابقہ کتب کی تخریج کرے، انہیں جدید جامہ پہنائے اور جہاں سے بھی توحید و سنت کے خلاف آواز اٹھے یا کتاب چھپے فوراً اس کا نوٹس لے اور بلا تاخیر اس کا رد اور جواب شائع کرے۔

ویسے ہم ذاتی طور پر اس قسم کا پروگرام بنا رہے ہیں تاکہ یہ اہم کام کیے جا سکیں۔ آپ دعا کریں خدا ہماری مدد فرمائے۔ آمین! لیکن اگر یہ جماعتی سطح پر ہو تو زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ حضرت مولانا امرتسریؒ کی تمام کتب کا سراغ لگایا جائے۔ سعی بسیار کے باوجود ہم ایک سو پندرہ سے اوپر کا کھوج نہیں لگا سکے۔ اللہ بھلا کرے ہمارے مکرم دوست جناب ملک عبدالرشید عراقی سوہدروی کا کہ انہوں نے تحقیق و تفحص سے ۱۳۱ کتب کا کھوج لگایا ہے۔ مگر اس کے بارے میں بھی آپ لکھتے ہیں:

"جہاں تک میری رسائی ہو سکی مولانا کی ۱۳۱ تصانیف کا پتہ چل سکا ہے۔" (تذکرہ ابوالوفا ص ۵۴)

یہ وہ شخص لکھ رہا ہے کہ جس کی جماعتی لٹریچر پر اچھی خاصی نظر ہے اور جس کا شب و روز کا کام تحقیق و تفحص اور مطالعۂ کتب ہے۔ ہم داد دیتے ہیں محترم عراقی صاحب کو کہ انہوں نے تحقیق کے بعد اتنا تو بتا دیا کہ حضرت مولانا کی ۱۳۱ کتب تک رسائی ہو چکی ہے۔ لیکن ۱۳۱ میں سے سولہ کتب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"درج ذیل کتب جو دستیاب نہیں ہو سکیں، ان کا مختصر تعارف اشتہارات سے پیش کیا گیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

مجموعہ رسائل متعلقہ ہنود و قرآن، تعلیم الاسلام، رسائل اعجازیہ اتباع سلف، تحفۂ مرزائیہ، خلافت محمدیہ، الفوز العظیم، اربعین ثنائیہ، میل ملاپ، قرآنی قاعدہ ثنائیہ، مائتہ ثنائیہ، شریعت و طریقت، ادب العرب، التعریفات النحویہ، عزت کی

زندگی، ستماکم المسلمین۔" (تذکرہ ابوالوفاء، ص۱۷۵)

مطلب یہ کہ حضرت مرحوم کی مندرجہ بالا کتب، جن کی تعداد سولہ تک پہنچتی ہے انہیں دستیاب نہ ہوسکیں — آپ خود فرمایئے کہ کیا یہ المیہ نہیں کہ وہ عبقری اور نابغۂ عصر جیسے شیخ الاسلام، امام المناظرین، فاتحِ قادیان اور سردارِ اہلحدیث جیسے خطابات دیئے گئے ہوں آج ہم اس کے علمی شہ پاروں تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت مغفور کی الگ علمی یادگار قائم کرنا تو رہا الگ، ہم ان کی تصنیفات کا تحفظ نہیں کرسکے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جو کتب آپ کی دوبارہ طبع ہوئی ہیں ان کا معیار طباعت اتنا پست ہے کہ انہیں دیکھ کر طبیعت جھنجھلا اٹھتی ہے لیکن یہ بھی غنیمت ہے کہ بعض اداروں نے ادھر کچھ تو توجہ کی ہے فجزاہم اللہ علمائے اہلحدیث کی تصنیفات کی یہ زبوں حالی کم از کم ایک زندہ و متحرک جماعت کو زیب نہیں دیتی۔ جماعت کو اس سلسلے میں عزم جواں اور ولولہ نو لے کر آگے بڑھنا چاہیئے۔ اور ایک تحریک کی صورت میں یہ کام کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کرنے کا کام ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تصنیفات کی تبویب و تقسیم بمطابق عراقی صاحب حسب ذیل ہے:۔

نمبر شمار	موضوعات	تعداد
۱	تفاسیر قرآن مجید و متعلقاتہ	۷
۲	تردید عیسائیت	۶
۳	تردید آریہ	۳۲

تعداد	موضوعات	نمبر شمار
۳۶	تردید قادیانیت	۴
۱۱	تردید مقلدین جامدین	۵
۵	حمایت اہلحدیث	۶
۱۰	تنقیدی کتب	۷
۹	عامۃ المسلمین اور اسلامی کتب	۸
۱۵	علمی و ادبی تصانیف	۹
۱۳۱	میزان جملہ کتب	

ہم افادۂ عام کے لیے ان کتب کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔ تاکہ "سیرت ثنائی" کے قارئین کو تنظر بظاہر کوئی خلا یا کمی محسوس نہ ہو۔ اور وہ کتاب ہذا کو ہر اعتبار سے تکمیل بردوش پائیں۔

تفاسیر قرآن مجید

۱۔ تفسیر ثنائی اردو

یہ تفسیر ۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۸۹۵ء میں اور آخری جلد ۱۹۳۱ء میں مکمل ہوئی۔ یعنی اس کی تکمیل پر ۳۶ برس کا عرصہ صرف ہوا۔ یہ تفسیر مختصر مگر جامع ہے۔ اس میں مناظرانہ و متکلمانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمان (عربی)

آپ نے اس تفسیر میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے کی ہے، بعض جگہ احادیث اور دوسری تفاسیر کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ دنیا بھر کے علماء نے اس تفسیر پر آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعض مدارس نے اسے داخل نصاب کر لیا۔

۳۔ آیات متشابہات

اس میں تفسیر کے آداب، اسالیب اور اصول و قواعد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ بیان القرآن علی علم البیان (عربی)

اسے آپ نے عربی ادب، علوم لسانیہ، صرف و نحو، لغت، معانی و بیان وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر لکھا۔ تفسیر کے شروع میں ایسے متعدد اصول و قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کی مثالیں قرآن سے دی گئی ہیں۔ لیکن یہ نادر تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔

۵۔ تفسیر بالرائے (اردو)

آپ نے اس تفسیر میں سرسید احمد خاں، مولوی احمد الدین امرتسری، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی حشمت علی، ڈپٹی عبداللہ خان، مرزا غلام احمد قادیانی، مرزا بشیر الدین محمود، مولوی محمد علی لاہوری، شیخ بہاء اللہ ایرانی، مولوی مقبول احمد شیعہ اور علامہ عنایت اللہ مشرقی کی تفاسیر کا جائزہ لیا۔

۶۔ برہان التفاسیر بجواب "سلطان التفاسیر"

یہ تفسیر پادری سلطان محمد پال کی تفسیر "سلطان التفاسیر" کے جواب میں ہے، جو قسط وار "اہل حدیث" امرتسر میں شائع ہوتی رہی۔

۷۔ تشریح القرآن

اس رسالہ میں قرآن کریم کے چیدہ چیدہ مقامات کی بڑی عمدہ تشریح کی گئی ہے۔

نوٹ

علاوہ ازیں آپ نے دلیل الفرقان، دلیل القرآن اور تعلیم القرآن نام سے کچھ مفید عام رسالے بھی لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔

۲۔ تردید عیسائیت

حضرت مولانا کی دوسری قسم کی تصنیفات کا موضوع تردید عیسائیت ہے۔ آپ کے دور میں عیسائی مشنری اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور قریہ قریہ گھوم پھر کر ان پڑھ اور دین سے بے بہرہ، انگریزی خواں طبقے کو بہلا پھسلا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولینا مرحوم تقریری کے علاوہ تحریری میدان میں اترے۔ اور آپ نے عیسائیت کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور عیسائیت کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی مندرجہ ذیل کتب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ تقابل ثلاثہ

یہ کتاب دو مرتبہ طبع ہوئی یہ شہرۂ آفاق کتاب ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ پادری ٹھاکر دت کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کے جواب میں ہے۔ اس میں نہایت خوبصورت پیرایہ میں انجیل اور تورات پر قرآن مجید کی برتری ثابت کی گئی ہے۔

۲ - توحید، تثلیث اور راہ نجات

اس مختصر اور مدلّل رسالے کا موضوع ظاہر ہے۔ اس رسالے میں توحید کا صحیح تصور اور حقیقی راہِ نجات یعنی اتباع اسوۂ رسولؐ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بتایا ہے کہ عیسائیت کی بیان کردہ راہ نجات ناقابلِ عمل ہے۔

۳ - جواباتِ نصاریٰ

یہ شاندار رسالہ اب تک تین مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس میں عیسائیوں کی تین مایہ ناز کتابوں "حقائق قرآن" "اثبات تثلیث" اور "میں کیوں مسیح ہوا؟" کا دندان شکن جواب ہے۔

۴ - مناظرہ الٰہ آباد

یہ وہ تحریری مناظرہ ہے جو آپ نے عیسائیوں کے امام المناظرین یعنی پادری عبدالحق سے کیا۔ اس کا موضوع توحید و تثلیث ہے۔ اس مناظرے نے عیسائی محلات کی بنیادیں ہلا دیں۔

۵ - اسلام اور مسیحیت

یہ مستند و مفصّل کتاب چار مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ یہ کتاب قصرِ عیسائیت پر ایٹم بم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ کتاب مذکور میں حضرت مولانا نے عیسائیوں کی تین کتابوں "توضیح البیان فی اصول القرآن" (اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام عالمگیر دین نہیں ہے) "مسیحیت کی عالمگیری" "دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟" پر تبصرہ فرمایا ہے۔ مگر اس میں آپ نے اسلام اور قرآن مجید سے اس حسن و کمال سے دفاع فرمایا ہے کہ شاید و باید۔

۶ - تفسیر سورۂ یوسف اور تحریفاتِ بائیبل

آپ نے اس کتاب میں بائیبل کے مختلف ایڈیشنوں کے حوالے سے بتایا

ہے کہ پادریوں نے ہر زمانے میں بائیبل میں تحریف کی ہے۔

۳۔ تردید آریہ

آریہ سماج ہندوؤں کی ایک متشدّد مذہبی تنظیم ہے۔ اس کا بانی سوامی دیانند ہے۔ اس نے اسلام اور قرآن پر بڑے زہریلے اعتراضات کیے۔

حضرت مولانا نے جہاں آریہ سے تقریری جہاد کیا وہاں ان سے تحریری جہاد بھی فرمایا۔ آپ نے آریہ کے خلاف تقریباً ۳۲ رسائل و کتب لکھیں۔ جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

۱۔ حق پرکاش

یہ کتاب اردو، عربی وغیرہ میں اب تک دس بار شائع ہو چکی ہے۔ یہ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کا جواب ہے۔ اس میں ستیارتھ کے قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات کے ناقابل تردید جواب دیئے ہیں۔ مولانا کے علاوہ دنیا بھر سے اس کا کسی نے جواب نہ دیا۔ کیونکہ پھر جواب کی کسی نے ضرورت ہی محسوس نہ کی۔

۲۔ کتاب الرحمٰن

مولانا نے یہ کتاب آریہ سماج کے ایک منہ پھٹ پنڈت دھرم بھکشو کی کتاب "کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟" کے جواب میں لکھی۔ "کتاب الرحمٰن" کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:۔

"مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب "کتاب الرحمٰن" مناظرانہ رنگ

میں دلآویز ہے۔"

۳۔ تُرکِ اسلام

یہ گرانقدر کتاب چھ مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ یہ نو آریہ دھرم پال کے رسالہ "تُرکِ اسلام" کے جواب میں ہے۔ دھرم پال نے اپنی کتاب میں اسلام پر ۱۱۶ اعتراضات کئے۔ مولانا ان سب اعتراضات کا "تُرکِ اسلام" کے نام سے جواب شائع کیا۔ جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور دھرم پال جو مرتد ہو چکا تھا دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

۴۔ حدوث وید

آریہ کہتے ہیں کہ الہامی کتاب کے لیے قدیم ہونا شرط ہے۔ چونکہ قرآن قدیم نہیں۔ لہٰذا یہ الہامی کتاب نہیں۔ مولانا نے اس کتاب میں "وید" کی اندرونی شہادتوں سے اس اصول کو توڑا اور اس دعویٰ کی خوب تردید فرمائی۔

۵۔ مباحثہ دیوریا

یہ آپ کا مطبوعہ مناظرہ ہے۔ یہ مناظرہ تحریری ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی تھا۔ موضوع مناظرہ "وید اور قرآن میں سچا کون ہے؟" اس مناظرہ پر پانچ پانچ پرچے لکھے گئے۔ اس مناظرہ میں مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالحق حقانی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا شاہ عین الحق پھلواری جیسے علماء تشریف فرما تھے۔ اس مناظرہ نے آریہ سماج کی کمر توڑ دی۔

۶۔ شادی اور بیوگان نیوگ[۲]

یہ رسالہ چار مرتبہ طبع ہوا۔ اس رسالہ میں آریہ کی شادی بیاہ کی بیہودہ رسومات پر بحث کی گئی ہے۔

---

[۱] اسلام کا سپاہی [۲] حصولِ اولاد کی ہندوانہ رسم

۷۔ حدوث دنیا

یہ رسالہ تین مرتبہ چھپا۔ آریہ کا نظریہ ہے کہ دنیا حادث نہیں قدیم ہے۔ یہ ایک غلط نظریہ ہے۔ جس پر ان کے اور غلط نظریات مثلاً نظریہ تناسخ اور وید الہامی کتاب ہے وغیرہ۔ کا انحصار ہے۔ آپ نے لالہ وزیر چند سے اس موضوع پر مناظرہ کیا۔ جو کتاب مذکور کے نام سے چھپا۔

۸۔ الہام

یہ رسالہ دو مرتبہ طبع ہوا۔ آریہ کا خیال ہے کہ مسلمان الہام کے مفہوم سے یکسر ناآشنا ہیں۔ اس رسالہ میں ان کی اس غلط فہمی کا بڑی خوبی سے ازالہ کیا گیا ہے۔

۹۔ الرکوب فی السفینہ فی مباحثۃ النگینہ

نگینہ (بجنور) میں آریوں کا بڑا زور تھا۔ آخر ایک دفعہ مسلمانوں کا آریوں سے مناظرہ ٹھن گیا۔ مولانا امرتسری کے مقابلے میں ماسٹر آتما رام، پنڈت کرپارام اور لالہ وزیر چند ایڈیٹر "آریہ مسافر" لائے گئے۔ اس مناظرہ میں مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا احمد حسن امروہی جیسے بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ تینوں مناظر شکست کھا گئے۔ اور حق کو فتح نصیب ہوئی۔ اس مناظرہ کا مفصل ذکر "مباحثات و مناظرات" میں آ رہا ہے۔ اس میں متعدد ہندو اور مرتد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ کتاب مذکور ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں اس مناظرہ کی جملہ تفصیلات درج ہیں۔

۱۰۔ سوامی دیانند کا علم و عقل

یہ رسالہ دو مرتبہ چھپا ہے۔ اس کتاب میں "ستیارتھ پرکاش" کے مصنف کے علم و عقل کا اسی کی کتاب کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۱۔ نماز اربعہ

یہ کتابچہ تین مرتبہ طبع ہوا ہے، اس میں آریہ کے علاوہ دیگر مذاہب کی نمازوں کا اسلامی نماز سے مقابلہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۲۔ تغلیب اسلام

چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ مہاشہ دھرمپال کی زہرفشاں کتاب "تہذیب الاسلام" کے جواب میں لکھی۔ اس میں اس دریدہ دہن کے اسلام پر ۶۸ اعتراضات کو ہباءً منثورًا کر دیا۔ پھر اس کا جواب لکھنے کی اسے تا زیست جرأت نہ ہوئی۔

۱۳۔ القرآن العظیم

یہ مختصر رسالہ بھی دوبارہ طبع ہوا۔ یہ دراصل ایک مقالہ تھا جو مولانا نے آریہ سماج کے ایک جلسے میں پڑھنے کے لیے لکھا تھا۔ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید الہامی کتاب ہے۔

۱۴۔ مرقع دیانند

مولانا نے ۸۸ صفحات پر مشتمل اس رسالہ میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کے نظریات کی تردید خود اس کی مقرر کردہ اصولوں سے کی۔

۱۵۔ رجم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین

یہ رسالہ دھرم پال کے رسالہ "اساطیر الاولین" کے جواب میں لکھا ہے بہت اچھا رسالہ ہے۔

۱۶۔ تیر اسلام

یہ کتاب دو مرتبہ چھپی۔ یہ دھرمپال کی نہایت زہریلی کتاب "نخل اسلام" کے جواب میں شائع کی۔ اور خلاف اسلام اعتراضات کا نہایت تسلی بخش

جواب دیا۔ دھرم پال اس کا جواب نہ دے سکا، اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ "تبر اسلام" دوسری مرتبہ ۱۹۱۱ء میں چھپی۔ اور اسی سن میں قبولِ اسلام کے بعد اس نے اپنی تمام تصنیفات ترکِ اسلام، تہذیب اسلام، اساطیر الاولین اور نخل اسلام وغیرہ نذرِ آتش کر دیں۔ "تبر اسلام" پر اخبارات نے بڑے شاندار تبصرے شائع کئے۔

۱۷۔ بحثِ تناسخ

یہ کتاب پانچ مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی یہ ایک تحریری مناظرے پر مشتمل ہے جو مولانا مرحوم کا مشہور آریہ مناظر ماسٹر آتما رام سے ہوا جس میں مولانا کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۸۔ ثمراتِ تناسخ

اس رسالے میں تناسخ کی حقیقت اور اس کے نتائج و عواقب پر بڑی خوبصورتی سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس میں مولانا نے ویدک دھرم کے ناز کو خاک میں ملا دیا۔

۱۹۔ قرآن اور دیگر کتب

اس مختصر مگر جامع رسالہ میں آپ نے وید اور انجیل وغیرہ پر قرآن کریم کی بزرگی و برتری ثابت کی ہے۔ اس موضوع پر بڑا اچھا رسالہ ہے۔

۲۰۔ جہادِ وید

آریہ جہاد کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مولانا نے اس کتابچہ میں وید سے جہاد کا ثبوت دیا ہے۔

۲۱۔ مباحثہ جبل پور

اس میں اس مباحثہ کی پوری تفصیل ہے جو مولانا مرحوم کا آریہ سماج

کے ساتھ ہوا۔ اس میں مولانا نے توحید فی الصفات، اسلام عالمگیر دین ہے، وغیرہ موضوعات پر بڑے کمال سے روشنی ڈالی۔ آپ نے آریہ سماج کی زبانیں بند کر دیں۔ مہاشہ بیر جی، پنڈت لکشمی دت اور پادری ٹامسلی جاند ساکت ہو کر رہ گئے۔

۲۲ ۔ فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ

اس مناظرہ کا "مباحثات و مناظرات" کے باب میں ذکر آ رہا ہے۔ مولانا کا یہ مناظرہ آریہ رہنماؤں شانتی سروپ اور رام چندر سے ۱۹۱۷ء میں مدرسہ قاسم العلوم خورجہ (بلند شہر) میں ہوا۔ اس مناظرہ میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا مرتضیٰ حسن مراد آبادی بھی تشریف فرما تھے۔ یہ مناظرہ تحریری تھا جو مذہب حق کی تحقیق پر تھا۔ اس میں اسلام کی نمایاں فتح ہوئی۔ مولانا انور شاہؒ نے فرمایا،

"ہم بحیثیت پنچ ہونے فتح اسلام کی ڈگری دیتے ہیں۔"

۲۳ محمد رشی[1]

اس گرانقدر رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت توراۃ انجیل اور وید سے دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ دو مرتبہ چھپا۔

۲۴ ۔ الہامی کتاب

یہ کتاب چار مرتبہ طبع ہوئی اس میں آپ کے اس مناظرے کی پوری اور مکمل روئیداد ہے جو آپ نے "ستیارتھ پرکاش" کے مترجم ماسٹر آتما رام سے کیا تھا موضوع تھا "الہامی کتاب، وید ہے یا قرآن؟" مولانا نے حریف کے تمام دلائل توڑ کر ناقابلِ تردید دلائل سے قرآن مجید کا الہامی ہونا ثابت کیا ہے۔ موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

---

[1] خدا پرست، عابد

۲۵۔ مقدّس رسولؐ

یہ کتاب لاجواب آٹھ مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں ایک گمنام آریہ نے "رنگیلا رسول" کے نام سے انتہائی زہریلی کتاب لکھی جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر بڑے رکیک حملے کیے۔ حضرت مولانا مرحوم نے "مقدس رسول" کے نام اس کا مستند اور شاندار جواب لکھا۔ اس سے مسلمانوں کو قلبی سکون نصیب ہوا۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا:

"مولانا ثناء اللہ صاحب نے یہ رسالہ لکھ کر مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔"

اخبار وکیل امرتسر نے ۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا:

"جس قدر رنگیلا رسول، اشتعال انگیز، فحش اور دائرہ تہذیب سے باہر ہے۔ اسی قدر "مقدس رسولؐ" انتہائی تحمّل، متانت اور شائستگی کو لیے ہوئے ہے۔"

اخبار زمیندار نے ۲۲ جنوری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لکھا:

"مولانا ثناء اللہ نے گندگی کا پاکیزگی سے، اندھیرے کا اجالے سے اور بدتمیزی کا سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا ہے۔"

خیال رہے کہ پورے عالم اسلام سے اس کتاب کا جواب صرف مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا۔ اور یہ جواب اس قدر شافی تھا کہ اس کے بعد "رنگیلا رسول" کا جواب لکھنے کی کسی عالم نے ضرورت ہی محسوس نہ کی، اور نہ آریوں کی طرف سے "مقدس رسولؐ" کا جواب چھپا۔

مولانا امرتسریؒ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے یقین ہے کہ خدا "مقدس رسولؐ" اور "اسلام اور مسیحیت" کی وجہ سے مجھے نجات عطا فرما دے گا۔ پہلی کتاب میں میں نے بتوفیقہٖ تعالیٰ ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دفاع کیا ہے اور دوسری کتاب میں اسلام اور قرآن مجید سے مدافعت کی ہے۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں ؎

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ
من نیز حاضر مے شوم تائید قرآں در بغل

۲۶۔ ثنائی پاکٹ بک

یہ بڑی مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔ اسے عنقریب ہم بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس میں جہاں مختلف مذاہب کا تعارف کرایا گیا وہاں آریہ سماج کے بارے میں معلومات بہم پہنچائے ہیں۔

۲۷۔ نکاح آریہ

آپ نے اس میں نکاح آریہ اور اس میں موجودہ قباحتوں کی نشاندہی کی ہے۔ اور ساتھ ہی اصلاحات اور اسلامی نکاح اور اس کے فوائد بتائے ہیں۔

۲۸۔ اصول آریہ

یہ رسالہ دو مرتبہ چھپا۔ اس میں مادہ، روح اور سلسلۂ کائنات کے حدوث پر عقلی دلائل سے شاندار بحث کی گئی ہے۔

۲۹۔ ہندوستان کے دو ریفارمر

اس رسالہ میں ہندوستان کے دو مدعیانِ اصلاح ریفارمرز یعنی سوامی دیانند سرسوتی (قائد آریہ سماج) اور مرزا غلام احمد قادیانی (قائد امت مرزائیہ) کی لچر بیانیوں کے نمونے دکھائے گئے ہیں اور بتایا ہے جو قائد بذاتِ خود

اخلاق وشائستگی سے عاری ہوں وہ دوسروں کی اصلاح کیوں کر کر سکتے ہیں۔

۳۰۔ تحریف آریہ

اس کتابچہ میں بتایا ہے کہ سوامی دیانند کی وفات کے بعد آریہ سماج نے کس طرح "ستیارتھ پرکاش" میں من مانی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ آپ نے تحریف کے جیتے جاگتے نمونے پیش کیے ہیں۔

۳۱۔ تعلیم الاسلام

اس میں دھرم پال کے گمراہ کُن مضمون کا جواب ہے۔

۳۲۔ مجموعہ رسائل بوید وقرآن

ان رسائل میں وید اور قرآن کا تقابل کر کے قرآن کی وید پہ اور اسلام کی آریہ سماج پر برتری ثابت کی ہے۔

۴۔ تردیدِ قادیانیت

قادیانیت کا فتنہ ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناسور ہے۔ یہ فتنہ اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے، قادیانیت مستقل ایک تحریک ہے جس کا کام اسلام کی جڑوں پر تیشہ چلانا ہے۔ علمائے اسلام نے اس فتنے کا نوٹس لیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جس طبقہ نے اس ناسور کو ختم کرنے کی کوشش کی وہ علمائے اہلحدیث تھے۔ اور جس شخصیت نے قصرِ قادیانیت میں دراڑیں ڈال دیں۔ اور کذاب ودجال مرزا کو آڑے ہاتھوں لیا وہ فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ تھے۔ آپ نے مناظرے، مباحثے اور مباہلے، غرض ہر میدان میں قادیانیت کو چاروں شانے چت کر دیا۔ اس کا اعتراف اہلحدیث اور

غیر اہلحدیث سبھی کو ہے۔ ایسی تفصیلات آپ کتاب ہذا میں "انگریز کے دو خود کاشتہ پودے" اور "مباحثات و مناظرات" کے زیب عنوان ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہم یہاں حضرت مولانا کی صرف تحریری خدمات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ نے قادیانی عمارت کو پیوند زمین کرنے کے سلسلے میں سرانجام دیں۔ آپ نے تردید قادیانیت کے سلسلے میں بیسیوں کتابیں لکھیں جن کتب کا ہمیں علم ہو سکا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ الہاماتِ مرزا

یہ کتاب چھ مرتبہ طبع ہوئی۔ یہ کتاب مرزا غلام احمد کی زندگی میں چار بار شائع ہوئی۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۰۱ء میں اور چوتھا ۱۹۰۶ء میں چھپا ۱۹۰۶ء میں مرزا کے خاص مرید ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ اس کتاب میں مرزا کے الہامات کا بڑی خوبصورتی سے جائزہ لیا ہے۔ اور اس کے الہامات اور پیشگوئیوں کو بدلائل جھوٹا ثابت کیا ہے۔

"الہامات مرزا" کو علماء نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے کہا:

"میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے رسالہ "الہامات مرزا" کے ملاحظہ سے جس قدر اہل حق کے لیے تقویت ہو گی اسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر مقابل کے دل میں رعب ڈالا جائے گا۔"

۲۔ ہفواتِ مرزا

اس کتاب میں مرزا کے تناقضات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا ایک غیر متوازن شخص تھا۔

۳۔ صحیفۂ محبوبیہ

حکیم نورالدین قادیانی خلیفہ خاص مرزائے قادیانی نے ایک رسالہ بنام صحیفۂ آصفیہ" لکھا۔ اس رسالے کے ذریعے نواب دکن آصف جاہ میر محبوب علی خاں کو ورغلانے کی کوشش کی۔ بیشک یہ گمراہ کن رسالہ تھا، مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں "صحیفہ محبوبیہ" لکھا۔ اس رسالہ میں مرزا کے صدق و کذب پر بحث کی۔ اس سے قادیانی جوش پر اوس پڑ گئی۔ اور ان کا اثر و نفوذ رک گیا۔

۴۔ فاتح قادیان

یہ کتاب چھ مرتبہ چھپی۔ اس میں آپ کے اس تحریری مناظرۂ لدھیانہ کی مکمل روئیداد ہے جو آپ نے قادیانی مناظر منشی قاسم علی دہلوی سے کیا یہ مناظرہ ۷ از تا ۱۲ ار اپریل ۱۹۱۲ء پانچ یوم جاری رہا۔ اس میں مولانا کو زبردست کامیابی ہوئی اور آپ نے اس میں قادیانیوں سے تین صد روپیہ انعام جیتا۔ مولانا نے اسی انعامی رقم سے یہ کتاب چھاپ کر مفت تقسیم کی۔ منصف مناظرہ سردار بچن سنگھ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی گورنمنٹ پلیڈر لدھیانہ نے اپنے فیصلہ میں آپ کو فاتح قادیان قرار دیا۔

۵۔ افتح اللہ

یہ پمفلٹ جو متعدد دفعہ چھپا اس میں مولوی محمد علی لاہوری کے رسالہ "آیۃ اللہ" کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

۶۔ فتح ربانی در مباحثہ قادیانی

اس میں ایک تحریری مناظرے کی پوری روئیداد ہے جو آپ کا قادیانیوں سے ہوا۔ موضوع مناظرہ حیات و وفات مسیحؑ اور صداقتِ مرزا تھا۔ مناظرہ

دو روز جاری رہا۔ مولانا کو زبردست کامیابی ہوئی۔

۷۔ عقائد مرزا

اس مختصر رسالہ میں مرزائے قادیانی کے ۲۰ عقائد پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ مرزا کی گمراہی میں کسی کو شک باقی نہیں رہتا۔

۸۔ مرقع قادیانی

اس میں قادیانیت کی بھرپور تردید کی ہے۔

۹۔ چیستان مرزا

یہ مختصر رسالہ تین مرتبہ چھپا۔ اس میں مرزا کے ایسے تضادات و اختلافات کو پیش کیا ہے کہ جن میں تطابق و توافق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

۱۰۔ زار قادیان

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بارے میں مرزائیوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ یہ مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق آیا ہے، مولانا نے اس میں اس خوش فہمی کا بڑا خوب ازالہ کیا۔

۱۱۔ فسخ نکاح مرزائیاں

مولانا نے اس رسالے میں ثابت کیا، کہ مرزائیوں سے کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہیں اگر کوئی کرلے تو وہ فسخ ہوگا، اپنے موضوع پر خوب رسالہ ہے دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۱۲۔ تاریخ مرزا

یہ رسالہ چار مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس میں سیرت و سوانح کی روشنی میں مرزا کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہر شخص بآسانی مرزا کے حدود اربعہ سے واقف ہو سکتا ہے۔

۱۳۔ نکاحِ مرزا

اس مختصر رسالہ میں مرزا کے نکاح سے متعلق عجیب و غریب حقائق پیش کئے ہیں۔

۱۴۔ شاہِ انگلستان اور مرزائے قادیان

اس رسالہ میں ایک الگ انداز سے مرزا کی تکذیب ثابت کی ہے۔

۱۵۔ عجائبات مرزا

اس رسالہ میں مرزا کے دعویٰ مسیح موعود پر شاندار بحث کی ہے۔

۱۶۔ قادیانی مباحثہ دکن

اس رسالہ میں سکندر آباد حیدر آباد دکن کے ایک تاریخی مباحثہ کی مکمل روئیداد ہے جو حضرت مولانا کا قادیانی قائدین سے ہوا۔ اس میں قادیانیوں کو بڑی ذلت اٹھانا پڑی۔

۱۷۔ شہادات مرزا

اس رسالہ میں دس روشن اور ناقابل تردید و تاویل دلائل سے قادیانی مذہب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اور مرزا کے دعویٰ مسیحیت کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔

۱۸۔ نکاتِ مرزا

اس معلومات افزا رسالہ میں مولانا نے مرزا کے تفسیری نکات کے نمونے پیش کیے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ دراصل میاں محمود قادیانی نے علمائے دیوبند کو اپنے مقابلے میں تفسیر نویسی کا چیلنج دیا۔ مولانا ثناء اللہ نے یہ چیلنج فوراً قبول کرلیا۔ میاں محمود نے لکھا:

"ہمارا چیلنج علمائے دیوبند کو ہے"

آپ نے لکھا: "آپ بٹالہ کی جامع مسجد میں آجائیں۔ جہاں آٹھ بجے صبح تا ۱۲ بجے مجلس ہو گی۔ جس میں اور آپ تفسیر القرآن لکھیں گے اس طرح کہ مجھ سے اور آپ سے قریب قریب دس دس گز کوئی آدمی نہ بیٹھے۔ ہمارے ہاتھ میں صرف سادہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم ہو گا۔"

مگر میاں محمود اور اس کی ذریت مقابلے میں نہ آئی۔ اس موقع پر آپ نے یہ رسالہ لکھا۔ یہ رسالہ دراصل اس موقع کی یادگار ہے۔

۱۹۔ ہندوستان کے دو ریفارمر

اس رسالہ کا "تردید آریہ" کے زیر عنوان ذکر گزر چکا ہے۔ اس میں سوامی دیانند کی بدکلامی کے ۸۹ اور مرزا آنجہانی کی دریدہ دہنی کے ۲۲ نمونے دکھائے ہیں۔

۲۰۔ محمد قادیانی

مرزا نے محمد ہونے کا دعویٰ کیا۔ مولانا نے اس رسالے میں بتایا کہ بہ جو بروزِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بنتا ہے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بھی کوئی مشابہت نہیں اور تقابل کیا ہے جس سے مرزا کی پوزیشن خوب واضح ہو جاتی ہے۔

۲۱۔ مراقِ مرزا

اس میں بتایا گیا ہے کہ مرزا مراق کا مریض تھا۔ اور اسی مراق کا اثر جگہ جگہ اس کی تحریروں میں ملتا ہے۔

۲۲۔ تعلیماتِ مرزا

یہ رسالہ تین بار طبع ہوا۔ اس میں صفاتِ مرزا، اختلافِ مرزا، کذباتِ مرزا، نشاناتِ مرزا اور اخلاقِ مرزا پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔

۲۳۔ فیصلہ مرزا

اس رسالے کی وجہ تصنیف مرزا کا اشتہار "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" ہے یہ رسالہ عربی میں چھپا۔ اس کا نام "فصل قضیۃ القادیانی" رکھا۔ مفتیٔ دمشق نے مولانا کو لکھا:

"آپ نے یقیناً ملحد و مرتد غلام احمد قادیانی اور اس کے بعد اس کی جماعت سے زبردست جہاد کیا ہے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے۔"

۲۴۔ تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار

اس میں قادیانیوں کی عیاریوں اور مکاریوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے کذب و خدع کو طشت از بام کیا ہے۔

۲۵۔ علم کلام مرزا

اس تحقیقی رسالہ میں مرزا کے علم کلام کی قلعی کھولی ہے۔ اس رسالے کی بابت مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا:

"مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کا یہ رسالہ میں نے پڑھا۔ موصوف کو مرزا صاحب کی کتابوں اور رسالوں پر جو عبور حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ مصنف سے شکایت ہے تو یہ ہے کہ اپنے موضوع پر بہت مختصر ہے۔"

۲۶۔ بہاء اللہ اور مرزا

اس رسالہ میں بتایا ہے کہ مرزائے قادیانی، بہاء اللہ ایرانی کا خوشہ چین ہے۔ دونوں میں کافی مطابقت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

۲۷ عشرہ کاملہ

اس کتاب میں ۱۰ فصلیں ہیں۔ اور ہر فصل میں ۱۰ دلائل ہیں۔ اس کتاب میں قادیانی مذہب کی ہنڈیا چوراہے میں پھوڑی ہے اور یہ مذہب سب کے سامنے آشکارا کر دیا ہے۔

۲۸ اباطیل مرزا

اس میں چند ایسے مضامین جمع ہیں جن سے مرزا کا دجل اور کذب ظاہر ہوتا ہے۔

۲۹۔ تحفہ احمدیہ

اس رسالہ میں مرزا اور قادیانی اکابرین کی تحریروں کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ مرزا کی آسمانی نکاح والی پیش گوئی پوری نہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ مرزا جھوٹا ہے۔

۳۰۔ مکالمہ احمدیہ حصّہ اوّل

اس رسالہ میں لاہوری اور قادیانی گروہ کے مابین اختلافات و نزاعات کی ایک جھلک پیش کی ہے۔

۳۱۔ بطش قدیر برقادیانی تفسیر کبیر

اس رسالہ میں مرزا محمود کی "تفسیر کبیر" کا دس۱۰ مقامات پر تعاقب کیا۔ اور ثابت کیا کہ یہ تفسیر تحریفات و تاویلات کا پلندہ ہے۔ اسے تفسیر کہنا فن تفسیر پر ظلم ہے۔

۳۲۔ لیکھ رام اور مرزا

پنڈت لیکھ رام کی ایک پیش گوئی پر قادیانی امت کا بڑا فخر و ناز تھا۔ مولانا نے اس رسالہ میں ان کے اس فخر و ناز کو خاک میں ملا دیا ہے۔

۳۳۔ ناقابلِ مصنّف، مرزا

مولانا نے اس کتاب میں مرزا کی تین مایہ ناز کتب "براہین احمدیہ"، "آئینہ کمالات" اور "چشمۂ معرفت" پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ مرزا بحیثیت مصنف نا اہل اور نالائق تھا۔

۳۴۔ محمود مصلح موعود

اس رسالہ میں بتایا ہے کہ محمود مرزا کی پیشگوئی کا مصداق نہ بن سکا۔ اور اس دعویٰ میں مرزا سولہ آنے جھوٹا ہے

۳۵۔ رسائلِ اعجازیہ

یہ قادیانی مذہب کے خلاف رسائل کا مختصر مجموعہ ہے۔ جنہیں آپ نے ہنگامی ضرورت کے تحت لکھا۔

۳۶۔ تحفہ مرزائیہ

یہ قادیانیوں کی تردید و تکذیب میں بڑی عمدہ کتاب ہے۔ اس میں قادیانیوں کی تردید قادیانی کتب سے کی ہے۔

۵۔ تردید مقلّدین جامدین

مولٰینا نے توحید و سنت کی ترویج و اشاعت اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کے لیے بڑا ٹھوس کام کیا۔ جس پر آپ کی گرانمایہ کتب شاہد ہیں۔ ہندوستان میں آپ کی جو مخالفت احناف نے کی وہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ مولانا مرحوم نے کھل کر مسلک حقہ یعنی مسلک توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت کی۔ عوام الناس کی رسومات خود تراشیدہ باتوں اور تقلید جامد کی تباہ کاریو

سے آگاہ کیا۔ ان باتوں سے تقلیدی کیمپ میں ارتعاش پیدا ہونا قدرتی امر تھا چنانچہ دنیائے تقلید وجمود میں ہلچل مچ گئی اور انہوں نے حضرت مولانا اور مسلک اہلحدیث پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے۔ اور بدنام کرنے کی کوشش کی۔ مولانا نے بڑی خوبصورتی سے تمام اعتراضات والزامات کے جواب دیئے۔ جن کے اثر سے بیشمار غلطی خوردہ اور انصاف پسند لوگ مسلک اہلحدیث کے حامل و عامل بن گئے۔ مولانا نے مخالفین کے قلوب قرآن وسنت کی روشن دلائل اور خلق محمدی کے ہتھیاروں سے فتح کئے۔ تقلید جمود کی تردید میں آپ نے مندرجہ ذیل کتب تحریر فرمائیں۔

۱۔ حدیث نبوی و تقلید شخصی

یہ بے نظیر رسالہ تین مرتبہ طبع ہوا۔ اس میں حدیث اور سنت کا مقام واضح کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ حدیث کا قرآن مجید سے کیا تعلق ہے، نیز تقلید شخصی کی بابت نادر معلومات بہم پہنچائے۔

۲۔ علم الفقہ

اس رسالہ میں فقہ کی حقیقت اور حیثیت پر کچھ اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ بہت سے اشکال حل ہو جاتے ہیں۔ یہ رسالہ دو مرتبہ چھپا۔

۳۔ تقلید شخصی اور تقلید سلفی

اس رسالہ میں تقلید شخصی اور سلفی کی تعریف اور فرق واضح کیا ہے اس میں "حقیقۃ الفقہ" مولانا انوار اللہ اور "الاقتصاد" مولانا اشرف علی کا شاندار جواب ہے، اور بتلایا ہے کہ تقلید شخصی نہ فرض ہے نہ واجب۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت فرض ہے۔

۴۔ تکذیب المنکرین

اس مختصر رسالہ میں بریلوی مکتب فکر کے لایعنی اعتراضات کے جواب ہیں۔

۵۔ فقہ اور فقیہ

اس رسالہ میں علم فقہ اور اس کے عالم و ماہر کے مقام کا بیان ہے۔ اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

۶۔ اجتہاد و تقلید

یہ رسالہ چار مرتبہ طبع ہوا۔ یہ اپنے موضوع پر کافی و شافی رسالہ ہے مولانا نے بتایا کہ اجتہاد کسبی چیز ہے نہ کہ وہبی اور اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے بند نہیں ہے۔

۷۔ اصلی حنفیت اور تقلید شخصی

اس مختصر رسالہ میں اصلی حنفیت کا تعارف کرایا ہے اور تقلید شخصی کی فتنہ سامانیوں کا ذکر ہے۔ یہ دراصل ایک بریلوی عالم کا جواب ہے۔

۸۔ تنقید تقلید

یہ رسالہ ایک تحریری مباحثہ پر مشتمل ہے جو حضرت مولانا کا ایک معروف دیوبندی عالم مولانا سید مرتضیٰ حسن سے ہوا۔ موضوع مباحثہ یہی تقلید ہے۔

یہ مباحثہ "اہلحدیث" امرتسر اور "العدل" گوجرانوالہ میں چھپتا رہا۔ یہ بڑا دلچسپ رسالہ ہے۔

۹۔ اقتدائے اہلحدیث

یہ رسالہ مولوی امام الدین بریلوی کوٹلی لوہاراں کے جواب میں ہے جو اس

نے "وہابیوں کی مذمت" لکھا۔ مولانا نے بریلوی احباب کی اصلاح کے جذبے سے یہ رسالہ لکھا۔ اور اہلحدیث کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔

۱۰۔ معقولاتِ حنفیہ

اس علمی رسالہ میں سات مسائل حنفیہ پر تبصرہ کیا ہے۔ اور بید لائل معقولات حنفیہ کی خامیاں ظاہر کی ہیں اور مولانا تھانوی کے "الحیلۃ الناجزہ" پر بھی گرفت کی ہے۔ اور حنفی مذہب کے متعدد اسقام طشت از بام کیے ہیں۔

۱۱۔ اصول الفقہ

اس عربی رسالے میں اصول فقہ کی اصطلاحات اور تعریفات بیان کی ہیں بڑا مختصر مگر جامع رسالہ ہے۔

۶۔ تائید اہلحدیث

حضرت مولانا نے علمائے احناف و اہلحدیث دونوں سے اکتسابِ علم کیا۔ مگر ترجیح مسلک اہلحدیث کو دی۔ کیونکہ یہ مسلک محض قرآن و سنت سے عبارت ہے اس میں تحریفات و تاویلات اور تقلید و جمود کا نام و نشان نہیں۔ بہت سے کوتاہ بین علماء نے مسلک اہلحدیث کے خلاف قلم اٹھایا۔ اور مسلک اہلحدیث کا غلط تعارف کرانے کی کوشش کی اور اسے بدنام کرنے کی سعی کی۔ حضرت مولانا نے مسلک اہلحدیث کی تائید و حمایت میں مدلل و مبرہن کتب لکھ کر مخالفین کا منہ بند کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی حسبِ ذیل کتب پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ اہلحدیث کا مذہب

یہ بے نظیر کتاب آٹھ مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے[1]۔ اس کتاب میں مسلک اہلحدیث بتانے کے ساتھ ان تمام قابل ذکر اعتراضات والزامات کا تسلی بخش جواب ہے جو مسلک اہلحدیث پر عائد کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ناقص خیال میں یہ مسلک اہلحدیث پر بہترین کتاب ہے۔ جس کا ہر اہلحدیث کے پاس ہونا ضروری ہے یہ رسالہ ہم نے چھاپ دیا ہے۔

۲۔ فتوحاتِ اہلحدیث

مقلدین احناف کو یوں تو اہلحدیث کی عام باتوں سے چڑ ہے مگر آمین بالجہر اور رفعیدین سے نفرت کی حد تک چڑ ہے۔ حالانکہ یہ ہونی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ افعال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت ہیں۔ اور صحابہؓ کا باقاعدہ ان پر عمل رہا۔ ہندوستان میں یہ اختلافات اس قدر بڑھے کہ عدالت تک پہنچے۔ اور عدالت نے طرفین سے دلائل سننے کے بعد فیصلہ اہلحدیث کے حق میں دیا۔ اس کتاب میں ایسے فیصلوں کو یکجا صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ تین بار چھپا ہے۔

۳۔ اسلام اور اہلحدیث

اس کتابچہ میں اہلحدیث کے بارے میں اس مغالطے کا ازالہ کیا ہے کہ یہ ایک فرقہ ہے اور پہلے اس کا وجود نہ تھا۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ اہل حدیث لقب کا معنی و مفہوم کیا ہے۔

۴۔ آمین، رفعیدین

اس رسالے میں انہی دونوں مختلف فیہ مسائل کا بدلائل حل پیش کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اصحاب حدیث وسنت کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

---

[1] اور جو مختلف اداروں نے چھاپی ہے وہ الگ ہے۔ (فاروقی)

۵ - فاتحہ خلف الامام

علمائے احناف عام طور پر کسی بھی صورت میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں۔ مولانا نے اس رسالہ میں احادیث صحیحہ و صریحہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو منقح اور واضح فرمایا ہے[1]

۷ - تنقیدی کتب

مولانا نے ہنگامی ضرورت کے تحت بعض افراد پر تنقید، تبصرہ یا تعاقب فرمایا۔ اور انہیں کتابی صورت میں ہدیۂ ناظرین کیا ذیل میں ایسی کتب کے بارے میں مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱ - الکلام المبین فی جواب الاربعین

مولانا کی شہرۂ آفاق عربی تصنیف "تفسیر القرآن بکلام الرحمان" کے خلاف مولینا سید عبدالجبار غزنوی ایک رسالہ بنام "الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب المحدثین" لکھا۔ مولانا نے اس کے جواب اور اپنی تفسیر کی صفائی میں یہ کتاب لکھی۔ اور مغلق اور مختلف فیہ مقامات کا حل پیش کیا جس کی بدولت یہ مسئلہ کافی حد تک سلجھ گیا۔ اور نزاع قریباً ختم ہو گیا۔ یہ ساری تفصیل "سیرت ثنائی" میں جماعتی انتشار کے زیب عنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۲ - فیصلہ آرہ

اس رسالہ میں "الاربعین" اور "الکلام المبین" پر علمائے آرہ کا محاکمہ ہے۔ مولانا نے چیدہ چیدہ مقامات پر اس پر بھی تنقید فرمائی۔

---

[1] مسلک اہلحدیث کی تائید و حمایت میں کتب ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ مسلم پبلیکیشنز ۵ قذافی مارکیٹ اردو بازار - لاہور

۳۔ دلیل القرآن بجوابِ اہل القرآن

یہ رسالہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے رسالہ "برہان الفرقان" کا جواب ہے۔

۴۔ امرتسری غزنوی نزاع کا فیصلہ

یہ رسالہ مولینا سید اسمٰعیل غزنوی کے "فیصلہ مکہ" کے جواب میں ہے۔ اس رسالہ میں برصغیر کے ۶۷ ممتاز علماء کا مولانا امرتسری کے حق میں فتویٰ بھی درج ہے۔ اور انہوں نے مولانا کی تفسیر کو بہ نگاہِ استحسان دیکھا۔

۵۔ حجیتِ حدیث اور اتباعِ رسولؐ

یہ ایک تحریری مناظرہ ہے جو آپ کا مولوی احمدالدین امرتسری منکرِ حدیث سے ہوا، اس رسالہ میں مولانا نے ثابت کیا کہ حدیث حجتِ شرعی ہے اور نجات کے لیے اتباعِ رسولؐ ضروری ہے۔ مولوی احمدالدین، مولانا کیساتھ زیادہ دیر نہ چل سکا۔

۶۔ خاکساری تحریک اور اس کا بانی

اس رسالہ میں علامہ مشرقی کے مذہبی عقاید اور قرآنی تحریفات پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز خاکسار تحریک پر بحث کی ہے۔

۷۔ نافہم مصنف

غزنوی اور ثنائی اختلاف جب سرد ہو گیا، تو مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ نے یہ محاذ سنبھال لیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت روپڑیؒ کا علم اور تقویٰ میں بہت اونچا پایہ تھا۔ لیکن اختلاف کی بجھی ہوئی چنگاریوں کو جو آپ نے ہوا دی یہ کام صحیح نہیں تھا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ عَنْهُ۔ مولانا امرتسریؒ نے اس رسالہ میں بتایا کہ آپ کو فنِ تصنیف میں کسی ماہر سے اصلاح لینی چاہیئے۔

(نوٹ) یہ علماء کے باہمی اختلافات تھے خدا انہیں معاف فرمائے۔ ان کی نیتوں میں اخلاص تھا، ہمیں بہرحال ان سب کو احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ کسی کے بارے میں بغض وعناد قطعاً قطعاً نہیں رکھنا چاہیئے۔
(فاروقی)

۸۔ اتباعِ سلف

اس رسالہ میں اتباع سلف کے معنی و مفہوم اور اہمیت کا بیان ہے۔

۹۔ خلافتِ محمدیہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلافصل اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت حقہ پر بہترین کتاب ہے۔ اہل تشیع کے متعدد اعتراضات کے مختصر مگر جامع جواب دیئے ہیں۔

۱۰۔ الفوز العظیم

اصول تفسیر اور قرآن مجید کے بارے میں معلومات افزا رسالہ ہے۔

۸۔ عام اسلامی کتب

حضرت مولاناؒ نے مختلف موضوعات پر عامۃ المسلمین کی جو کتب تصنیف کیں وہ مع ضروری تعارف یہ ہیں۔

۱۔ اسلام اور برٹش لاء

یہ کتاب چار بار طبع ہوئی۔ اس میں اسلامی اور برطانوی قانون کا تقابل کر کے اسلامی قانون کو برتری دی ہے۔

۲۔ مسئلہ حجاز پر نظر

ارباب بریلی کے اہل حجاز پر بے سرو پا الزامات کا شافی جواب ہے۔

۳۔ سلطان ابن سعود، علی برادران اور مؤتمر

حجاز میں جب قبے گرائے گئے تو علی برادران سلطان ابن سعود کے خلاف ہو گئے۔ سلطان نے حج کے موقع پر مؤتمر کا اجلاس بلایا۔ اس رسالہ میں اجلاس کی کارروائی اور بہت سی تاریخی و معلوماتی باتیں درج ہیں۔

۴۔ تحریک وہابیت پر ایک نظر

یہ موضوع پر مدلل اور دلچسپ اور معلومات افزا رسالہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے عوام کے بہت سے مغالطات دور ہوئے ہیں۔

۵۔ خلافت و رسالت

اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا بیان ہے۔ اس کتابچے کو اگر حضرت میر سیالکوٹی کی "خلافت راشدہ" کا متن کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

(نوٹ) "خلافت راشدہ" از حضرت میر مسئلہ خلافت پر بے نظیر کتاب ہے ہم نے چھاپ دی ہے قارئین طلب فرما سکتے ہیں۔ (فاروقی)

۶۔ حیات مسنونہ

اس رسالے کی بدولت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہمیں مسنون زندگی گزارنے کی دعوت دی ہے۔

۷۔ شمع توحید

یہ کتاب تین مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ بریلویانہ عقائد مثلاً نور مجسم، عالم الغیب، مختار کل وغیرہ مسائل کی تردید اور توحید کی حمایت

ہیں لاجواب کتاب ہے۔ کتاب مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل ہے۔ اور بیان مناظرانہ ہونے کے علاوہ عالمانہ ہے۔ یہ کتاب دراصل اس سانحہ کی یادگار ہے جبکہ ۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو قمر بیگ نے مولانا امرتسری پر ٹوکے سے حملہ کیا تھا۔ یہ رسالہ شفایاب ہونے کے بعد مولانا نے خود لکھا۔ اور اس رسالہ کی بدولت بہت سے لوگ شرک کے خارستان سے نکل کر توحید کے گلستان میں آ گئے۔ نہ صرف توحید کے عامل بلکہ مبلغ بن گئے۔ بیشک اس شمع توحید نے ظلمتِ شرک کے پردے چاک کر دیئے اور بت کدۂ ہند میں توحید کا نور عام کر دیا۔

۸۔ نورِ توحید

"شمع توحید" کے جواب میں ارباب بریلی نے رسالہ "پروانہ تقلید" لکھا حالانکہ جواب "پروانہ توحید" چاہیئے تھا۔ چونکہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" وہاں توحید نام کی کوئی چیز نہیں، اس لیے انہوں نے "پروانہ تقلید" سے جواب دیا۔ حضرت مولانا نے بلا تاخیر "نور توحید" سے اس کا جواب دیا۔ کیونکہ بحمداللہ بیان توحید کا حظ وافر تھا فللہ الحمد۔ اور اس میں مسئلہ توحید کی مزید وضاحت فرمائی۔ اور اس کے ساتھ شرک کا خوب اچھی طرح پوسٹ مارٹم کیا۔ اور شانِ توحید کے ساتھ شانِ رسالت کا بھی بیان فرمایا۔ جس کا پھر جواب نہ چھپا۔ کیونکہ جواب ہی نہیں تھا ؎

چمکی جو برقِ توحید نہ رہا شرک کہیں
پاک کی سنتِ اطہر نے بدعت کی زمیں

۹۔ خطاب بہ مودودی

یہ رسالہ دو مرتبہ طبع ہوا۔ مولانا مودودیؒ نے ذاتی مطالعہ سے نام پیدا کیا۔ تحریر کا ملکہ رکھتے تھے، ذہین تھے۔ تنقید میں مہارت رکھتے تھے۔

آپ نے اپنے قلم سے بحیثیت مجموعی نوجوان نسل پر تقریباً خوشگوار اثر ڈالا۔ لیکن آپ چند باتوں میں علمائے حدیث و سنت سے الگ ہو جاتے ہیں مثلاً آپ نے آزاد اجتہاد کیا۔ اجتہاد میں کسی اصول کی پابندی نہیں کی اور مجتہد ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو مجدد کے درجے پر بھی سمجھا۔ یہ دعاوی آپ نے بیشک نہ بھی کیے ہوں مگر یہ بات آپ کی تحریروں میں جھلکتی ہے نیز آپ نے بڑی جرأت سے صحابہ کرامؓ پر تنقید کی۔ علاوہ ازیں حدیث اور محدثینؒ کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ اور ان سب پر ستم یہ کہ یہ سب کچھ ڈھٹائی سے کیا اور علمائے حدیث و سنت کی نہ صرف تردید و تغلیط کی، بلکہ گاہے گاہے ان کا مذاق بھی اڑایا۔ اور تادم واپسیں انہیں نظریات پر رہے۔

آپ جب تقلید پر تنقید کرتے ہیں تو آپ اہل حدیث لگتے ہیں۔ مگر جب حدیث اور محدثینؒ پر تنقید کرتے ہیں تو منکر حدیث کا شبہ ہوتا ہے۔ جب صحابہؓ کو ہدف تنقید بناتے ہیں تو شیعہ کا گمان ہوتا ہے۔ اور جب کبھی ذوق، ہیرے کی جوت اور اس طرح کی معرفت کی باتیں کرتے ہیں تو مجددیت کا شک پڑتا ہے۔ اور جب سلف صالحین سے ہٹ کر آزاد اجتہاد کرتے ہیں، تو درجۂ اجتہاد پر فائز لگتے ہیں۔ یعنی سب کچھ نظر آتے ہیں۔ اور اگر مزید غور کریں تو کچھ بھی نہیں لگتے۔ خیر خدا بخشے۔ کاش کہ یہ کوتاہیاں نہ ہوتیں۔

مولانا امرتسری نے ۱۹۳۵ء میں "اہلحدیث امرتسر" میں مولانا مودودی کا نوٹس لیا اور ان کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا جائزہ لیا۔ پھر انہیں مضامین کو "خطاب بہ مودودی" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس رسالہ میں آپ لکھتے ہیں:۔

"البتہ حدیث کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے دور نکل جاتے ہیں۔

اور آپ محدثینؒ کا مسلک اور طریقۂ تنقید چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں"

یہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے۔ حضرت مودودیؒ نے جو بعد میں ترقی کی، مولانا امرتسریؒ کو اس کی خبر نہیں کیونکہ آپ ۱۹۴۸ء میں چل بسے۔ ہم نے بحیثیت ایک اہلحدیث ہونے کے برملا طور پر آپ سے اختلاف اور اس کی وجوہات بیان کر دی ہیں تاکہ بھولے بھالے دوست غلط فہمی میں نہ رہیں۔ مولانا مودودی کا یہ مذہبی رنگ تھا۔ اور ایک سیاسی رنگ بھی تھا۔ اس پر ہم نے تبصرہ نہیں کیا کیونکہ یہاں ان باتوں کی اس سے زیادہ گنجائش نہیں۔ ایسی تحقیقات کے لیے دیکھیے ہماری کتاب "مقامِ رسالت"۔

۹۔ علمی و ادبی تصانیف

اس سلسلے میں آپ کی درج ذیل تصانیف کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

۱۔ اسلامی تاریخ

پانچ مرتبہ طبع ہوئی، اس کا نام "حکایاتِ اسلامیہ المعروف اسلامی تاریخ" ہے، یہ مختصر کتاب بچوں کے لیے لکھی۔ اور اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات یکجا جمع کیے۔

۲۔ کلمہ طیبہ

اس مختصر رسالہ میں کلمہ طیبہ کی تشریح کی ہے۔ اور توحید و رسالت پر روشنی ڈالی ہے۔

۳- خصائل النبیؐ

یہ رسالہ سات مرتبہ طبع ہوا۔ اس میں شمائل ترمذی کی طرز پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر روشنی ڈالی ہے۔

۴- السلام علیکم

یہ مختصر رسالہ چھ مرتبہ چھپا۔ اس میں اسلامی اور غیر اسلامی سلام کا تقابل کیا گیا ہے۔ اور اسلامی سلام کا معنی و مفہوم اور برکات و فوائد بتائے گئے ہیں۔

۵- ھدایت الزوجین

اس رسالہ میں خاوند بیوی کے بارے میں اسلامی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۶- اربعین ثنائیہ

متعدد علماء نے "اربعین" لکھیں۔ جن میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ۴۰ احادیث جمع کیں۔ بیشک یہ بڑا مبارک کام تھا۔ حضرت مولانا نے بھی اربعین لکھی۔ جس میں اربعین نووی کی طرز پر مستند احادیث جمع کیں۔

۷- مائۃ ثنائیہ

اس رسالہ میں ۱۰۰ مختصر احادیث مع ترجمہ و تشریح یکجا کیں۔

۸- قرآنی قاعدہ ثنائیہ

یہ قاعدہ بچوں کے لیے لکھا۔ تاکہ وہ بآسانی قرآن مجید سیکھ سکیں۔

۹- ادب العرب

یہ صرف و نحو پر مشتمل آسان کتاب ہے۔

۱۰۔ التعریفات النحویہ

کسی زبان کو جاننے کے لیے علم نحو کیا اہمیت رکھتا ہے سب جانتے ہیں۔ مولانا نے اس رسالے میں نحو کے چند اصول و قواعد اور اصطلاحات کی عام فہم تشریح کی ہے۔ تاکہ عربی زبان سمجھنے میں آسانی ہو۔

۱۱۔ میل ملاپ

اس رسالے میں آپس میں میل جول رکھنے کی اہمیت اور فوائد پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۔ شریعت و طریقت

اس میں شریعت اور طریقت کی حقیقت پر اظہار خیال کیا ہے۔ اور چند ایک مغالطات کا ازالہ اور الہامات کی توضیح ہے۔

۱۳۔ سَمَّاکُم المسلمین

اس رسالہ میں مذہبی تفریق اور اپنے اپنے الگ الگ نام رکھنے سے روکا گیا ہے۔ یعنی اجتہاد و اجتماعیت کی دعوت دی ہے۔

۱۴۔ رسوم اسلامیہ

یہ مفید عام رسالہ تین مرتبہ طبع ہوا۔ اس میں سنت کی روشنی میں اسلامی رسوم و آداب کا بیان ہے تاکہ مسلمان اپنی رسومات کی بجائے اسلامی رسومات کو اپنائیں۔

۱۵۔ عزت کی زندگی

ہر شخص فدرتی طور پر عزت کی زندگی پسند کرتا ہے۔ اور اصلی زندگی، اخروی زندگی ہے جو خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ہے۔ حضرت مولانا نے اس رسالہ میں دنیوی زندگی کے ساتھ ساتھ اُخروی زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور انابت الی اللہ

کی تلقین فرمائی ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ آپ نے جو ہنگامی ضرورت کے تحت چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور پمفلٹ تحریر فرما کر شائع کیے، ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ آپ نے اکثر کتابیں مناظرانہ رنگ میں لکھیں اور آپ کی یہ طرزِ خاص بیحد پسند کی گئی بیسیوں واعظ و مقرران کتابوں کے سبب سے مناظر بن گئے اور حق تو یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کے فقید المثال مصنّف اور عدیم النظیر مؤلف تھے۔ آپ کا قلم اثر میں ڈوبا ہوا تھا۔ دشمن بھی آپ کی تحریر پڑھتے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ آپ کا بیان سلیس اور عالمانہ تھا۔

فتاوٰی

جریدہ "اہلحدیث" امرتسر میں آپ عوام کے استفتار کے جواب دیا کرتے تھے۔ فتوےٰ لکھتے وقت آپ اپنی رائے و اجتہاد سے اس وقت تک کام نہ لیتے جب تک وہ مسئلہ آپ کو کتاب و سنت سے نہ ملتا۔ اگر تلاش و جستجو کے باوجود آپ کو اس میں کامیابی نہ ہوتی تو صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے تعامل کو مقدم سمجھتے۔ بعض جگہ آپ ٹھوکریں بھی کھا جاتے۔ اور کون ہے جس نے فتویٰ نویسی میں ٹھوکر نہیں کھائی۔ مگر آپ سنبھل جاتے اور رجوع فرما لیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاوٰی پر بعض اصحاب تعاقب بھی کرتے۔ اور ہر متعاقب کا اصل جواب لکھ کر اس کے نیچے اپنا جواب الجواب تحریر فرماتے۔ قرآن و حدیث سے سندیں پیش کرتے اور مدلّل ثبوت دیتے۔ بہرکیف آپ اس باب میں بھی اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ پر عمل کرتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد گرامی کو ہمیشہ

پیش نگاہ رکھتے کہ :

اِنْ جَآءَكَ شَيْءٌ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاقْضِ بِهٖ وَلَا يَلْفِتُكَ عَنْهُ الرِّجَالُ فَاِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِهَا فَاِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَخُذْ بِهٖ فَاِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ اَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ اَيَّ الْاَمْرَيْنِ شِئْتَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَجْتَهِدَ بِرَاْيِكَ ثُمَّ تَقَدَّمْ فَتَقَدَّمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَتَاَخَّرَ فَتَاَخَّرْ وَلَا اَرَى التَّاَخُّرَ اِلَّا خَيْرًا لَّكَ۔

"یعنی اگر تمہارے سامنے ایسا مسئلہ آجائے جو قرآن پاک میں مذکور ہے تو کسی کی مت سنو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ قرآن مجید میں نہیں ہے تو حدیث رسول اللہ میں دیکھو اور اس کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ مسئلہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، تو اس سے بیشتر اگر اس کا کوئی باتفاق رائے کوئی فیصلہ ہوچکا ہو تو اس پر عمل کرو۔ اور اگر وہ مسئلہ ایسا پیچیدہ ہے کہ نہ تو قرآن و حدیث میں ہے نہ اس سے قبل کسی نے اس کی نسبت رائے دی ہے۔ تو پھر تمہیں اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد کو کام میں لاؤ۔ آگے بڑھنا چاہو تو بڑھ جاؤ پیچھے ہٹنا چاہو تو ہٹ آؤ۔ اور میں پیچھے ہٹنے کو ہی تمہارے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔"

حضرت مولینا کے اس طرز عمل سے ان فتاوی نویسوں کو سبق لینا چاہیے

جو استفتاء کے وقت قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے فقہا و مجتہدین اہل الرائے کے اقوال کو مقدم سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ کی خلاف ورزی کر کے مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ کے مطابق خدا اور اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی کہلاتے ہیں۔ آپ فتویٰ نویسی میں اکثر اختصار نویسی سے کام لیا کرتے تھے۔ ہر فتوے کا جواب نہایت مختصر لکھتے۔ اول اس لیے کہ آپ اختصار کو زیادہ پسند فرماتے۔ دوم اس لیے کہ ایک اخبار نویس اتنا وقت ہی نہیں پاتا کہ تفصیلی جواب لکھے اور تمام دلائل قلمبند کر سکے[۱] لیکن آپ کے فتاویٰ مختصر کے ساتھ جامع بھی ہوتے۔

---

[۱] آپ کے تمام فتاوے اخبار اہلحدیث امرتسر میں ہفتہ وار شائع ہوتے رہتے تھے بعض احباب کے اصرار پر آپ نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اسے کتابی صورت میں لائیں۔ چنانچہ اس کی تدوین و ترتیب کا بہت سا کام بھی ہو گیا تھا۔ مگر افسوس ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جہاں ان کا سارا کتب خانہ جل گیا وہ مسودہ بھی ضائع ہو گیا انا للہ۔ ہمیں اگرچہ مولانا مرحوم کے انتقال پُر ملال کا بھی سخت صدمہ ہے، مگر بخدا اس سے زیادہ صدمہ آپ کے علمی ذخائر کی تباہی کا ہے۔ آپ کا کتب خانہ شیعیت، مرزائیت، بریلویت، بہائیت، چکڑالویت، عیسائیت ہندوئیت اور آریہ سماج کی جملہ کتب مناظرہ کا نہ صرف بے بہا ذخیرہ تھا، بلکہ ان پر آپ کی نشاندہی، حواشی اور نوٹس وغیرہ اتنے قیمتی تھے کہ اب وہ کہیں سے دستیاب نہ ہو سکیں گے۔

چند اہم اوصاف اور واقعات

حضرت مغفور خالص مذہبی آدمی تھے[1]۔ اور سب کو معلوم ہے کہ آپ عامل بالحدیث تھے لیکن اس کے باوجود وسعتِ قلبی اس قدر تھی کہ ہر مسلمان سے چاہے وہ کسی خیال اور کسی عقیدے کا ہو خندہ پیشانی سے ملتے۔ اور اختلاف رکھتے ہوئے بھی ایسا التفات ظاہر کرتے کہ کسی کو ان کے بعد و تباین کا وہم و گمان بھی نہ ہوتا۔

میر واعظ مولوی محمد علی ہو مولانا ثناء اللہ کے بارے میں (یعنی مخالفت میں) ہر جگہ چہھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مالیر کوٹلہ وعظ کے لیے تشریف لے گئے۔ تو وہاں انہوں نے وعظ و تذکیر کے ساتھ مولانا ثناء اللہ کی تکفیر بھی فرمائی۔ جس پر نواب مالیر کوٹلہ نے ریاست میں ان کا داخلہ بند کر دیا۔ اس سے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا ثناء اللہ نواب صاحب کے ایما مالیر کوٹلہ میں وعظ کے لیے جانا پڑا۔ نواب صاحب بنفس نفیس مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ مجلس ختم ہونے پر نواب صاحب نے حضرت الوافا کے حسنِ بیان کی تعریف و تحسین کی۔ اور کہا ہمارے لائق کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں۔ مولانا نے کہا:

---

[1] لیکن اس کے باوجود آپ سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آگے ذکر آرہا ہے۔ علاوہ ازیں ایسی تفصیلات "خطیبات ثنائی" میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ (رفیق)

"مولوی محمد علی میر واعظ کو ریاست میں داخلہ کی اجازت فرمائی جائے" چنانچہ یہ سفارش منظور کر لی گئی۔ اور میر واعظ کو بذریعہ تار مطلع کر دیا گیا۔

جلسوں میں کوئی اسلامی جماعت آپ کو شرکت کی دعوت دیتی تو آپ بلا امتیاز فرقہ و گروہ شمولیت فرماتے اور اپنے پند و مواعظ سے مستفید و مستفیض کرتے۔ کسی جلسے میں مسلمانوں کی طرف سے مناظرے کا اہتمام ہوتا اور وہ آپ کو بلاتے تو فوراً تشریف لے جاتے۔ آپ نے اجلاس و مجالس میں شمولیت سے کبھی اختلاف عقائد کی بنا پہ انکار نہیں کیا۔ مقلدین اور اہل قرآن کے ساتھ آپ کی ہمیشہ نوک جھونک ہوتی رہتی تھی مگر وہ بھی اپنے جلسوں اور محفلوں میں آپ کو شریک ہونے کی دعوت دیتے تو آپ ضرور شامل ہوتے۔

وسیع النظری

ایک دفعہ لدھیانہ کے اہل تقلید سے چند مسائل پر نزاع ہو گئی۔ اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ لدھیانوی مقلدوں نے ایک قرار داد میں آپ سے کلام کرنا اور ملنا موقوف کر دیا۔ اس تنازعہ کو ابھی تھوڑی سی مدت گذری تھی۔ کہ ان مقلدوں نے لدھیانہ میں ایک جلسہ کیا جس میں ایک مشہور پادری سے مناظرہ کرنا چاہا۔ لدھیانوی مقلدوں نے آپ کو تار تو دے دیا مگر انہیں یقین نہ تھا کہ مولانا ضرور آئیں گے۔ وہ کچھ مایوسی ہی کے عالم میں تھے اور مناظرہ کے بارے میں فکر مند تھے۔ کہ حضرت مولانا تار دیکھتے ہی جا پہنچے۔ مخالفین سے معانقہ فرمایا۔ اور اس طرح اپنی بے تعصبی و فراخدلی کا ثبوت دے کر ان سب کے دلوں کو مسخر کر لیا۔

غزنوی نزاع میں اعتدال

امرتسر کے خاندان غزنویہ سے آپ کی چشمک رہتی تھی اور یہ شکر رنجی ذاتیات سے متعلق نہ تھی، چند تفسیری مسائل اس کا باعث تھے۔

باوجودیکہ مولانا ابوالوفاءؒ اور خاندان غزنویہ کا مسلک ایک تھا اور دونوں ایک ہی لڑی کے موتی تھے مگر باہمی رنجش کچھ ایسی صورت اختیار کر چکی تھی کہ بعض اوقات ان کے درمیان سلسلہ کلام و سلام بھی منقطع ہو جاتا تھا۔ جماعت اہلحدیث کے اکثر ارکان و اکابر کو اس کی خبر تھی۔ کئی بار انہوں نے اس کدورت کو دور کرنے کی کوشش کی اور باہم صلح کرائی۔ لیکن یہ اکثر عارضی ہوتی تھی۔

مولینا ابومسعود قمر بنارسی ۱۹۲۸ء میں چند اراکین جماعت کے ساتھ حج پر جانے لگے، تو انہوں نے حضرت مولانا کو اس ارادہ سے اطلاع دی، اور لکھا کہ بیت اللہ شریف کا پردہ بننے والے ہماری جماعت ہی کے ارکان ہیں۔ حکومت سعودیہ اور اس کے اعوان و عمائد میں ان کا بڑا اثر ورسوخ ہے۔ میں بھی ان کی بدولت حکومت سعودیہ کا مہمان ہوں گا۔ لہٰذا آپ اپنے اور غزنوی حضرات سے نزاع کے متعلق تمام معلومات و رسائل وغیرہ بھجوا دیں، تاکہ ہم غزنوی حضرات کے خلاف وہاں پروپیگنڈا کر سکیں۔"

مولانا مرحوم نے یہ خط پڑھا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اگر آپ مکہ معظمہ میں اس غرض سے جا رہے ہیں تو ہرگز نہ جائیں اور روپیہ برباد نہ کریں۔ اور اگر فریضہ حج ادا کرنے جا رہے ہیں تو آپ ان خیالات کو دل سے نکال دیں۔"

اس سے مولانا کی بے نفسی، بے تعصبی اور وسیع القلبی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ آپ کسی معاملہ میں کسی نزاع کو طول دے کر اسے پھیلانا نہیں چاہتے تھے۔ اور اپنے اختلافات کو وسعت دے کر اس میں دوسروں کو شامل کرنے اور اس طرح جماعتی نظام کو نقصان پہنچانے کے متمنی نہ تھے۔

آپ کا یہ کردار ان لوگوں کے لیے بہت کچھ سبق آموز ہے، جو ذاتی رنجشوں کی بنا پر پوری کی پوری جماعت کو درہم برہم کر دینے کے آرزومند رہتے ہیں اور "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ" کے مطابق ملت کی وحدت و سالمیت کو ریزہ ریزہ کرنے کی کوشش کرتے، اس میں پھوٹ ڈالتے اور تفریق و انتشار سے اس کے اندر ضعف پیدا کرتے ہیں۔[1]

اختلاف سے نفرت

مولانا کو مذہب و ملت کے اختلاف و تفرقہ سے بےحد نفرت تھی اور آپ ہمیشہ اس سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ عامۃ المسلمین کو گروہ بندی اور فرقہ سازی سے منع کرتے، اور جماعت اہلحدیث کو خاص طور پر تلقین فرماتے کہ ملت بیضائے اسلام میں افتراق و نفاق نہ پھیلنے پائے۔ تمام اہل توحید آپس میں متحد و متفق رہیں، قوم کو مضبوط بنائیں اور اسے کمزور ہونے سے بچائیں۔

---

[1] کاش جماعت اہلحدیث حضرت امرتسریؒ کے اس فراخدلانہ طرز عمل کو اپنائے اور ہر فرد جماعتیات کو ذاتیات پر ترجیح دے۔ (فاروقی)

چنانچہ ماہ دسمبر ۱۹۰۶ء کو جلسۂ احمدیہ منعقدہ آرہ کے موقع پر ایک مجلس قائم ہوئی جس میں حضرت مولانا نے جماعت کو تاکید فرمائی کہ وہ تحریری و تقریری طور پر تبلیغ و اشاعت کا فرض ادا کرے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم دے۔ اور اس تدریس کا مقصد یہ ہو کہ جملہ فرزندانِ اسلام کتاب و سنت سے آشنا ہوں، اس کی پیروی کریں۔ اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال ہوں۔ اور دینِ مقدس کی اخوت و مساوات کو اسی ڈھب پر لائیں۔ جس پر سلف صالحینؒ رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

"لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ آپس میں نزاع مت پیدا کرو ورنہ پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔

ایک موقع پر فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنی قوم اور اپنی جماعت کے ساتھ یوں زندگی گزارنی چاہیئے۔ جیسے وہ اپنے کنبہ اور خاندان میں گذارتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اپنی خواہشات کو دوسروں پر قربان کر دیتا ہے۔ ان کے لوازمات کا خیال رکھتا ہے۔ اگر کسی بات پر اہل خانہ سے خفا ہے یا روٹھ جاتا ہے تو نہ خود گھر سے نکلتا ہے نہ ان کو نکالتا ہے۔ اور گھر ہی میں رہ کر اپنے جھگڑے اور اختلافات دور کرتا ہے۔ اسی طرح ہر فرد اسلام کو اپنی ملت اور اپنی جماعت میں رہ کر اس کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس کے مصائب و مشکلات کو دور کرنا، اس کے لیے قربانی دینا، ایثار دکھانا، اس کو مضبوط و مستحکم بنانا اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر کسی کو اختلاف ہو جائے تو وہ جماعت سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ اسی میں رہ کر اپنے تنازعات مٹائے۔ اس موقع پر مولانا نے یہ حدیث بیان فرمائی:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلِ دَرَجَةٍ مِنَ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ،

وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ (ترمذی)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وہ کام نہ بتا دوں، جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی "ہاں حضور! ارشاد فرمائیے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "باہمی اصلاح کرنا سب کاموں سے اچھا کام ہے۔ کیونکہ آپس میں پھوٹ دین و ملت کو نیست و نابود کر دیتی ہے"۔

چند واقعات

۱۔ ایک جلسے میں کسی مقرر نے ایسی تقریر کی۔ کہ اس سے ایک خاص گروہ کے مسلمان مشتعل ہو گئے۔ اور سر پھٹول تک نوبت پہنچنے لگی۔ حضرت مولانا بھی اس جلسے میں تشریف رکھتے تھے آپ فساد کی روک تھام کے لیے اٹھے۔ آیہ کریمہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؀ سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ اہل جلسہ کو اتفاق و اتحاد کی برکات سے آگاہ فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ ؀ کے ارشاد قرآنی کے مطابق انہیں خدا اور رسول کی اطاعت پر توجہ دلائی۔ نفاق و افتراق، تشتت و انتشار کے عیوب و نقائص بتائے اور ایسے دلپذیر و دلآویز انداز میں وعظ و نصیحت فرمائی کہ مسلمان لڑتے لڑتے رک گئے۔ اور فتنہ پھیلتے پھیلتے تھم گیا۔

۲۔ سیالکوٹ کے ایک جلسہ میں شیعہ اور حنفی آپس میں جھگڑ پڑے بات نے اتنا طول کھینچا کہ فریقین نے بھلے اور نیزے تان لیے۔ قریب تھا کہ دونوں اہل اسلام خون کی ندیاں بہا دیں[1]۔ کہ حضرت مولانا موقع پر پہنچ گئے۔ آپ نے سب سے اول ان علماء پر اظہار افسوس کیا جنھوں نے فساد کی آگ بجھانے پر توجہ نہ دی اور بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے۔ پہلے آپ نے انہیں سے خطاب کیا۔ اور آیہ مقدسہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ؀ تلاوت فرما کر مسلمانوں اور خصوصاً اکابرین جماعت ہائے اسلامیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ آپ کا فرض ہے کہ جب بھائی بھائی آپس میں جھگڑ پڑیں تو آپ ان میں صلح کرا دیں۔ اور فساد کو پھیلنے سے روکیں۔ کہ اس کا پھیلنا صرف چند مسلمانوں ہی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ پوری کی پوری قوم اس سے متاثر ہوتی اور ضرر محسوس کرتی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ " پھر تنظیم و اتحاد پر ایسی جامع و پُر مغز تقریر فرمائی۔ کہ دونوں گروہ ٹھنڈے ہو گئے۔ اور امن و سلامتی سے جلسہ اختتام کو پہنچ گیا۔

۳۔ اہل حدیث کی ایک مجلس میں چند احناف بھی موجود تھے۔ ایک حنفی عالم نے علمائے حدیث کے خلاف کچھ نازیبا الفاظ کہے اور مقلدین و اہل فقہ کی بہت تعریف کی۔ اس پر چند اہل حدیث گھورنے لگے اور غصہ سے جواب دینا چاہا۔ حضرت مولانا نے یہ حالت دیکھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھا:

---

[1] ہر فرقے کو دوسرے فرقہ کے اکابرین کا احترام کرنا چاہیئے جس طرح سنی اہلبیتؓ کا احترام کرتے ہیں۔

"یُکْرَہُ اَنْ یُحِدَّ الرَّجُلُ اِلٰی اَخِیْہِ النَّظْرَ اَوْ یَتَّبِعُہٗ بَصَرَہٗ اِذَا وَلّٰی اَوْ یَسْئَالُہٗ مِنْ اَیْنَ جِئْتَ وَاَیْنَ تَذْھَبُ" اپنے مسلمان بھائی کی طرف تیز نظر سے دیکھنا مکروہ ہے۔ نیز جب وہ جائے تو اسے گھورتے رہنا یا یہ سوال کرنا کہ کہاں سے آئے ہو کہاں جاتے ہو۔ موجب کراہت و نفرت ہے۔

اس سے حنفی صاحب تو شرمندہ ہوئے مگر دیگر اہل مجلس آپ کے اخلاق حسنہ، فراخدلی اور جذبہ اُخوّت کی تعریف کرنے لگے۔

۴۔ ایک دفعہ مسلمانوں کے ایک مذہبی و قومی اجتماع میں ایک حنفی عالم نے تفرقہ ڈالنا چاہا۔ اور احناف کو شر و فساد پر ابھارا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کی آواز کا اثر ہوا ور فتنے کا اثر پھیلے۔ حضرت مولانا اس عالم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا" واہ صاحب! افسوس ہے آپ کی حالت پر کہ آپ مسلمانوں کو لڑا کر فساد کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوٹ اور تفرقہ ڈالنے والے کی سزا قتل سے کم نہیں رکھی۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے، مَنْ اَتَاکُمْ وَاَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَاحِدٍ یُرِیْدُ اَنْ یَّشُقَّ عَصَاکُمْ اَوْ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ فَاقْتُلُوْہُ"

چنانچہ آپ کی مداخلت سے فساد ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اور آپ کی سعیِ جمیل بارآور ثابت ہوئی۔

۵۔ دہلی میں اہلحدیث کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اور شیعہ حضرات نے اس میں مناظرے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس فرض مہمتہ کی ادائیگی کے لیے مولانا ابوالوفاء تشریف لائے ہوئے تھے۔ مناظرہ شروع ہونے میں چند لمحے

بانی تھے۔ کہ چند شیعوں نے فساد کھڑا کر دیا۔ اور آتش فتنہ کو ایسی ہوا دی، قریب تھا کہ ہندوستان کے دو بڑے گروہوں کے درمیان تلوار چل جاتی۔ کہ حضرت مولانا نے آیۂ کریمہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کی لطیف و مؤثر تفسیر بیان فرمائی۔ اور کچھ ایسے شیریں نرم اور دلآویز انداز میں تقریر کی کہ سامعین جھوم اٹھے۔ اور اہل تشیع نے عرق ندامت کو اپنی پیشانی سے پونچھ کر مولانا سے عفو و درگذر کی درخواست کی، جسے قبول کر لیا گیا۔ اور یوں حضرتِ مغفور نے اس بھڑکی ہوئی آگ کو حسن تدبیر کے پانی سے بجھا دیا۔ کیا آج ہمارے علماء یہ نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے؟

تعارف اہل حدیث

ایک مرتبہ چند مقلد علماء نے آپ سے پوچھا۔ کہ "مولانا! جب آپ اختلافِ ملت کے خلاف اور قومی تفرقہ سے بیزار ہیں۔ اور اسے اسلام کے لیے مہلک خیال فرماتے ہیں۔ تو پھر آپ اہلحدیث کیوں ہیں؟ اور اس فرقے کی ہدایت اور طرفداری کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اہل حدیث بھی ایک فرقہ و گروہ کا نام ہے۔ اور آپ کا اس میں شامل رہنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ فرقہ پرست ہیں اور گروہ بندی کے قائل ہیں"؟

مولانا محترم نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا۔ کہ اہل حدیث جو درحقیقت اہل السنۃ ہیں۔ چونکہ اس طریق پر عامل اور اس راہ پر گامزن ہیں جس پر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ چلتے آئے ہیں، اس لیے یہی وہ جماعت ہے جو قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُولُ ﷺ پر عمل کرتی اور کتاب و حکمت کے ہر حکم پر سر جھکاتی ہے۔ اسی کے متعلق حق سبحانہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ پس اہلحدیث اپنے کو کوئی جداگانہ مذہب اور فرقہ یا گروہ اور شاخ نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسے وہی جماعت سمجھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امارت و صدارت میں کھڑی کی تھی اور قرونِ وسطیٰ کے بعد جس کی کئی ٹولیاں اور کئی برانچیں بن گئیں جو ہمارے نزدیک اہل الرائے اور اہل القیاس ہیں اور جن کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھ گئے ہیں فَكَانَ لَا يَتَوَلَّى الْقَضَاءَ وَالْاِفْتَاءَ اِلَّا مُجْتَهِدٌ وَلَا يُسَمَّى الْفَقِيْهُ اِلَّا مُجْتَهِدٌ اِنَّ الْكُتُبَ وَالْمَجْمُوْعَاتِ مُحْدَثَةٌ وَالْقَوْلُ بِمَقَالَاتِ النَّاسِ وَالْفُتْيَا بِمَذْهَبِ الْوَاحِدِ مِنَ النَّاسِ وَاتِّخَاذُ قَوْلِهٖ وَالْحِكَايَةِ لَهٗ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالتَّفَقُّهِ عَلٰى مَذْهَبِهٖ لَمْ يَكُنِ النَّاسُ قَدِيْمًا عَلٰى ذٰلِكَ فِي الْقَرْنَيْنِ الْاَوَّلِ وَالثَّانِي (حجۃ اللہ البالغہ)"

اس سے ثابت ہوا کہ اہل فقہ، اہل اجتہاد، اہل رائے اور اہل تقلید وغیرہ کتاب وسنت کی خاص پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ اور تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ (موطا امام مالکؒ) کے حکم نبوی کی کوئی خاص اہمیت نہیں جانتے ہیں۔

حج کے چند اہم واقعات

مارچ ۱۹۲۶ء میں مولینا نے اپنے ارادہ حج کا اعلان شائع کیا، تاکہ دیگر احباب بھی جو زیارت بیت اللہ سے مشرف ہونا چاہیں تیار ہو جائیں۔ چنانچہ دو سو کے قریب احباب تیار ہو گئے۔ آپ ۲۶ اپریل کو امرتسر سے روانہ

ہوئے ۔ آپ کی روانگی پر ایک شاندار جلسہ ہوا، جس میں خواجہ کمیٹی امرتسر اور شرفائے شہر و اراکین انجمن اہل حدیث نے سپاسنامے پیش کیے۔ اور میرا امرتسری شمس مینائی، منشی مولا بخش کشتہ نے نظمیں پڑھیں۔ اسی سال سلطان ابن سعود ایدہ اللہ نے مکہ معظمہ میں "مؤتمر اسلامی" کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ اور ہندوستان سے "مؤتمر اسلامی" میں شرکت کے لیے تین جماعتوں سے نمائندے طلب کیے تھے۔

۱۔ خلافت کمیٹی سے۔

۲۔ جمعیت العلماء ہند سے۔

۳۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے باتفاق رائے مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کا نام تجویز کیا تھا۔ اور ان کے ساتھ مولانا محمد دہلوی[1] اور مولانا ابوالقاسم[2]

---

[1] مرحوم کا اصل وطن جونا گڑھ تھا محمد بن ابراہیم کے نام سے مشہور تھے، دہلی میں تعلیم پائی اور وہیں قیام اختیار کیا۔ جماعت اہل حدیث کی بہت خدمت کی۔ تقلید کی تو جڑیں کاٹ دیں، بہترین مقرر تھے۔ اور تقریر سے زیادہ تحریر کے دھنی ۱۹۲۲ء سے اخبار محمدی جاری کیا اور تا حیات اسے شائع کرتے رہے۔ قریباً ۸۰ موضوعات پر مدلل رسائل لکھے اور ہر رسالہ کے نام پر محمدی کا بند لگاتے رہے۔ مثلاً صلوٰۃ محمدی، صیام محمدی، زکوٰۃ محمدی، ایمان محمدی، طریق محمدی، وراثت محمدی، فضائل محمدی، دلائل محمدی، صراط محمدی وغیرہ اخیر میں تفسیر محمدی لکھی جو ابن کثیر کا ترجمہ ہے اور نہایت جامع ہے۔ مرحوم نے چار شادیاں کی تھیں، پچیس بچے بچیاں چھوڑے اللہ ان سب کا نگران و محافظ ہے۔

[2] آپ کے تفصیلی حالات آگے کسی صفحہ پر آئیں گے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

(خادم)

بنارسی کا بھی جمعیتہ العلماء کی طرف سے مفتی کفایت اللہ، مولانا شبیر احمد مولانا احمد سعید نے نمائندگی کی ۔ اور خلافت کمیٹی کی طرف سے علی برادران تشریف لے گئے تھے ۔ کراچی میں آپ نے حاجی عبدالغنی صاحب سوداگر دہلوی کے ہاں قیام فرمایا اور اہالیان کراچی کی خواہش پر ایک پبلک جلسہ میں " اسلام اور دیگر مذاہب " کے عنوان پر تقریر بھی کی جو از حد مقبول ہوئی ۔

لطیفہ

۳۰ راپریل کو آپ ارمنستان جہاز پر سوار ہوئے ۔ جہاز میں روزانہ درس قرآن دیتے وعظ فرماتے اور دین حق کی تبلیغ کرتے رہے ۔ چنانچہ اسی اثنا میں ایک لطیفہ پیش آیا ۔ ایک روز جب آپ درس سے فارغ ہوئے ۔ تو پورب کا ایک غریب صورت اور نیک سیرت شخص کھڑا ہو کر یوں گویا ہوا کہ " حضرات اگر کہیں کھیل تماشا ہو تو تم لوگ سینکڑوں روپیہ خرچ کر دیتے ہو مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ کئی روز سے یہ مولوی صاحب وعظ فرما رہے ہیں اور تم نے ان کے خرچ کی کوئی فکر نہیں کی "

قریب تھا کہ بعض لوگ اسے ڈانٹتے ڈپٹتے مگر مولانا نے روک دیا اور فرمایا " خلوص کی قدر کرو اور لاؤ کچھ رقم جمع کرو ، ہم تمہاری طرف سے مکہ کے غربا میں تقسیم کر دیں گے "

چنانچہ آپ کے ارشاد پر کئی سو روپیہ جمع ہو گیا اور وہ شخص بہت خوش ہوا ۔

سلطان سے ملاقات

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو آپ کو شاہی مہمان بنایا گیا آپ کو بہت

اعزاز اور اکرام سے ٹھہرایا گیا۔ سلطان المعظم نے چار دفعہ خصوصیت سے ملاقات کا موقع دیا۔ ہر صحبت میں گوناگوں باتیں ہوتی رہیں۔

ایک صحبت کا واقعہ ایک صاحب نے اخبار اہلحدیث ہی میں یوں قلمبند فرمایا ہے:

"حضرت امام (سلطان) توحید کے گرویدہ اور سچے عاشق ہیں۔ مولوی محمد صاحب دہلویؒ نے سوال کیا کہ "آپ اہلِ نجد ائمہ اربعہؒ میں سے کس کی طرف منسوب ہیں؟"

ممدوح نے فرمایا: "ہم اصل میں قرآن وحدیث کے پیرو ہیں۔ اور فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل کا فتویٰ مانتے ہیں۔"

مولانا ثناء اللہ صاحب نے فرمایا: "یہ انتساب شرعی امر ہے یا مصلحتی؟" فرمایا "کوئی شرعی امر نہیں ہے۔"

مولانا نے فرمایا کہ "کسی شخص کی نظر حدیث پر ہو۔ اور اس حدیث کی بنا پر اس کی تحقیق امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی تحقیق کے خلاف ہو۔ اور وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے۔ تو کیا آپ اسے مخطی کہیں گے؟"

فرمایا "نہیں!"

مولانا نے کہا: کہ ہم اہل حدیث اگر کسی امام کی طرف منسوب ہو جاتے تو جو تکالیف ہمیں ہوئی ہیں وہ نہ ہوتیں، مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔"

عظیمۃ السلطان نے فرمایا: "کہ واقعی لوگوں کا تعصب محل افسوس ہے۔"

اسی طرح ایک بار آپ کی "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" پر گفتگو ہوئی۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو گی۔

حبِّ رسولؐ

مولانا قیام مکہ معظمہ کے دوران میں کبھی کبھی تاریخی مقامات دیکھنے کے لیے باہر جاتے تو آپ کا معلم بھی ساتھ ہوتا۔ جو آپ کو ان مقامات سے آگاہ کرتا جاتا۔ ایک بار آپ ایک میدان کی طرف نکل گئے اور اس کے متعلق استفسار کیا۔ معلّم نے بتایا کہ "یہ وہ مقدس میدان ہے۔ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چرایا کرتے تھے"۔

یہ سنتے ہی مولینا پر رقت طاری ہو گئی۔ نہ معلوم آپ کا خیال آپ کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ آپ پر خاموشی کا عالم طاری تھا اور آنکھیں حبّ رسول میں اشکوں کا مینہ برسا رہی تھیں [۱]

آپ "مؤتمر اسلامی" میں بھی برابر شریک ہوتے رہے۔ مؤتمر میں ہند، جاوا روس، شام، فلسطین، نجد، حجاز، یمن، مصر، ترکی اور افغانستان کے قریباً ۶۰ نمائندے شامل تھے۔ مگر بحث وتمحیص میں حصہ لینے والے سب سے بڑھ کر ہندوستانی ہی تھے۔ خصوصاً مولینا محمد علی اور شوکت علی (علی برادران) جو قبہ جات گرانے اور ملک الحجاز کہلانے کے ضمن میں سلطان ابن سعود کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔ سب سے زیادہ بولتے اور سب سے زیادہ شور مچاتے تھے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود وہ سلطان کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ اور سلطان نے بھی انہیں کوئی گزند نہ پہنچایا بلکہ اخیر تک باعزاز واکرام پیش

---

[۱] غور کریں وہ دوست جو جماعت اہل حدیث پر رسول اکرمؐ کے گستاخ و بے ادب ہونے کا الزام عاید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سوفیصد آنے غلط اور سوفیصد باطل پروپیگنڈا ہے۔ (قادری)

آثار ہا اور قبہ جات گرانے کے متعلق بھی اتنا کہہ دیا کہ علمائے اسلام کی ایک کانفرنس کر لیجیے۔ اور ان سے فتوے لے لیجیے۔ مجھے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے کوئی انکار نہ ہوگا۔

مولینا ثناء اللہ صاحب نے بھی ایک تجویز پیش کی کہ حُجاج کو مزید آرام و آسائش پہنچانے کے لیے ایک الگ محکمہ بنا دیا۔ جسے منظور کر لیا گیا۔ علیٰ ہذہ مؤتمر میں کئی تجویزیں پاس ہوئیں جن پر نمائندگان ممالک اسلامیہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

مخالفین کا پروپیگنڈا

مولینا ابھی حجاز ہی میں تھے کہ آپ کے مخالفین نے آپ کی موت کی افواہیں اڑا دیں۔ کسی نے کہا "ثناء اللہ نے ابن سعود سے کہا کہ تو نے جہاں اتنے قبے گرا دیئے ہیں وہاں حضورؐ کا قبہ کیوں رہنے دیا۔"

کوئی غیور حنفی سن رہا تھا اس نے وہیں آپ پر شوٹ کر دیا۔ کسی نے کہا "ثناء اللہ خود تیشہ لے کر روضہ نبویؐ کے گرانے کے لیے اوپر چڑھا کہ بجلی گری اور وہیں فنا ہو گیا۔"

کسی نے کہا کہ روضہ نبویؐ کی جالی کو پکڑ کر حضور پرنورؐ کو طعن دے رہا تھا کہ تم کیا کر سکتے ہو، تم تو مردہ ہو چکے ہو، کہ حضورؐ نے بددعا دی اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔"

الغرض جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔ مگر مقصد سب کا مفروضہ بے ادبی، گستاخی اور موت ہی تھا ؎

شور بختاں بآرزو خواہند　　مقبلاں را زوال نعمت وجاہ

حج سے واپسی

بحمداللہ یہ سب افواہیں غلط ثابت ہوئیں۔ اور آپ ۸ اگست ۱۹۲۶ء کو جدہ سے ایس ایس اکبر جہاز پر سوار ہو کر ۱۸ اگست کو کراچی اور ۲۰ اگست ۱۹۲۶ء کو بخیر و عافیت امرتسر پہنچ گئے اور آتے ہی مولینا ابو النعمان عبدالرحمن مؤی نے آپ کو یہ تاریخ لکھ کر بھیج دی ؎

حَمَامَةُ مَكَّةٍ جَاءَتْ بِبُشْرَىٰ — بِفَضْلِ اللّٰهِ حَجَّ اَبُو الْوَفَاءِ
بِقَلْبِ مَدِيْنَةٍ اَرَّخْتُ هٰذَا — وَزَارَ دِيَارَ خَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ
۱۳۴۴ھ

اور مولانا فخر صاحب سنگی مسجد پٹنہ نے یہ اشعار بھیجے ؎

ثناء اللہ از فضلِ الٰہی — چہ از راہ دراز آمد شگفتہ
پس از حج و زیارت شاد و خرم — مسافر از حجاز آمد شگفتہ
بہ پیش دوست و احباب و اقربا — بہ پائیں از جہاز آمد شگفتہ
بحمداللہ ہر یک یار و برادر — حضورش با نیاز آمد شگفتہ
چہ خوش تاریخ آمد فخر گفتا — زبیت اللہ باز آمد شگفتہ ۱۳۴۵

آپ کا اخلاص

ہاں ایک چیز یہاں بیان کر دینی ضروری ہے کہ حج کے بعد مولانا کو حاجی کہلانے سے بہت نفرت تھی۔ جب لوگ آپ کو الحاج لکھتے یا حاجی کہہ کر خطاب کرتے تو آپ بہت برا مناتے۔ عوام تو اس خطاب پر خوش ہوتے ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی اس لقب سے یاد کرے اور حاجی صاحب کہہ کر بلائے۔ مگر آپ

اسے ریاکاری میں شمار کرتے تھے اور اپنے عمل اور فریضہ کو ضائع کر دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے اپنے اخبار میں یہ اعلان بھی فرما دیا :

"حاجی لقب کی بابت میں بارہا اپنے احباب سے عرض کر چکا ہوں کہ مجھے اس لقب سے ملقب نہ کیا جائے۔ نہ خطوں میں نہ جلسہ کے اشتہاروں میں مجھے حاجی لکھا جائے ورنہ آئندہ میں کسی ایسے خط کا جواب نہ دوں گا نہ کسی ایسے جلسہ میں شریک ہوں گا"

(الوالوفاء۔ اہلحدیث ۲۴ ستمبر ۱۹۲۶ء)

جماعتی خدمات

ہندوستان میں اگرچہ توحید وسنت کی تبلیغ اور قرآن وحدیث کی اشاعت کا پرچم لہرایا جا چکا تھا۔ اور اکثر بزرگان دین اس فرض مہمتہ کی بجا آوری میں مصروف تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، مولینا سید احمد بریلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایسے اکابر امت نے توحید الٰہی کے احیاء اور کتاب وسنت کے بقاء کی طرف توجہ مبذول فرمائی تھی۔ جس سے کفر وزندقہ شرک وبدعت کی جڑیں کسی حد تک کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ادھر پنجاب میں مولینا عبداللہ غزنویؒ، حافظ محمدؒ لکھوکی، حضرت میاں صاحب دہلویؒ ایسے بزرگ بھی اپنے اپنے دور میں اس خدمت میں منہمک رہے۔ لیکن ہنوز جماعت اہلحدیث کی باقاعدہ تشکیل عمل میں نہ آئی تھی۔ طول وعرض ملک میں اہلحدیث

موجود ضرور تھے اور ان کی تعداد بھی خاصی تھی۔ مگر جماعتی رنگ میں ان کا وجود ابھی ظاہر نہ ہوا تھا۔ نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی ڈھانچہ۔

قیام انجمن ہائے اہلحدیث

حضرت مولانا ابوالوفا ؒ نے تعلیم وتدریس سے فارغ ہو کر جہاں توحید ورسالت کی تبلیغ واشاعت کا بیڑا اٹھایا وہاں آپ نے انجمن ہائے اہل حدیث کے قیام کو بھی مقدم سمجھا۔ چنانچہ آپ نے سب سے اول امرتسر میں اس کی داغ بیل ڈالی اور اپنے اخبار میں اس کی تحریک کا سلسلہ جاری کیا۔ موحّدین کو جماعت کے نظام واستحکام پر توجہ دلائی۔ جماعتی خوبیوں سے ان کو آگاہ کیا اور کہا ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

آپ کی آواز موثر ثابت ہوئی۔ توحید وسنت کے ہر جانثار نے اس پر لبیک کہی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی تحریک پہ ملک کے طول وعرض میں اہلحدیث انجمنیں قائم ہونے لگیں۔

اس قیام سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ عاشقان کتاب وسنت محسوس کرنے لگے کہ ان کا وجود بھی ملک میں موجود ہے۔ اور وہ بھی کوئی نظام اور قوت رکھتے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ توحید الٰہی، قرآن کریم اور سنت رسول اللہ کی تبلیغ واشاعت کی سرگرمیاں پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ ہندوستان میں ہر جگہ بدعات ومحدثات اور کفر وشرک کا استیصال ہونے لگا۔ مبتدعین کو بے بنیاد

اعتراضات کے مدلل ومسکت جواب ملنے لگے۔ ائمہ مجتہدین کے آراء وقیاسات کی اقتدار کرنے والوں اور قرآن وحدیث کے احکام ومسائل سے روگردانی کرنے والوں کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ اور غیر مسلموں سے مباحثہ ومناظرہ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ان میں اسلام پھیلا۔ اور وہ دین خدا میں جوق درجوق داخل ہونے لگے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا، کہ ہر مقام کی انجمن کے زیر اہتمام سالانہ اجلاس منعقد ہونے لگے اور اس طرح دور دراز کے معاہدوں اور بچھڑے ہوئے بھائیوں کو گلے ملنے اور رشتہ اخوت ومودت کو مضبوط کرنے کا خوب موقع ملا۔ جلسوں میں چونکہ اکثر علمائے کرام شریک ہوتے اور عوام کو اپنے افکار و اذکار، مواعظ ونصائح سے مستفید کرتے تھے لہٰذا اس سے دین وملت کی روح پھر تازہ ہوئی۔ اور فرزندانِ توحید کی رگوں میں اسلامی خون پھر سے دوڑنے لگا۔ الغرض ان انجمنوں کے قیام سے دین ودنیا کے لاینحل عقدے کھلتے اور پیچیدہ ومشکل مسائل حل ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ تمام بڑے بڑے شہروں میں مرکزی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ جن کے تحت بیشمار قصبات ودیہات میں ان کی شاخیں کام کرنے لگیں۔ اور اس طرح تھوڑی ہی مدت میں پورے ہندوستان میں توحید وسنت کے غلغلے بلند ہونے لگے اور قلیل ہی عرصہ میں سارے ہندوستان میں انجمن ہائے اہلحدیث کا جال پھیل گیا۔ جنھوں نے حضرت مولانا کی قیادت ورہنمائی میں دین وملت کی گرانبہا اور لائق تعریف خدمات انجام دیں۔

صدر انجمن اہلحدیث "صوبہ پنجاب"

جب انجمنوں کے قیام میں مولانا مغفور کو امید سے بڑھ کر کامیابی ہوئی

اور نصرت الٰہی نے ہر آن آپ کا خیر مقدم کیا۔ تو آپ نے ضرورت محسوس کی کہ پنجاب میں ایک انجمن بنائی جائے۔ جس کے ساتھ شہروں قصبوں اور دیہاتوں کی تمام چھوٹی بڑی انجمنیں الحاق کریں۔ اور اس کا صدر دفتر لاہور میں رکھا جائے آپ نے اس کا نام "صدر انجمن اہلحدیث صوبہ پنجاب" تجویز فرمایا۔[۱] اخبار کے

---

[۱] "اہلحدیث کانفرنس" کا قیام بہت عرصہ پہلے عمل میں آچکا تھا ہم نے محض ترتیب مضمون کے لحاظ سے انجمن ہائے اہلحدیث پھر صدر انجمن اہلحدیث پنجاب اور پھر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہونا بھی یونہی چاہیئے تھا۔ مگر ہمارے ہاں عموماً اس کے برعکس ہی ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ یعنی ہم مرکزی جماعتیں پہلے بنا لیتے ہیں اور ان کی شاخیں بعد میں بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے عموماً ناکام ہی رہتے ہیں۔ صدر انجمن پنجاب کا وجود ۱۹۲۰ء میں عمل میں آیا تھا اس کے پہلے صدر مولینا عبدالقادر قصوری[۱] اور ناظم اعلیٰ مولینا ثناء اللہ امرتسریؒ تھے پھر ۱۹۲۸ء میں اس کا دوبارہ انتخاب ہوا تو صدر علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب[۲] پٹیالوی مقرر ہوئے اور ناظم اعلیٰ یہ خادم سوہدروی منتخب ہوا اور دفتر لاہور ہی میں رہا ـــــ یہ خیال رہے کہ "انجمن اہلحدیث" (مسجد مبارک) لاہور اور "صدر انجمن اہلحدیث پنجاب" دونوں الگ الگ جماعتیں تھیں۔ انجمن اہلحدیث (مسجد مبارک) کا وجود پہلے عمل میں آچکا تھا اور صدر انجمن بعد میں بنی تو جمعیۃ اہلحدیث مسجد چینیانوالی لاہور بھی بعد میں وجود میں آئی۔ (خادمؔ)

حاشیہ در حاشیہ [۱] مولینا عبدالقادر قصوری مدت تک "صدر انجمن اہل حدیث صوبہ پنجاب" کے صدر رہے آپ دلاور چیمہ تحصیل وزیر آباد میں پیدا ہوئے اگرچہ آبائی وطن اورنگ آباد ضلع سیالکوٹ تھا مگر دادا مرحوم دلاور آگئے تھے۔ آپ کے والد مولینا غلام احمد بن غلام حسین بن عبداللہ سب ہی عالم تھے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی پھر لاہور اورنٹیل کالج میں داخل ہوئے اور پنجاب میں اوّل آئے۔ وکالت کا امتحان دیا تو بھی اوّل رہے۔ قصور میں پریکٹس شروع کی اور قصوری بن گئے

ذریعے اس کے متعلق پروپیگنڈا کیا۔ اور انجمن کے سالانہ جلسوں اور ہنگامی اجلاسوں میں بھی جملہ موقدین کو اس کی تاسیس پر توجہ دلائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ مراد بھی پوری کر دی۔ آپ اپنے مقصد میں کامران و کامگار ہوئے۔ اور صوبائی جمعیتہ اہل حدیث کی تشکیل بڑی شان و عظمت سے عمل میں لائی گئی۔

جمعیت اہل حدیث کے اغراض و مقاصد بھی وہی تھے جو انجمن ہائے اہلحدیث

کچھ عرصہ بعد طبیعت سیاسیات کی طرف مائل ہو گئی تو وکالت چھوڑ دی۔ تحریک خلافت میں پیش پیش رہے گا، کانگرس میں شامل ہوئے، تو ملک و ملت کی پوری خدمت کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ انڈیا بھر میں قومی سرمایہ اور جماعتی فنڈ سے بچنے والا اور ایک پیسہ تک کرایہ نہ لینے والا کوئی لیڈر گزرا ہے تو وہ عبدالقادر قصوری ہے تو یہ سولہ آنے صحیح ہوگا۔ جمعیتہ دعوت و تبلیغ اور جماعت اہل حدیث کی خدمت بھی کرتے رہے مگر اتنی خاموش اور ٹھوس کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ فیاض تھے، مہمان نواز تھے، نہایت سلیم الطبع، صائب الرائے غیور، راست باز، مستقل مزاج اور بے نفس انسان تھے۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۴۲ء کو ہم سے جدا ہو گئے (اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ) مولینا محی الدین احمد بی۔ اے، مولینا محمد علی ایم۔ اے، مولوی احمد علی، مولوی محمود علی بیرسٹر چار صاحبزادے آپ کی زندہ یادگار ہیں۔ (خادم)

سلہ حضرت علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوریؒ مصنف "رحمتہ للعالمین" کسی تعارف کے محتاج نہیں ہم آپ کی ایک جامع اور کامل سیرت لکھ رہے ہیں جو کتابی صورت میں طبع ہوگی۔ مختصر حالات آگے آئیں گے۔ (خادم)

(مگر یہ سیرت طبع نہ ہو سکی، بلکہ مرتب ہونے سے بھی رہ گئی۔ ہماری خواہش ہے کہ اسے ترتیب دیا جائے۔ شاید کامیابی ہو جائے۔ (فاروقی)

کے تھے۔ اس کے قیام کی غایت صرف یہ تھی۔ کہ کم از کم صوبہ بھر کے اہلحدیث ایک سٹیج پر جمع ہو کر جماعتی تنظیم و اتحاد کی شاندار اور بہترین مثال پیش کر سکیں اور یہ "مرکزی انجمن" یا "جمعیت" پنجاب میں توحید و سنت کے احیا و بقا کے لیے ہر وقت سرگرم عمل رہے۔ باقی انجمنیں چاہے وہ ضلعی ہوں یا قصباتی و دیہاتی اس کے ماتحت کام کریں تاکہ فرض تبلیغ زیادہ تندہی اور تیزی سے ادا کیا جا سکے۔

جمعیت اہلحدیث اور اس کی ماتحت انجمنوں کے قیام و تاسیس سے یہاں موحدین کی ایک منظم و متحد جماعت تیار ہو گئی وہاں جملہ اہل اسلام کو ایک یہ عظیم نفع پہنچا۔ کہ وہ اعدائے دین کے فتنوں ان کی شر انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک بڑی حد تک محفوظ ہو گئے۔ کسی جلسہ یا مناظرہ میں دشمنان اسلام جب بھی مسلمانوں کو للکارتے، اول تو مولانا حضرت ابوالوفا بہ نفس نفیس ان کا چیلنج قبول کر کے بغرض مناظرہ تشریف لے جاتے۔ ورنہ کسی اہلحدیث عالم کو بھیج دیتے[۱]۔ الغرض مولینا محترم نے اس جمعیت اور دیگر انجمن ہائے اہلحدیث کا نظم و نسق اپنے دست مبارک میں لیا۔ ان کو ترقی دی، مضبوط بنایا۔ اور انہیں بام عروج پر پہنچایا۔ علاوہ بریں علمائے اہلحدیث میں تبلیغ توحید و سنت کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ انہیں بدعات و محدثات کی روک تھام پر مائل کیا۔

---

[۱] مولینا محمد دہلویؒ، مولینا ابوالقاسم بنارسیؒ، مولینا ابو مسعود قمر بنارسیؒ، مولانا عبدالرحیم لکھنویؒ مولینا نور حسین گھرجاکھیؒ، مولانا عبداللہ ثانیؒ، مولینا عبدالعزیز ملک ملتانیؒ، مولانا احمد دین گکھڑویؒ، مولینا عبداللہ معمار امرتسریؒ، مولوی حبیب اللہ امرتسریؒ آپ ہی سے تربیت یافتہ اور آپ ہی کے زمانے کے مشہور مناظرین میں سے ہیں۔

غیر مذاہب سے بحث ومناظرہ کرنے کی تربیت دی اور ہندوستانی مسلمانوں کا مقدس دین جو کفار کی دسیسہ کاریوں سے خطرے اور سخت خطرے میں تھا اللہ تعالیٰ نے نصرت وامداد سے بچا لیا۔

اہلحدیث کانفرنس

مولانا مغفور نے جمعیت اور انجمنوں کے قیام ہی کو کافی نہ سمجھا۔ آپ کی دوربین نگاہ اس سے بھی بلند تھی۔ اور آپ چاہتے تھے۔ کہ جماعت اہل حدیث آسمانِ رفعت پر پرواز کرتی نظر آئے۔ اور اس کی پہنائیاں پنجاب اور ہندوستان تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام میں اس کا اثر پھیل جائے اور جملہ دولِ اسلامیہ اس کی حیثیت اور نمائندگی قبول کرلیں۔ چنانچہ آپ نے جمعیت اہلحدیث اور اس کی ماتحت انجمنوں کے جلسوں، جماعتی اجتماعوں اور اکثر مجالس ومحافل میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اور جمعیت وانجمن کو "کل ہند" سے "کل دنیا" بنا دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جسے جماعت نے پسند کیا۔ اور آپ کی یہ تحریک تائید وحمایت حاصل کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ چلتی رہی۔

بالآخر ماہِ دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام آرہ اہلحدیث کا جلسہ منعقد ہوا۔ اور اسی جلسے میں اکابر علمائے جماعت کی موجودگی میں اہلحدیث کانفرنس کی تشکیل عمل میں لائی گئی اور کانفرنس کے پہلے صدر حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری[1]

---

[1] آپ ۱۲۶۰ھ میں بمقام مئو پیدا ہوئے۔ ۱۰۔۱۲ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا پھر والدین غازی پور چلے گئے تو آپ نے وہیں بقیہ علوم کی تحصیل کی۔ حدیث حضرت میاں صاحب (مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی) سے پڑھی۔ میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہزارہا شاگرد

میں سے بس دو عبداللہ ملے جو اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ ایک عبداللہ غزنوی دوسرے عبداللہ غازی پوری آپ نے تحصیل علوم کے بعد غازی پور ہی میں تدریس کا کام شروع کیا مگر مقلدین نے آپ کو بہت ستایا اور تنگ کیا اس لیے احباب کے اصرار اور تقاضا پر آرہ تشریف لے گئے اور مدرسہ احمدیہ کے صدر مدرس بنا دیئے گئے بیس برس تک وہاں درس دیا اور ہدایہ صدرا قاضی مبارک جیسی کتابوں کے تیس تیس دور ختم کیے۔ درس قرآن کا بہت شوق تھا لوگ دور دور سے سننے آیا کرتے۔ اور بانکی پور کے چند وکلا رتے توہر اتوار کو درس کا ایک خاص اہتمام کرا رکھا تھا جس کے لیے آپ کو ہر ہفتہ آرہ سے بانکی پور جانا پڑتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ آرہ چھوڑ کر دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بھی درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا پھر لکھنو جانا پڑا تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ آپ لکھنو ہی میں ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء کو ۳ بجے بعد ادائے نماز عصر واصل بحق ہو گئے۔ آپ جامع العلوم نہیں بلکہ بحر العلوم تھے۔ جماعت اہل حدیث کے نایہ ناز عالم بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف تھے حلیم الطبع منکسر المزاج، کم گو، کم خوراک، متین، امین، عابد و زاہد، جفاکش اور فنا فی السنۃ تھے۔ بے غرض بے نفس ایسے کہ کسی کو ستانا اور برا کہنا تو در کنار انتقام تک نہ لیتے تھے۔ تہجد اور نماز با جماعت کے تو گویا عاشق تھے۔ تبلیغ کا شوق بھی حد سے زیادہ تھا آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے پورے معاون اور صدر اول بھی آپ ہی تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان کی وفات پر لکھا تھا کہ:

"آہ عبداللہ! میری آنکھوں نے تیرے جیسا کامل عالم نہیں دیکھا۔ سننے میں تو بہت آئے مگر کہ (شنیدہ کے بود مانند دیدہ) آہ عبداللہ! تیرے فراق میں اس وقت میری حالت یہ ہے القلب یحزن والعین تجری ولا نقول الا ما یرضی ربنا یرحمک اللہ وایانا والحقنا بالصالحین۔" مرحوم کی سادگی اور بے نفسی کے واقعات تو بہت سے ہیں مگر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس پشاور کے جلسہ پر میرے ایک دوست نے چشم دید واقعہ سنایا کہ مولیناؒ نے کہیں بھی علماء کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھایا نہ کسی دعوت میں شرکت کی اپنے گھر ہی سے چند روٹیاں پکوا کر ساتھ لے آیا کرتے۔ اور وہی روکھی سوکھی پانی سے کھا لیا کرتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ (خادم)

منتخب ہوئے اور ناظم اعلیٰ مولینا ابوالوفا مرحوم مقرر ہوئے۔ اور صدر دفتر دہلی میں بنانا منظور ہوا۔ نیز قرار پایا کہ مولینا عبدالعزیز رحیم آبادی[۲] کی سرکردگی میں ایک

---

[۱] آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۹۱۲ء میں دہلی ہی میں منعقد ہوا پھر دوسرا جلسہ امرتسر میں ہوا پھر پشاور، علیگڑھ، کلکتہ، کانپور، مدراس، آگرہ، بنارس، ملتان، گوجرانوالہ، چھپرا مئو، شکرہ اور فتحگڑھ وغیرہ ہوتے رہے مگر آخری بائیسواں اجلاس پھر دہلی میں ہی ہوا اور اس کے بعد پھر کوئی اجلاس نہ ہو سکا۔ بعض احباب کو کانفرنس سے شکوہ بھی رہا کہ اس میں کوئی عہدوں کا نیا انتخاب نہیں ہوا اور اس کے نائب ناظم شیخ حافظ حمیداللہ مرحوم نے اس پر پورا قبضہ جمائے رکھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس ایک عیب کے ساتھ مرحوم میں اتنی خوبیاں تھیں کہ وہ اس ظاہری عیب کو اجاگر نہ ہونے دیتی تھیں مثلاً آپ اپنے جیب خاص سے ہزاروں روپے سالانہ کانفرنس پر خرچ کر دیتے تھے۔ تیس دینی مدارس کو ماہوار مدد دیتے۔ تبلیغی سلسلہ میں منہمک رہتے ایثار پیشہ تھے اور خلوص کا مجسمہ تھے ایک لاکھ روپے سے زائد جماعت پر خرچ کر دیا خدا قبول فرمائے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۶ء تک چالیس سال میں کانفرنس نے جو جو خدمات سرانجام دیں اگر ان کی تاریخ لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔ (خادم)

[۲] آپ ۱۲۷۰ھ میں رحیم آباد ہی میں پیدا ہوئے طبعاً نہایت ذہین فطین اور قوی الحافظہ تھے جو کتاب ایک دو بار دیکھ لیتے حفظ ہو جاتی چنانچہ مسدس حالی دو بار ہی کے مطالعہ سے حفظ ہو گئی تھی۔ تیرہ برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور ۲۲ برس کے سن میں جملہ علوم درسیہ صرف، نحو، منطق، فلسفہ، معانی، کلام فقہ، حدیث تفسیر سے فارغ ہو کر حضرت میاں صاحب مرحوم محدث دہلوی سے سند حاصل کر لی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ احمداللہ رئیس اعظم تھے۔ انہوں نے اپنے خرچ پر رحیم آباد میں مدرسہ کھولا اور پچاس طالب علموں کے مستقل نان و نفقہ کا ذمہ لیا تاکہ وہ مولینا عبدالعزیز صاحب سے علم حاصل کرتے رہیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مناظر بھی تھے۔ اگرچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کئی کامیاب مناظرے ہوئے مگر "مناظرہ مرشدآباد" جو علمائے احناف سے کئی روز تک مسئلہ "وجوب تقلید" پر ہوتا رہا اپنی نظیر آپ ہے احناف کی طرف سے ہر روز مناظر بدلتا رہا حتیٰ کہ مولوی ہدایت اللہ منطقی جونپوری اور مولوی عبدالحق دہلوی مفسر تفسیر حقانی بھی تاب نہ لا سکے مگر آپ اکیلے ہی پانچ روز تک مناظرہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال میں آپ کی دھوم مچ گئی اور ہزار ہا لوگ تقلید شخصی چھوڑ کر اہلحدیث ہوگئے آپ اردو، عربی، فارسی کے شاعر بھی تھے جب وعظ فرماتے اور نکات و معارف قرآنی بیان کرتے تو علما بھی عش عش کر اٹھتے اور کہتے آپ مولانا اسمٰعیل ثانی ہیں۔ کوئی کہتا آپ تو امام غزالی ہیں آپ نے چند کتابیں بھی لکھی تھیں جو اپنی نظیر آپ ہی ہیں مثلاً "سواطع للطریق" چار جلدوں میں لکھی "حسن البیان فیما فی سیرت النعمان"، شبلی کے جواب میں لکھی "ہدایۃ لمعتدی فی قراۃ المقتدی" "الرق للنشور فی جواب فتح الشکور" اور "رسالہ الحمیر" کے جواب میں "امی الحمیر" لکھا — آپ دوستوں کے بہت قدر دان تھے، پرلے درجے کے مہمان نواز تھے۔ نہایت سخی تھے، زمیندار اور رئیس ہونے کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ تہجد گذار ایسے کہ کبھی سفر حضر اور علالت میں بھی تہجد قضا نہ ہوئی وہ دو تین تین پارے عام طور پر تہجد میں پڑھا کرتے۔ نماز اس خضوع اور خشوع سے پڑھتے کہ دیکھنے والوں کی نظر میں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کا نقشہ کھنچ جاتا تھا۔

اپریل ۱۹۱۸ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ میں مرض ذیابیطس سے انتقال فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ۔ خادم

نوٹ: ہم نے آپ کی کتاب "حسن البیان" پڑھی تو اتنا سرور آیا کہ جس کی حد نہیں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کا اس خوبی سے جواب دیا کہ کمال کر دیا اور شبلی مرحوم کی متعدد غلطیوں کی نشاندہی کی اور اعتراضات مذہب محدثین کے ایسے شافی جواب دیئے کہ جی خوش ہو جاتا ہے "حسن البیان" چھپ چکی ہے۔ بیشک پڑھنے کی چیز ہے۔ لیکن اگر پہلے شبلی نعمانی کی سیرت کا مطالعہ کر لیا جائے تو پھر دو چند ہو جائے گا۔ یہ جواب علامہ شبلی مرحوم کی زندگی میں چھپ گیا تھا، مگر وہ جواب کی ہمت نہ کر سکے جو "حسن البیان" کے لاجواب ہونے کی دلیل ہے بلکہ اس کے بعد شبلی کا تعصب جاتا رہا۔ (فاروقی)

وفد بغرض تنظیم جماعت دورہ کرے جس میں مولانا ابوالوفا، اور مولینا محمد ابراہیم سیالکوٹی ؒ[1] بھی شامل ہوں۔ گویا اس طرح حضرت مولینا مرحوم نے جماعتی معراج

---

[1] مولینا ابراہیم صاحب فاضل سیالکوٹی کو (خدا انہیں تادیر سلامت رکھے) مولینا ثناء اللہ مرحوم کا دایاں بازو یا بالفاظ دیگر "یارغار" کہا جاتا اور سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کیونکہ جتنا ہم مولانا کو قریب سے دیکھ سکے ہیں۔ شاید کوئی اور نہ دیکھ سکا ہو۔۔۔ مگر آپ حیران ہوں گے کہ "سیرت ثنائی" میں ان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ آخر کیوں؟ اسے خود مولانا ہی جانتے ہیں۔ کیونکہ گو ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

حضرت مولینا اکابر علماء میں سے اب آخری نشانی ہیں جو ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ آپ نے جماعت اہلحدیث کی جتنی تقریری اور تحریری خدمات کی ہیں شاید ہی کسی نے کی ہوں۔ آپ واقعی مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کے دست راست تھے۔ جب تک آپ دونوں (شیخین) کسی جلسہ میں شامل نہ ہوتے وہ جلسہ ہی نہ ہوتا۔ فن مناظرہ میں بھی آپ مولانا مرحوم کے پہلو بہ پہلو تھے اور تصانیف میں بھی آپ کا مقام بہت بلند رہا ہے۔ تاریخ اہلحدیث تفسیر الدر النظیم پارہ اول، دوم، سوم تفسیر سورہ کہف تفسیر سورہ فاتحہ سراجاً منیراً شہادت القرآن سیرت مصطفےٰ جلد اول، دوم وغیرہ کتابیں وہ علمی ذخائر پیش کر رہی ہیں، کہ رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گی آپ مدت تک ماہوار الہادی بھی شائع کرتے رہے اور کچھ عرصہ مدرسہ اہلحدیث بھی چلاتے رہے

(خادم)

نوٹ: آپ بیشک عالم بے بدل تھے۔ اور بڑا اونچا علمی پایہ رکھتے تھے۔ آپ سے بڑے بڑے علماء نے علمی فیض حاصل کیا۔ حضرت مولینا عبدالمجید سوہدرویؒ حضرت مولانا اسمٰعیل سلفیؒ، مولانا احمد دین گکھڑویؒ، مولینا حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ، حافظ محمد شریف سیالکوٹیؒ ایسے متعدد علماء کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں جنھوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ کی الگ سیرت لکھی جائے۔ دیکھیے اس کام کے لیے کب وقت نصیب ہوتا ہے۔ (فاروقی)

وارتقا سے متعلق جو سہانا خواب دیکھا تھا وہ آپ کی مساعی جمیلہ سے یوں شرمندۂ تعبیر ہوا۔ حق سبحانہ نے پہلے کی طرح اب کے بھی آپ کو کامرانی بخشی۔ اور آپ کی انتھک اور سرتوڑ محنت وکوشش سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس قائم ہو گئی۔ جس کی عرصہ سے آرزو کی جا رہی تھی۔ اور جس کے لیے علما و اکابرین جماعت مدت سے چشم براہ تھے۔

یہ کانفرنس دراصل ایک بہت بڑا تبلیغی و مذہبی مرکز تھا جو کفرستانِ ہند میں خدا تعالیٰ کے مقدس دین کو کفار کی بادِ سموم سے محفوظ رکھنے کے لیے قائم کیا گیا۔ اس کی دھاک صرف ہندوستان ہی میں نہیں بیٹھی، بلکہ صرف مولانا کے ایما و منشا کے مطابق اس کا دبدبہ بیرونِ ہند بھی پہنچا۔ اکثر دولِ اسلامیہ مثلاً ٹرکی، افغانستان، عرب، ایران، عراق، مصر وغیرہ بھی اس کی مذہبی و ملی سرگرمیوں سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے اس کی حیثیت قبول کر لی۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جب حضرت مولینا حج بیت اللہ شریف پر تشریف لے گئے تو اس وقت وہاں جو مؤتمر مکہ کا قیام عمل لایا گیا۔ اس معتمر اسلامیہ میں سلطان ابن سعود شاہ نجد و حجاز ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس کانفرنس کو نمائندگی عطا کی۔ اور اس کے تین ممبر مؤتمر مکہ میں شریک کرنے کے لیے چنے گئے، جن کی قیادت مولینا مرحوم ہی کے ہاتھ میں تھی۔

آپ کی زندگی میں اس کانفرنس کے زیر اہتمام طول وعرض ہند میں بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے جن کے عدیم النظیر جماعتی و قومی اجتماعوں سے چشم حسود میں کھٹک اور چبھن پیدا ہوتی تھی۔ ان فقیدالمثال اجتماعات میں جہاں اہل تقلید اور مبتدعین کو کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ائمہ و فقہا کے آرار و قیاسات کو ترک کر کے قرآن و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی

تبلیغ و تلقین کی جاتی تھی وہاں کفار و مشرکین کے اعتراضات و خرافات کا بھی دندان شکن جواب دیا جاتا اور مناظروں کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کانفرنس کا شاید ہی کوئی ایسا جلسہ ہوگا جس میں مباحث و مناظرات کا بازار گرم نہ ہوا ہو۔ مثلاً منکرین حدیث، نیچری، اہل قرآن، شیعہ، مرزائی، احناف کے علاوہ آریہ عیسائی اور دیگر غیر مسلم بھی ان جلسوں میں شریک ہوتے، مناظرے کرتے، اعتراضوں کا جواب لیتے اور ہزیمت اٹھا کر جاتے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ سب کچھ مولینا ابوالوفا کی جدوجہد اور کوشش سے تھا، چونکہ موصوف مرحوم مناظرہ کے مایہ ناز فن میں ماہر کامل تھے اور ایک پر جوش مجاہد کی طرح اس کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ جماعت نے آپ کو امام المناظرین کا خطاب دے رکھا تھا اور آپ کانفرنس کے ناظم اعلیٰ (جنرل سکرٹری) بھی تھے۔ اس لیے کانفرنس کے جلسوں میں جانا آپ کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ آپ ہر جلسہ میں خود جا کر مواعظ حسنہ سے مستفید فرماتے، مناظرے کرتے اور فتح پا کر واپس لوٹتے۔

اللہ اکبر کیسا ایمان افروز اور دین پرور زمانہ تھا وہ جب حضرت محترم ہم میں موجود تھے اور اپنے فیوض سے جماعت کو مستفید و فیض کام فرماتے تھے۔

ایک سوال کا جواب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا فرقہ بندی کے خلاف تھے افتراق امت سے بیزار تھے۔ اور ملت کے تشتت و انتشار کو وحدت اسلام کے لیے زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔ تو پھر آپ نے اہلحدیث کی انجمن جمعیت یا کانفرنس الگ کیوں بنا لی؟ اور جو اسلامی انجمنیں اور مسلم ادارے اس وقت مصروف کار تھے، انہی کے ساتھ الحاق کیوں نہ کیا؟

جواباً عرض ہے کہ مولانا محترم نے نہ کوئی نیا فرقہ بنایا، نہ کسی نئے گروہ کی بنیاد رکھی۔ آپ محض عامل بالحدیث تھے۔ اور حسب ارشاد نبوی ؐ اور حسب آثارِ صحابہ کرام ؓ آپ تعامل بالحدیث ہی کو صحیح اسلام سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ دوسری انجمنوں میں شامل نہ ہو سکے۔ نیز چونکہ ہر انجمن کسی نہ کسی خاص نظریہ اور کسی نہ کسی خاص عقیدہ کے مسلمانوں سے مختص ہو چکی تھی اس لیے آپ کو اپنے نظریۂ توحید کے ماتحت الگ جماعت بنانی پڑی۔ جب آپ جمعیت کانفرنس کی تاسیس میں منہمک تھے تو اسی قسم کا استفسار اس وقت بھی بعض حضرات نے کیا تھا۔ آپ نے جواب میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی ؒ کا یہ قول پیش کیا:

وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يشغلون بالحديث يخلص اليهم من احاديث النبى صلى الله عليه وسلم واثار الصحابة مالا يحتاجون معه الى شئ اخر فى المسئلة

"خاص طبقہ میں جو جماعت "اہلحدیث" کے نام سے موسوم تھی۔ وہ شب و روز خدمتِ حدیث میں مصروف رہتی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ کے آثار اس کثرت سے بہم پہنچاتی تھی کہ اب کسی مسئلہ میں کسی دوسری چیز کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔"

معترضین نے شاہ صاحب موصوف کا یہ قول ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ اہل حدیث بھی دوسرے فرقوں کی طرح ایک فرقہ ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کبار ؓ نے فقہا رد

مجتہدین کے اقوال و آراء سے مجتنب رہنے اور صرف حدیث پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ تب حضرت مولٰینا نے ان معترضین کو ابن ماجہ کی حدیث سنائی اَلَا وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ نیز فرمایا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ہر خطبہ میں یہ بلیغ الفاظ فرمایا کرتے اور امت کو شرک و بدعت سے روکتے اور فرماتے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے احکام اور میری سنت کے خلاف عمل کرے گا۔ وہ ہم سے نہ ہوگا اور وہ جماعۃ المسلمین سے خارج ہو جائے گا۔

علاوہ بریں مولانا نے معترضین حضرات کو حضرت نعمان بن ثابت المعروف امام اعظمؒ کا وہ ارشاد بھی سنایا جو "میزان شعرانی" میں درج ہے۔ امام موصوف فرماتے ہیں:

ایاکم والبدع والتنطع وعلیکم بالامور الاول العتیق وقیل لابی حنیفہ ما تقول فیما احدثہ الناس من الکلام فی الارض والجوھر والجسم؟ فقال ھذہ مقالات الفلاسفۃ فعلیکم بالاٰثار وطریقۃ السلف وایاکم وکل محدث فانہ بدعۃ

یعنی تم دین میں نئی باتوں کو ایجاد کرنے سے بچو۔ اور پہلے قدیمی امور (قرآن وحدیث) کو لازم جانو۔ آپ سے پوچھا گیا "جو لوگ عرض جوہر اور جسم پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟" امام صاحب نے فرمایا:

"یہ سب فلسفیوں کے خرافات ہیں۔ تم کو احادیث رسول ﷺ

اور طریق صحابہؓ پر چلنا اور اسی کو اختیار کرنا چاہیئے۔ تم ہر نئے کام نئی بات سے بچتے رہو۔ کیونکہ وہ بدعت ہے"۔

اس جواب پر معترض حضرات کچھ نہ کہہ سکے اور خاموش ہو گئے۔

سو جماعت اہلحدیث کو منظم و متحد کرنے سے مولینا کا مقصد یہ نہ تھا، کہ وہ فرقہ بندی کو ہوا دیں۔ نفاق و انتشار کی خلیج وسیع کریں اور ملت اسلامیہ کی وحدت وسالمیت کو پارا پارا ہوتے دیکھیں۔ نہیں! اہلحدیث کانفرنس وجمعیۃ وغیرہ کے قیام وتشکیل کا مطلب یہ اور صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے شرک و بدعت کو دور کیا جائے۔ غیر مذاہب کے بداثرات سے ان میں جو محدثات اور قبیح مراسم پیدا ہو چکے ہیں۔ انہیں روکا جائے۔ اہل اسلام کو صحیح اسلامی تعلیم دی جائے ان کو کلام اللہ اور احادیث مبارکہ سے روشناس کرایا جائے۔ توحید الہٰی کو پھیلایا اور دین متین کے نام کو اچھالا جائے۔ اسی غرض سے آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اسی مقصد سے مذہبی تصنیفات میں مشغول رہے۔ اسی غایت سے مبتدعین و مخالفین سے بحثیں کیں۔ اور اسی واسطے غیر مسلموں سے مناظرے کرتے رہے۔

درحقیقت اس جمعیت و کانفرنس کی تاسیس وتشکیل آپ اس لیے عمل میں لائے۔ کہ جماعت میں علماء و فضلاء کا ایک ایسا گروہ بن جائے جو ملک میں برق رفتاری سے تبلیغی فرائض ادا کرے۔ اگر ایک طرف خوابیدہ و غافل مسلمانوں کے شانے ہلا کے، بیدار کرے اور انہیں صحیح راہ عمل دکھائے تو دوسری طرف اعدائے دین کی ان یورشوں اور حملوں کو بھی روکے، جو اسلام اور اہل اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے وہ کرتے رہتے ہیں۔ سو اس مقصد اعلیٰ میں بھی مرحوم اگر زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ کامیاب ضرور ہوئے۔

رہی یہ بات کہ اسلامی انجمنوں اور اداروں کی موجودگی میں مولانا نے ان سے کیوں الحاق نہ کیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو دینی انجمنیں اور قومی ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ وہ فرائض دین کی انجام دہی میں اس قدر متساہل و غافل ہیں کہ تبلیغ و اشاعت میں انھوں نے کبھی سرگرمی دکھائی ہی نہیں لے دے کے کوئی یتیم خانہ کھول دینا یا کوئی سکول بنا دینا اُن کے اغراض میں داخل ہے۔ آپ ذرا پاکستان کے ایک دو بہت بڑے اسلامی اداروں ہی پر نگاہ کیجیے۔ باوجودیکہ ان کا اثر تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ اور وہ لاکھوں روپے سالانہ کی آمدنی رکھتے ہیں۔ مگر تبلیغی امور میں کبھی انھوں نے نہ تو ایک پائی خرچ کی ہے۔ نہ کبھی عملی قدم اٹھایا ہے۔ پھر اگر شیخ الاسلام ثناء اللہ بھی سہل انگاری و غفلت شعاری سے کام لیتے اور آنکھیں موندے تکاہل کا لحاف اوڑھے پڑے رہتے۔ تو یہ جو آپ کو اسلام اور توحید کے نشانات نظر آتے ہیں یہ بھی دکھائی نہ دیتے۔ قوم کی قوم گمراہ ہو جاتی اور اعدائے دین کا شکار۔ اللّٰھم احفظنا۔

جماعت کی اعانت

مولینا المحترم نے اپنی جیب خاص سے جماعت کی کافی سے زیادہ امداد فرمائی۔ جب بھی جماعت کو مالی امداد کی ضرورت ہوتی، آپ فراخدلی سے ایثار فرماتے۔ بسا اوقات جلسوں جلوسوں اور جماعتی اجتماعوں کے اشتہارات پوسٹر وغیرہ اپنے خرچ سے چھپواتے۔ بعض دفعہ مہمانوں اور مدعوّین کی خوراک کے مصارف بھی آپ کے ذمے ہوتے۔ ایک بار امرتسر میں چار سو افراد جماعت کا اجتماع ہوا۔ ان سب کے طعام و قیام کا خرچ آپ نے برداشت کیا

اور تین روز تک ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔

کئی مرتبہ جمعیت یا کانفرنس کو پمفلٹ یا ٹریکٹ چھپوانے کی ضرورت ہوتی، تو اس کا بوجھ ساری جماعت پر نہ ڈالتے۔ خود سہار لیتے۔ اور اس میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کرتے ۱۹۳۰ء میں آپ نے اسی طرح کا بار اٹھا لیا پندرہ ہزار ٹریکٹ شائع کر لیے اور ان کا سینکڑوں روپے کا خرچ اپنی جیب سے ادا کیا۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء میں رقم خطیر کے صرف سے کئی ہزار پمفلٹ چھپوائے اور جماعت کی طرف مفت تقسیم کیے۔

جماعت کے اکثر نادار طلبا آپ کے خرچ پر قرآن و حدیث کی تعلیم پاتے اور علوم دین کی تحصیل کرتے تھے۔ جماعت کے مساکین و یتامیٰ، بیوگان و محتاجوں پر آپ کی توجہ خاص طور پر رہا کرتی تھی۔

ایک بار تین اہلحدیث لڑکوں نے درخواست کی، کہ وہ دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فلاں فلاں مکتب میں جانا چاہتے ہیں۔ مگر ناداری و غربت تحصیل علم میں مانع ہے۔ آپ ممبران جمعیت سے امداد کی تحریک کریں۔ آپ نے تینوں کا خرچ تنہا اٹھا لیا۔ اور جب تک وہ پڑھتے رہے آپ برابر ان کی امداد کرتے رہے۔[1]

جماعت کو جب اور جہاں بھی آپ کی خدمات کی ضرورت ہوتی۔ آپ فوراً وہاں پہنچتے۔ آپ نے کبھی نہ تو انکار کیا، نہ اپنی تکلیف ظاہر کی۔ جماعتی خدمات از بسکہ من حیث المجموع قومی خدمات تھیں۔ اور ان سے آپ کا مقصد جمعیت المسلمین کو بیدار کرنا اور دشمنوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس لیے تم

---

[1] دولت مند عوام اور علما کو مولانا کی دریا دلی سے سبق لینا چاہیے۔ (فاروقی)

جماعت اہل حدیث کو سچا خادم اسلام بنانا چاہتے تھے۔ اور اسی طرح آپ مسلمانوں کے مذہبی و ملی اجتماعات میں بصد شوق و ذوق شامل ہوتے۔ خلق عظیم کا نمونہ دکھاتے۔ مخالفین کو گرویدہ بناتے اور اپنی بے غرضی و بے تعصبی ظاہر فرماتے تھے۔

یہ ہیں وہ آپ کی جماعتی خدمات جو آپ نے کتاب وسنت کے احیاء و بقا، توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت، بدعات و محدثات کی تردید، اسلام کی حفاظت اور اعداء کی مدافعت کے لیے سرانجام دیں اور اپنے مخصوص طریق وعمل سے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو، دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی رام کر لیا۔ اور سا اپنا والہ اور شیدا بنا لیا۔ آپ کے اعلیٰ اخلاقی کردار کے مخالفین بھی مداح تھے۔ اہل حدیث کے معنی آپ کے نزدیک یہ تھے، کہ ہر فرد جماعت اخلاق نبوی کا نمونہ بن جائے۔ ہر خیال کے مسلمان سے بحسن خلق پیش آئے محبت و اخوت کی مثال قائم کرے۔ نرمی اور شیریں بیانی سے غیروں کے دل مسخر کرے تا کہ دیکھنے والے یہ بات دلنشین کر لیں کہ اہل حدیث سٹریل، خشک، اور کورے نہیں ہوتے، محبت و محسن، خوش اخلاق اور مہذب ہوتے ہیں۔ قال اللہ و قال الرسول پر عمل کرتے ہیں۔ خدا اور رسول خدا کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ بنی نوع انسان کی خدمت اپنے ذمے لیتے ہیں۔

خدا کرے! کہ جماعت اہلحدیث کا ہر فرد، ہر رکن حضرت مولینا کے نقش قدم پر چل کر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی زندہ تفسیر بن جائے اور ثابت کر دے کہ اہل حدیث ہی حقیقت میں اہل السنۃ ہیں جو ہر قول اور فعل میں کتاب و سنت کا اتباع کرتے ہیں۔

مبتدعین کی مخاصمت

؎ پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پہ کلامِ نرم و نازک بے اثر

وہ کون بزرگ انسان ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے دعوت و تبلیغ کے لیے مبعوث و مامور ہوا اور اس پر سختیاں نہیں کی گئیں؟ تاریخ کے ورق الٹے جائیں۔ تو از آدم تا ایں دم ہمیں لاتعداد انبیاء و اولیاء، ریفارمرز اور صلحا نظر آئیں گے جو نامِ حق کی اشاعت کے لیے اٹھے۔ اور نادان اہلِ دنیا نے ان کی مخالفت کی۔ انہیں گوناگوں تکلیفیں دیں۔ اور عداوت و مخاصمت کا زہر یہاں تک پھیلایا کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو قتل و ہلاک کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے ساتھ بھی یہی گذری۔ کہ جب توحید و رسالت کی تبلیغ، کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید کے لیے کھڑے ہوئے، تو عداوت و مخالفت کا ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ معاندین نے آپ کے کام میں روڑے اٹکانے چاہے۔ مخاصمین آپ کو شکست دینے پر تُل کھڑے ہوئے اور مخالفین نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔

کچھ مخالفین کا ذکر

ناواقف سمجھتے ہوں گے کہ مولینا سے عداوت رکھنے اور ان کے تبلیغی امور میں رخنے ڈالنے والے غیر مسلم ہوں گے، سناتن دھرمی اور آریہ سماجی ہوں گے

ویشنو اور شیومت کے ہندو ہوں گے۔ برہمو سماجی اور سکھ ہوں گے، عیسائی اور مرزائی ہوں گے۔ ست دھرمی اور نائر ہوں گے۔ کیونکہ ان کو آپ اسلام کی دعوت دیتے۔ دین مقدس کی خوبیاں سناتے اور ان کے ساتھ بحث و مناظر کرتے رہے ـــ نہیں صاحب! مولانا کے مخالف اعداء مخاصم اور عازم قتل حضرات مسلمان ہی تھے خالص اہل اسلام! سنت نبوی کی اطاعت کے بلند بانگ دعوے کرنے والے نام کے اہل سنّت والجماعت۔ حضرت ابوحنیفہؒ کو عمر قید کی سزا دینے والے احناف۔ امام تقی الدّین ابن تیمیہؒ کو زندگی بھر اسیر رکھنے والے مقلّد، وہی "اہل فقہ" جنہوں نے حضرت پیر جیلانیؒ پر کفر کے فتوے لگائے وہی تھے مولانا ثناء اللہ کے دشمنِ جان! یہ اعداء اپنے ہی بھائی تھے، روحانی بھائی کلیجے کے ٹکڑے دل کے ریزے، جسم کی بوٹیاں، بیگانے اور غیر نہیں تھے۔ آہ ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عداوت کے اسباب

سوچنے کی ضرورت ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ تھے، جن کی بنا پر برادران یوسف نے مولانا پر تیغیں تان لیں۔ کیا قصور تھا اس چودھویں صدی کے مجاہد کا، جس کی تمام عمر کفار و مشرکین سے جنگ کرتے گذر گئی۔ جس نے اسلام اور مسلمین کو اعداء کے فولادی پنجے کی گرفت سے بچایا۔ جس نے دشمنانِ دین کو مناظرے کی تلوار لے کر اس وقت للکارا جب وہ مذہب مقدّس اور ملّتِ بیضا کو نابود کرنے پر تیار تھے۔ کیا خطا تھی کفر سوز مبلّغ کی، جس کی مساعی جمیلہ نے عیسائیت کو شکستِ فاش دی۔ جس نے پاپائیوں کی فتنہ انگیزیوں سے دینِ خدا

کو محفوظ رکھا جس نے مسجدوں کو گرجوں میں تبدیل نہ ہونے دیا اور انہیں اس وقت منہ کے بل گرا یا جب وہ فرزندانِ توحید کو تثلیث کے بیٹے بنانے کی ٹھان چکے تھے۔ کیا گناہ تھا اس خادمِ اسلام کا، جس نے قادیان کی نبوت جعلیہ کاذبہ کی جڑیں کاٹ دیں۔ جس نے ختم نبوت کے پھول کو رسالت جاریہ مرزا کے زہریلے کانٹوں میں الجھنے نہ دیا۔ جس نے غلام احمد کو ختم المرسلین، قادیان کو قبلہ وکعبہ، کتب مرزا کو صحفِ آسمانی، سنگِ خلافت کو حجرِ اسود، مرزائی مقبرے کو جنت البقیع اور قبر جوز آصف کو مرقد مسیح بننے سے روکا۔ کن اسباب کے تحت اسے گشتنی وگردن زدنی قرار دیا گیا۔ جس کی عمر عزیز کتاب وحدیث کے احیاء اور قرآن وسنت کے بقا میں صرف ہوئی۔

اہل بدعت کی مخالفت ومخاصمت کی ایک ہی بڑی وجہ ہمیں نظر آتی ہے۔ اور بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ وجہ وہی ہے جس کی بنا پر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی مخالفت ہوئی۔ اور شرفائے مکہ نے ان سے دشمنی مول لی۔ ہم ابتدائی صفحات میں مجملاً کچھ حالات حوالۂ قلم کر چکے ہیں۔ شیخ محمد نے جب مرکز اسلام میں بدعات ومحدثات کی آگ سلگتی ہوئی دیکھی۔ تو انہوں نے اسلامیان عرب کو عموماً اور شرفائے مکہ کو بالخصوص اصلاحِ اعمال کی دعوت دی اور قرآن وحدیث پر عامل ہونے کی تلقین فرمائی۔ اسی بنا پہ عداوت ومخالفت کا سیلاب آگیا۔ اور بدعت نواز عیش پرستوں نے شیخ موصوف کے اعلائے کلمۃ الحق کا نہ صرف تمسخر اڑایا بلکہ ان کو ملک سے نکالنے، قید کرنے اور دردناک تکلیفیں دینے کی سازشیں بھی کیں۔

بعینہٖ یہی حالات حضرت مولانا ثناء اللہ کو پیش آئے۔ از بسکہ اسلامیانِ ہند یہود ونصاریٰ، کفار ومشرکین کی خُوخصلت ان کے دل ودماغ پر مسلّط

تھی ۔مقلد تو پہلے ہی تھے ، اب نقال بھی بن گئے ۔غیر مسلموں کے رسم و رواج ، عادات و خصائل کی نقل اتارنے لگے ۔ زندوں اور مردوں کی پوجا، مزاروں کی عبادت ، خانقاہوں کی پرستش ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی ۔ دین میں طرح طرح کے رخنے نکالے بنیادی احکام کو توڑا مروڑا ، نئے مسائل وضع کرکے مذہب میں ٹھونسے ۔ بدعات و محدثات کو ایمان و عقاید کا جزو بنایا ، تقلید شخصی کا سہارا لے کر قرآن و حدیث کو پس پشت ڈال دیا ۔ توحید کی جگہ شرک کو اختیار کیا ۔ اور بہ صحیح معنوں میں "مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب" بن کر رہ گئے ۔

مولانا مغفور نے یہ پُر آشوب و نازک تر حالات دیکھے ، تو آپ نے ایک طرف کفارِ ہند میں تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا اور دوسری طرف مسلمانوں کی اصلاح کی جانب قدم بڑھایا ۔ ضلالت و بدعت کے انسداد پہ کمر باندھی ان کو شرک سے بچانے اور توحید الٰہی پر مائل کرنے کا تہیّہ کیا ۔ اس مقصد کے لیے آپ میدان میں آئے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے ۔ اہل اسلام کو صحیح راہ عمل پہ گامزن ہونے کی دعوت دی ۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مبتدعین اپنی اصلاح کرنے کی بجائے مولانا کے دشمن ـــــ جانی دشمن بن گئے ۔ عداوت و مخاصمت کی لٹھ لے کر ان کے پیچھے پڑ گئے ۔ اور ثابت کر دیا کہ ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

یہ تھے وہ اسباب و علل ، جن کی بنا پر اہل بدعت مسلمانوں نے اس داعی الی الخیر ثناء اللہ کو تکلیفیں دینی اور اس کے مشن میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں ۔ چونکہ یہ لوگ مناظروں میں لاجواب ہو چکے تھے ۔ مباحثات میں ان کا منہ بند ہو چکا تھا ۔ اور اس شیر ملت کے سامنے آنے اور اس سے مقابلہ کرنے میں خوف

کھاتے تھے۔ اس لیے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ تہذیب و اخلاق کو خیرباد کہی اور وہ انسانیت سوز حرکات عمل میں لائے۔ جن کی نقل بھی کان نہیں سن سکتے۔

قدرت کی نیرنگی

یہ عجیب بات بھی سن لی جائے کہ جب حضرت ابوالوفاء آریوں، سناتنیوں، عیسائیوں، مرزائیوں وغیرہ سے مناظرے کرتے، ان کے اعتراضوں کے مدلل و مسکت جواب دیتے اور ان پر فتح پاکر اسلام کی عزت کو محفوظ و بلند کرتے تھے۔ تو وہی بدعتی، جو آپ سے عداوت رکھتے تھے، آپ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے۔ آپ کی وسعتِ معلومات پر عش عش کرکے آپ کی علمیت کا اعتراف کرتے اور آپ کی فضیلت پر سر جھکاتے تھے۔ اور خفیہ و علانیہ کہتے کہ "اگر مولوی ثناء اللہ نہ ہوتا تو کفار ہمیں کچا چبا جاتے اور اسلام کا نام تک مٹا دیتے۔"

لیکن جب مولانا انہی اہل بدعت کو توحید و سنت کی دعوت دیتے، انہیں قرآن و حدیث کی اطاعت پر راغب کرتے۔ اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول پر عمل کرنے کو کہتے تو یہی لوگ تلوار سونت کر نکل آتے۔ اور آپ کی جان تک لینے میں دریغ نہ کرتے۔ ان حالات سے یہ معلوم ہوا کہ مبتدعین حضرت مولانا کے محض اس لیے دشمن تھے کہ آپ انہیں اللہ اور رسول کے اتباع اور قرآن و حدیث کی اطاعت پر کیوں مائل کرتے، مشرکانہ رسوم اور بدعات کو ترک کرنے کی کیوں تلقین کرتے، اور دین کا سیدھا سادہ راستہ کیوں دکھاتے ہیں۔ اہل بدعت چونکہ "باپ دادا" کے طریق کو چھوڑنا نہیں

چاہتے تھے۔ تقلید آبا کی شراب کے مزیلِ ہوش و خرد نشے میں چُور تھے۔ اور اپنے عقاید باطلہ کی لے میں کہتے تھے کہ ؎

سلف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اُترے ہوئے آسماں سے

اس لیے وہ آپ کی تبلیغ و تلقین کو ناپسند کرتے آپ کی دعوت قبول کرنے سے منکر ہوتے اور جب آپ کے دلائل قاطع و براہین ساطع کے آگے عاجز آجاتے اور اپنے قیاسات کا کوئی جواب نہ دے سکتے، تو وہ شرمسار ہونے کی بجائے اور زیادہ اکڑتے اور بپھرتے اور مولانا کے کام میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے۔ حضرت مولانا چونکہ دھن کے پکّے تھے۔ اور جس فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو مامور فرمایا تھا۔ اس میں مصروف و منہمک رہتے تھے۔ اس لیے اشرار و مبتدعین آپ کی اور زیادہ مخالفت کرتے اور آتش بغض و عناد کو بیش از بیش ہوا دیتے تھے۔ اور یہ تھی وہ للّٰہی عداوت جو ان لوگوں نے مولانا سے ساری عمر قائم رکھی اور ہمیشہ ان کے درپئے آزار رہے۔

مخالفین کی شر انگیزیاں

آخر کار بدعتی اشرار کی کینہ توزی و فتنہ خیزی عملی رنگ میں ظاہر ہوئی وہ اس طرح کہ حضرت مولانا جب کسی جلسے میں شرک و بدعت اور تقلید کے خلاف تقریر کرتے یا مبتدعین سے مناظرہ میں مصروف ہوتے تو شریر النفس اہل بدعت شور و غل مچا دیتے، غوغا آرائی کرتے اور آپ پر نازیبا الفاظ میں آوازے کستے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ حضرت محترم توحید کی دعوت نہ دے

سکیں۔ اور بدعات و محدثات کے خلاف کچھ نہ کہہ سکیں۔

ایسے افسوسناک واقعات کئی مرتبہ ہوئے اور متعدد بار ان شر انگیزوں نے تبلیغ توحید و رسالت و اشاعت قرآن و سنت کو ناکام بنانا چاہا، اور نور خدا کو پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی، مگر اپنے مکروہ مقاصد میں کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ اکثر دفعہ ندامت و خجالت ہی اٹھانا پڑی۔

ایک جلسے میں آپ انبیائے کرامؑ کی نسبت تقریر فرما رہے تھے "کہ جاہلوں نے ان کو اصلی مرتبہ سے بڑھا کر ان کی بشریت سے انکار کر دیا ہے اور ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ انہیں مشکل کشا، حاجت روا، مجیب الدعوات، رازق اور قاضی الحاجات سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی نسبت امت کو ہدایت دی لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میری مدح و ستائش حد سے زیادہ نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ آمیزی کی ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔"

آپ یہ تقریر فرما ہی رہے تھے کہ جلسہ گاہ کے ایک کونے سے کسی نے بلند آواز سے کہا ؎

انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخیاں!
اے ثناء اللہ! کہیں شامت تری آئی نہ ہو

اس آواز کا آنا تھا کہ بہت سے بدعتیوں نے جو سوچی سمجھی سازش کے مطابق اسی مقصد سے جلسہ میں بیٹھے تھے۔ ایک شور مچا دیا اور کچھ اس قسم کی قبیح و شنیع حرکتیں کیں اور ایسی بد اخلاقی و بد تہذیبی کا مظاہرہ کیا۔ کہ شیطان لعین بھی اپنی ابلیسیت کو بھول کر کہیں روپوش ہو گیا۔

ایک بار احناف نے مولانا کو اپنے جلسے میں بلایا اور پروگرام میں آپ کی تقریر کا موضوع رکھا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد" آپ اس کے مطابق وعظ کہنے اٹھے اور دوران تقریر میں قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی تفسیر فرماتے ہوئے جب آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ حضور اقدسؐ ایک بشر اور عبد اور خدا تعالیٰ کے محبوب بندے تھے تو اس موقع پر بھی شریر مبتدعین نے غل غپاڑے سے کام لیا۔ اور وہ شور مچایا کہ الامان والحفیظ! نادانوں نے غوغا آرائی ہی پر بس نہ کی، دشنام طرازی سے بھی اپنی زبان گندی کی۔ جس پر حضرت مرحوم نے یہ کہہ کر اپنی تقریر بند کر دی ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

ایک اسلامی اجتماع میں آپ کو مدعو کیا گیا۔ آپ تشریف لے گئے اور بدعات و مشرکانہ رسوم کے خلاف تقریر کرنے لگے سامعین میں چند اہل بدعت اشرار بھی موجود تھے۔ انہوں نے مولانا کو محدثات کے خلاف بولتے سنا، تو اپنی ٹولی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ" کے ارشاد نبویؐ کی "تعمیل" کرتے ہوئے حضرت کو ایسی غلیظ گالیاں دیں۔ کہ پردۂ گوش کو ان کی ہوا لگے تو پاش پاش ہو جائے۔ اسی طرح ایک اور جلسہ احناف میں آپ کو نشانۂ سباب و دشنام بنایا گیا۔ اور آپ پر گند اچھالا گیا۔

ایک مرتبہ کسی اسلامی اجلاس میں آپ توحید و رسالت پر تقریر فرما رہے تھے۔ اور حاضرین آپ کے مواعظ حسنہ کو نہایت شوق و دلچسپی سے سن رہے تھے کہ ایک گوشے سے اینٹ کا ایک ٹکڑا اسٹیج پر آیا۔ اور آپ کے قریب آکر پڑا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، آپ اگرچہ اس خشت باری سے زخمی نہ ہوئے۔

مگر مخالفین اپنا کام کر گئے۔ جب اس پر بھی انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ تو گند بکنے اور سب وشتم کرنے لگے۔ آپ بدعتیوں کی ان حرکات مذبوحی پر مسکرائے اور خندہ پیشانی سے فرمایا:

دوستو! میں اینٹ کا جواب اینٹ سے نہیں دینا چاہتا۔ میری تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ کو دولت توحید عطا فرمائے اور شرک و بدعت سے بچائے۔ بھائیو! یہ اینٹیں کیا چیز ہیں، اگر آپ مجھے تلواریں بھی ماریں تو میں تبلیغ دعوت وارشاد سے نہیں رکوں گا۔ اور جب تک جسم میں جان ہے، یہ فرض ادا کرتا رہوں گا۔ کیونکہ ؎

چھپے سنگ ریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ

اسی طرح ایک مرتبہ آپ تقریر فرما رہے تھے۔ کلام شیریں، نرم اور دلپذیر تھا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، آپ کی طبیعت میں گرمی اور سختی مطلق نہ تھی۔ مخالفین کی سخت کلامیوں اور بکواسوں کا جواب بھی حلاوت ولینت سے دیتے تھے۔ اس جلسے میں ادائے خاص سے شرک سے بچنے، توحید اختیار کرنے اور کتاب وسنت پر چلنے کا وعظ کہہ رہے تھے۔ کہ نام کے علمبرداران سنت نے پہلے آپ کو گالیاں دیں، پھر آپ پر سنگباری شروع کر دی۔ مگر نصرت ایزدی نے یہاں بھی آپ کا ہاتھ پکڑا۔ آپ بال بال بچ گئے۔ مخالفین کے پتھراؤ پر خندہ زن ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا تو یہ کہ ؎

اے سنگ! بر تو دعویٰ طاقت مسلّم است
خود را نہ دیدۂ بہ کف شیشہ گر ہنوز

آپ پر قاتلانہ حملہ

بھلا جس شخص کو حق سبحانہٗ نے اپنی توحید کی اشاعت اپنی کتاب کی تبلیغ اپنے دین کی حفاظت اور اپنے رسولؐ کی سنت کے احیا ر کے لیے مقرر فرمایا تھا وہ ان سختیوں اور اذیتوں کو کب خاطر میں لانا تھا۔ اسے خصیموں کی گالیاں اور تالیاں، خشت باریاں اور سنگ اندازیاں کب اپنے مقصد سے روک سکتی تھیں۔ وہ اعدار کی دشمنی، مخالفوں کی عداوت، مخاصموں کی خصومت سے بے پرواہ ہو کر ادائے فرض میں لگا رہا۔

پا یانِ کار دشمنوں، مسلمان دشمنوں کی نفس پرستی و خود غرضی رنگ لائی۔ حسد و تعصب کی آگ بھڑکی۔ بغض و کینہ نے اس کو ہوا دی۔ فساد و فتنہ، شرارت و شیطنت نے ان کی پیٹھ ٹھونگی اور ایک روز موقع پا کر اس مبلغ دین، خادمِ اسلام کو شہید کرنے کے لیے باقاعدہ حملہ کر دیا گیا۔

اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے، کہ امرتسر کے بریلوی احناف نے "عرس امام ابو حنیفہؒ" کے نام سے ایک سالانہ جلسہ مقرر کر رکھا تھا جس پر یکم نومبر سے ۳ر نومبر ۱۹۳۷ء کو پورے تین روز اس کا جلسہ ہوا تو مولوی محمد یار بہاولپوری، مولوی عبد الغفور ہزاروی، مولوی محمد بشیر کوٹلوی، مولوی محمد مسعود الٹروی نے دل آزار تقریریں کیں۔ اہلحدیث کو پانی پی پی کر کوسا۔ ان کے خلاف عوام کو ابھارا بھڑکایا۔ خصوصاً مولینا ثنار اللہ کا نام لے لے کر بُرا بھلا کہا اور ان کے خلاف بہت زہریلی اور اشتعال انگیز تقریریں کیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ ــــ "وہابی کو مارنے والا سو شہیدوں کا ثواب پاتا ہے۔"

اس جلسے کے بعد جماعت اہلحدیث امرتسر نے بھی مسجد مبارک میں اس کے

جواب میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ ۴ر نومبر ۱۹۳۷ء کو شام کے چار بجے حضرت مولانا اپنے پوتے مولوی رضا راللہ اور دو رفیقوں کے ہمراہ تانگے پر سوار ہوئے۔ تاکہ جلسۂ اہل حدیث میں جاکر تقریر فرمائیں، جب تانگہ کٹڑہ مہاں سنگھ میں مسجد مبارک کے قریب پہنچا اور مولانا نے اتر کر ڈاکٹر محمد اسحاق سے مصافحہ کیا کہ اچانک قمر بیگ نامی ایک بدعتی نوجوان نے بلند آواز سے "یارسول اللہ" کا نعرہ لگا کر ایک تیز کیے ہوئے تبر سے آپ پر حملہ کر دیا۔ اس نے تبر (گنڈاسہ) اس زور سے آپ کے سر پر مارا کہ دستار و کلاہ کٹ کر آپ کا سر مبارک سخت مجروح ہوا۔ زخم بہت گہرا تھا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے۔ بابو عبدالمجید سیکرٹری انجمن اہلحدیث امرتسر نے جو مولانا کے ہمراہ تھے، قاتل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر اس نے اس حالت میں بھی حضرت پر ایک اور وار کیا جو آپ کے چہرہ و پیشانی پر پڑا۔ اس صدمے سے مولانا زمین پر گر پڑے مگر فوراً سنبھل کر اٹھ بیٹھے۔ زخموں سے خون کی نہریں رواں تھیں۔ سر، چہرہ، پوشاک لہو سے رنگین ہو گئے۔ زخمی ہونے کے بعد سب سے پہلا جملہ جو حضرت کی زبان سے جاری ہوا، یہ تھا:

"فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ! ربِّ کعبہ کی قسم! میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔" اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

هَلْ أَنْتِ إِلَّا أُصْبُعٌ دَمِيتِ
فِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ

علاوہ بریں آپ بکثرت جریان خون کو دیکھ کر بار بار یہ دعا فرماتے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ احْشُرْنِي فِي الشُّهَدَاءِ! بار الٰہا میرا حشر شہداء کے ساتھ کرنا" نیز فرمایا۔

اگر آں صنم زسر ستم پئے کشتن من بے گناہ
لقد استقام بسیفہ ولقد رضیت بما رضا

حملہ کرنے کے بعد ملزم قمر بیگ جس نے ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش کے ماتحت حملہ کیا تھا، اسی سازش کے ماتحت فرار ہو گیا۔ ڈاکٹری معائنہ کے بعد پولیس نے رپورٹ لکھ لی۔ ملزم چونکہ روپوش تھا، تلاش وجستجو کے باوجود پولیس کو نہ ملا۔ اس لیے کیس نہ چل سکا۔ سوا سال کے بعد ملزم کلکتہ سے پکڑا گیا۔ پولیس اسے ۲۷ جنوری ۱۹۳۸ء کو امرتسر لائی۔ مقدمہ چلا۔ اور ۶ را پریل ۱۹۳۸ء کو اسے چار سال قید با مشقت کی سزا ملی لہ

حضرت مولانا کے زخموں کا نہایت توجہ سے علاج معالجہ ہوا۔ قدرت کو منظور نہ تھا، کہ آپ ایک مشرک بدبختی کے ہاتھوں شہادت پائیں۔ اس لیے شافیٔ مطلق نے شفا بخشی اور آپ اس کے بعد دس سال تک مصروف تبلیغ رہے۔

خیال رہے کہ آپ قمر بیگ کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کے حق میں نہ تھے۔

لہ مولانا مرحوم اس چار سال کے دوران قمر بیگ کے بچوں کو خرچ بھیجتے رہے۔ مولانا نے اس احسان و مروت کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی۔ کیونکہ آپ کی یہ نیکی خالص لوجہ اللہ تھی۔ بہرحال کسی طرح قمر بیگ کو یہ معلوم ہو گیا کہ مولینا یہ سلوک و احسان کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بہت شرمندہ اور پشیمان ہوا۔ اور اپنے فعل پر اظہار افسوس کیا۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا سرگودھا منتقل ہو گئے جہاں آپ نے ۵ رمارچ ۱۹۴۸ء کو انتقال فرمایا۔ اور قمر بیگ بھی ہجرت کر کے پاکستان آگیا۔ اور اس نے بھی سرگودھا سکونت اختیار کر لی۔ قمر بیگ اب بھی بقید حیات ہے اور روزانہ صبح کے وقت حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کی قبر پر جا کر آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور اپنے جرم کو آنسوؤں سے دھونے کی کوشش کرتا ہے۔

(تذکرہ ابوالوفا ص ۱۶۱ بحوالہ المنبر فیصل آباد)

بلکہ جب ملزم روپوش ہوگیا، توجماعت اہل حدیث نے جوش وغصہ کا اظہار کیا جگہ جگہ جلسے ہوئے قراردادیں پاس ہوئیں۔ حکومت کو توجہ دلائی گئی۔ تار پہ تار بھیجے گئے۔ تب کہیں جا کر ملزم گرفتار ہوا۔ آپ نے تو اس حملہ کی یادگار میں صرف یہ چاہا کہ "توحید وسنّت" کی مزید اشاعت ہو۔ چنانچہ رسالہ "شمع توحید"[1] ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر مفت تقسیم کیا گیا۔ "رسالہ شمع توحید" واقعہ مذکور کی یادگار میں جمعیت اہلحدیث امرتسر کے ایما پر شائع ہوا۔ یہ مولانا کا تحریر کردہ ہے۔ توحید پر بہت خوب ہے۔ بریلویوں نے اس کے جواب میں "پروانہ تقلید" کے نام سے محض جواب برائے جواب کے طور پر ایک رسالہ لکھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں "نور توحید" لکھا۔ آپ اسی رسالہ "نور توحید" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اپریل ۱۹۳۸ء میں میری عمر ستر سال کی ہوگئی۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلَی السَّبْعِیْنَ وَاَقَلُّهُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذَالِكَ (ترمذی)

یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں۔ کمتر لوگ اس سے تجاوز کریں گے۔" میرے بعض عنایت فرماؤں نے چاہا کہ میں اس حدیث کے ماتحت بذریعہ شہادت دنیا سے رخصت

---

[1] رسالہ "شمع توحید" توحید کے موضوع پر بہترین رسالہ ہے۔ جو مختصر ہونے کے ساتھ بڑا جامع اور مدلل ہے اور اس میں مختلف فیہ اعتقادی مسائل پر بڑی خوبی سے بحث کی گئی ہے۔ ادارہ مسلم پبلی کیشنز ۵۔ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور کے زیر اہتمام چھپ چکا ہے۔ (فاروقی)

ہو جاؤں۔ چنانچہ ۷ رنومبر ۱۹۳۷ء کو ایک نوجوان کو حوروں کا وعدہ دے کر " فتانلانہ حملہ کرایا گیا۔ جس کی تفصیل رسالہ "شمع توحید" میں لکھ چکا ہوں۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ میں حدیث کے آخری فقرہ میں رہوں۔ اس لیے احباب کی تمناؤں اور دعاؤں سے زندہ رہا "

یہ ہے اس لیثِ قوم، جری ملّت، شیرِ اسلام کی دینی وملی خدمات کا معاوضہ، جو اس کو حق اور صداقت کے اعلاء، توحید و رسالت کے احیاء، قرآن و حدیث کے بقاء اور امت محمدیہ کے ارتقاء کی بنا پر ملتا رہا۔

آہ! یہ اس قوم کی خونیں داستاں ہے جس کو ناحق و ناجائز طور پر کسی غیر مسلم کے لہو کا ایک قطرہ بہانے کا حکم نہیں ہے۔ اور جس کے لیے سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ " کی وعید موجود ہے۔ یہی قوم، مسلمان قوم کسی زمانے میں غیروں کی ہلاکت وخونریزی پر ناک بھوں چڑھاتی اور اس کو روکنے کے لیے سب سے پیش پیش نظر آتی تھی۔ لیکن حیف اور صد حیف! کہ آج یہی ملتِ بیضا غیروں اور بیگانوں کو نہیں، اپنوں اور یگانوں کو، اپنے ہی جسم کے اعضاء کو محض اس پاداش میں حوالہ تیغ و تفنگ کر دینا چاہتی ہے کہ وہ اسلام کے کیوں حامی و ناصر ہیں۔ دین مقدس کی کیوں حفاظت کرتے ہیں، مسلمانوں کے حقوق کے کیوں نگران و نگہبان ہیں۔

غیر مسلموں کا طریقِ عداوت

اب یہ بھی سن لیجیے، کہ وہ غیر مذاہب کے لوگ، وہ سناتن دھرمی اور آریہ، وہ سکھ اور برہمو سماجی، وہ بابی اور بہائی، وہ عیسائی اور مرزائی، جن کے

سنائن مولانا کے اکثر مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے، آپ سے خفیہ نہیں، علانیہ دشمنی رکھتے تھے۔ میدانِ مقابلہ میں بھی اور پرائیویٹ مجلسوں میں بھی آپ سے کھلم کھلا اظہار عداوت کرتے تھے۔ اور ان کی یہ مخالفت و پرخاش ایک فطری چیز تھی۔ کیونکہ اس میں مذہبی تعصّب کو بھی بڑا دخل تھا، لیکن یہ بات سخت موجب حیرت ہے، کہ ان غیر مسلموں نے کسی جلسہ جلوس میں کسی مجلس و محفل میں، کسی مباحثہ و مناظرہ میں نہ تو کبھی مولانا پر آوازے کسے، نہ کبھی بد خلقی و بد تہذیبی کا اظہار کیا، نہ کبھی گالیاں دیں، نہ کبھی تالیاں بجائیں۔ نہ کبھی سنگباری و کلوخ اندازی کی، نہ کبھی قاتلانہ حملے کیے اور نہ کبھی آپ کی تقریروں میں شور و غوغا مچایا۔ یہ غیر مسلم لوگ مذہبی عداوت رکھنے کے باوجود آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور مسلمانوں سے زیادہ ادب اور عزت سے پیش آتے تھے۔ مولینا جہاں سے گذرتے، اہل کفر کھڑے ہو کر اٹھ اٹھ کر جھک جھک کر آپ کو سلام کہتے، مزاج پوچھتے، دعوتیں دیتے خدمت تواضع کرتے، اور آپ کو مکرم و معظم سمجھتے تھے۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ آریوں، سناتنیوں، سکھوں، عیسائیوں، مرزائیوں، بہائیوں وغیرہ کے مبلّغ، پرچارک، اپدیشک، گیانی، و دیارتھی، مشنری، جو مولینا سے بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، خاص طور پر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے۔ ہمیشہ شوقِ ملاقات رکھتے اور بڑے تپاق و اخلاق سے ملتے اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ حضرت مولانا نے اپنے خلق و محبت، حلاوت و لینت سے ان کے دل مسخر کر لیے تھے۔ آپ نے اسلامی تہذیب و ثقافت خُلق و محبت، احسان و مروّت کا اعلیٰ ترین نمونہ ان کے سامنے پیش کیا جس سے وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔

مگر بدعت و شرک کو فروغ دینے والے مسلمان ہمیشہ آپ کے لیے فتنہ و شر پر مستعد دیکھے گئے، انہوں نے اپنی بدکرداری سے ایسی انسانیت سوز مثالیں پیش کیں، جو اسلامی تعلیم کے صریحاً خلاف تھیں۔ ان ہی دینی و روحانی بھائیوں نے مولانا کو ستایا، تکلیفیں اور اذیتیں دیں۔ اور آپ کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹلے، اسی لیے کہا گیا ہے سہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد، آں آشنا کرد

مولانا کا صبر و تحمّل

معاندین کی سختیوں، مذبوحی حرکات اور جارحانہ شرارتوں کا جواب حضرت مولانا نے ہمیشہ صبر و شکیب سے دیا۔ منتقمانہ جذبات کو برانگیختہ ہونے سے روکا اور کبھی کسی سے بدلہ لینے یا اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش نہ کی صحیح الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ آپ انتقام لینا جانتے ہی نہ تھے۔ صبرِ جمیل کا دامن پکڑنا اپنے لیے موجبِ فخر و عزت سمجھتے اور دوسروں کو وَاصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک دفعہ احباب نے مشورہ دیا کہ بلتدرع مخالفوں کے خلاف آپ مناسب کاروائی کریں اور پولیس کے ذریعے انہیں عبرتناک سزا دلائیں۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے کہا:

"جو شخص دینی و قومی خدمات کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہو۔ اسے ہر عدو و خصیم کی مخالفت کا بخندہ پیشانی خیر مقدم کرنا اور مصائب و مشکلات کو خوشی سے جھیلنا چاہیئے۔ گھبرانا

مضطرب ہونا اور چھچھوا پن دکھانا بزدلوں، کمینوں، رذیلوں اور ناقص الایمان لوگوں کا کام ہے۔ ہم تو لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کے تحت الحکم اعداء سے بے رخی نہ کریں گے۔ اور خلق و محبت سے ان کے قلوب کو فتح کریں گے۔"

آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کو بھی آپ کے احباب ہی نے گرفتار کرایا اور پولیس میں رپٹ وغیرہ لکھوائی۔ ورنہ آپ اسے پکڑوانے اور سزا دلوانے پر رضا مند نہیں تھے۔ جب ملزم فرار ہو گیا۔ اور سوا سال تک گرفتار نہ ہوا، تو اکثر احباب آپ سے اس کے متعلق پوچھتے تو آپ جواب میں فرماتے "خدا کرے! وہ نہ ہی پکڑا جائے۔ گرفتاری پر کیا معلوم غریب کو کیا سزا ملے گی"؟

ایک جلسے میں جب آپ پر سنگباری ہوئی اور اہل بدعت نے غلیظ گالیوں سے اپنی شرافت و ثقافت کا ثبوت دیا تو کئی دوستوں نے آپ کو صلاح دی کہ پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی جائے، مگر آپ نے صبر و تحمل کی تلقین کی اور مشورہ دینے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے واقعات یاد دلائے کہ ان حضرات پر اعداء نے کس قدر سختیاں کیں، کتنی اذیتیں دیں۔ ان کے قتل پر آمادہ ہوئے لیکن ان بزرگان کرام رحمہم اللہ نے کبھی ان کے خلاف نہ زبان کھولی، نہ ہاتھ اٹھایا۔ پس ہمیں بھی بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے کہ اسی میں فلاح و نجات پوشیدہ ہے۔

ایک سبق

حضرت شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء کے ان حالات میں ہمارے لیے ایک

گراں بہا درس مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان چاروں طرف سے مصائب و آلام میں گھر جائے۔ مخالفین اس پر سب و شتم کریں۔ اس کی عزت پر حرف لائیں، اسے مارنے اور ہلاک کرنے کے درپے ہو جائیں، اس کے کام اس کے مشن میں رکاوٹیں ڈالیں، اس کو ناکام بنائیں، شکست دیں، اس کے آگے روڑے اٹکائیں، رخنہ اندازی کریں۔ لیکن وہ ہر حالت میں، عسر اور یسر میں، تنگی اور فراخی میں، تکلیف اور راحت میں، غم اور خوشی میں "لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" کے ارشاد کے مطابق لوگوں کی لعنت و ملامت، سباب و دشنام سے بے پرواہ ہو کر خدا اور خدا کے دین کی خدمت میں لگا رہے، اور جو ڈیوٹی اسلام نے اس پر فرض کی ہے، اسے بحسن و خوبی ادا کرے۔

مولانا محترمؒ نے ایک طرف تو اعداء و مخالفین کی شورش و یورش کے باوجود خدمتِ دین کی انجام دہی میں اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور غیر متزلزل طور پر تبلیغ و اشاعتِ حق میں مصروف رہے۔ دوسری طرف آپ نے ہمیں یہ بھی سبق دیا، کہ مسلمان چاہے دشمن جان کیوں نہ بن جائے، وہ پھر بھی مسلمان ہے اگر وہ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا کی وعید نبوی کے تحت اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھا کر بہت بڑے اخلاقی و مذہبی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، تو اس امر میں دوسروں کو ان کی حماقت و نادانی کی نقل نہ کرنی چاہیئے۔ اور ہر حالت میں صبر و تحمل اختیار کرنا، امن و سکون قائم رکھنا اور صلح و سلام پر عامل رہنا اپنا دینی فرض سمجھنا چاہیئے والی المشتکی وھو المستعان وبہ الثقۃ وعلیہ التکلان وھو رفیق الحفیظ! ؎

اے گل! نہ ہمیں معرکۂ و من بتو گرم است
ہنگامۂ صد سوختہ خرمن بتو گرم است

ثنائی اخبارات

تبلیغی وسائل بزریعہ جرائد و رسائل

مولینا ابوالوفا مرحوم نے اپنی زندگی میں تین جرائد جاری کیے اور مختلف ادوار میں آپ تین اخباروں کے ایڈیٹر رہے۔ چنانچہ آپ امرتسر سے مندرجہ ذیل جرائد شائع کرتے رہے۔

۱۔ اخبار مسلمان

۲۔ اخبار اہل حدیث

۳۔ مرقع قادیانی

کسی دانا کا قول ہے کہ "اخبارات قوم کی آواز ہوتے ہیں"۔

ایک اور دانشور نے کہا ہے کہ "اچھے جرائد مذہب، قوم اور ملک کی ترجمانی کرتے۔ اور اس کے حقوق کے نگران ہوتے ہیں"۔

مولینا مرحوم نے بھی دین متین، ملّت اسلامیہ اور مسلم انڈیا کی خدمت اور نگہداشت کے لیے جرائد و رسائل جاری فرمائے۔ یہاں آپ کے اخبارات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، تاکہ ان کے اجراء و اشاعت کی غرض و غایت معلوم ہو سکے۔

جریدہ "مسلمان"

آپ نے ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ سب سے اول اخبار "مسلمان" جاری

کیا۔ یہ اخبار عامۃ المسلمین کے مفاد و نفع کے لیے شائع کیا گیا۔ غیر مذاہب کے اعتراضات کے مدلل جوابات خاص اہتمام سے چھاپے جاتے ہیں۔ مولانا جو مضامین خود ارقام فرماتے ان کا انداز مناظرانہ ہوتا تھا اس میں کئی قسم کے مباحث اشاعت پذیر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ اخبار اپنے قارئین میں خاصی قبولیت و پسندیدگی پا گیا تھا جو ۱۹۰۸ء تک ماہنامہ رہا پھر ہفت روزہ ہو گیا۔ ۱۹۱۳ء کو یہ رسالہ منشی علم الدین کے سپرد کر دیا گیا مگر وہ اسے سنبھال نہ سکے۔ اور یہ بند ہو گیا۔

اخبار "اہل حدیث"

آپ نے ۱۳ر نومبر ۱۹۰۳ء کو "اہلحدیث" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا جو ہر جمعہ کو نہایت پابندی سے شائع ہوتا تھا۔ یہ اخبار ۴۴ سال تک باقاعدہ اور بلاناغہ خدمت و اشاعت اسلام میں مصروف رہا۔ اور جولائی ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں فسادات پنجاب کی بنا پر بند ہو گیا[۱]

اس اخبار کے اغراض و مقاصد مختصر طور پر یہ تھے:

۱۔ دین اسلام اور سنت نبی علیہ السلام کی اشاعت کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کی عموماً اور جماعت اہل حدیث کی خصوصاً دینی و دنیوی خدمات بجا لانا۔

۳۔ حکومت اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نگہداشت کرنا۔ چونکہ یہ اخبار توحید و سنت کے احیاء اور قرآن و حدیث کے بقاء کے لیے جاری کیا گیا

[۱] اس کی آخری اشاعت یکم اگست ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ (فاروقی)

تھا۔ ؎

اخبار کے ٹائیٹل پر تسمیہ شریفہ کے بعد یہ حدیث "ماٹو" کے طور پر لکھی جاتی تھی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ۔ اس کے بعد یہ شعر لکھا ہوتا ہے

اصلِ دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفےٰ بر جاں مسلّم داشتن

یہ دونوں چیزیں اخبار کے مقصد اعلیٰ کو روشن کرتی اور اس کی غرض اجرار کی ترجمان ہوتی تھیں۔

مولانا محترم نے تحریر و تقریر کا سلسلہ جاری کرنے کے بعد جب اسلام اور مسلمانوں کی نازک تر حالت دیکھی۔ ایک طرف کفار کی یورش، دوسری طرف خود اہل اسلام کی دین سے بے رغبتی اور شرک و بدعت سے لگاؤ، جس کی تفصیل ہم مولانا کی مذہبی زندگی میں لکھ چکے ہیں۔ تو آپ نے تصانیف و مناظرات کو

؎ مولانا کا "اخبار اہلحدیث" کا جاری کرنے کا بنیادی مقصد اصلاح عقاید اور تردید باطل تھا۔ چنانچہ آپ نے خود لکھا:

"جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی۔ اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار اہلحدیث جاری کیا گیا۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے اور غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔" (اہلحدیث امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۴۳ء)

یہ مولانا کا ذاتی پرچہ تھا۔ غور کریں وہ لوگ جو جماعتی پرچوں سے تبلیغی کام لینے کی بجائے اپنی ذات کو چمکانے کا کام لیتے ہیں۔ (فاروقی)

اشاعت حق اور تردیدِ باطل کے لیے کافی نہ سمجھا۔ اور اخبارات جاری کر دیئے۔ کچھ عرصہ بعد جریدہ "مسلمان" کو بھی آپ نے "اہلحدیث" ہی میں مدغم کر دیا یا بالفاظِ دیگر اسے بند کر دیا اور اخبار اہلحدیث ہی کے ذریعہ وہ خدمت بھی سرانجام دینے لگے، جو مسلمان کے ذریعے سرانجام دے رہے تھے" اہلحدیث" کے مضامین کی نسبت یہی لکھ دینا کافی ہے کہ وہ حضرت مولٰینا ابوالوفار کے قلم حقیقت رقم کے رشحات[1] ہوتے تھے۔ یہ مضامین آپ اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرماتے تھے۔ نرمی اور مٹھاس کے علاوہ عبارت میں بے حد دلکشی، جاذبیت، سلاست اور روانی ہوتی تھی۔ جسے ایک مخالف بھی چٹخارے لے لے کر پڑھتا، متاثر ہوتا اور مستی و بیخودی میں جھوم اٹھتا۔ برمحل اشعار، بر موقع مصرعے، پُر لطف حکایات، کیف زا لطیفے، لذیذ تمثیلیں، مزاحیہ طنزیں آپ کی تحریر کی خاص ادا تھی۔ کلام کی طرح مضمون میں بھی اعدار کے دلوں کو موہ لیتے اور مخالفوں کو اپنا گرویدہ و شیدا بنا لیتے تھے۔

اکثر اخبارات سے آپ کی نوک جھونک رہتی تھی، کیونکہ تبادلہ میں قریباً تمام بریلوی، دیوبندی، مرزائی، بہائی، شیعی، عیسائی اور آریہ اخبارات آیا کرتے تھے۔ اور سب ہی مباحث اور چھیڑ چھاڑ پسند کرتے تھے، مگر حنفی اخبار تو "اہلحدیث" کے بہت ہی مخالف تھے۔ کیونکہ یہ اخبار آتش بدعت کو ہوا دیتے اور اس پر روغن تقلید گراتے تھے۔ اس لیے مولانا کے موحدانہ مضامین ان کے کلیجے میں تیر و نشتر کی طرح چبھتے اور ان کے خلاف بدعت نواز مضمون اپنے پرچوں میں لکھتے تھے۔ جن کا جواب اور مدلل و مسکت جواب مولٰینا کو دینا

[1] معنی ہے رس، عطر، جوہر (فاروقی)

رہی پڑتا تھا۔ ان بدعتی اخباروں کی روش اگرچہ زہریلی اور اخلاق سوز ہوتی تھی۔ لیکن مولانا محترم ان کے جوابات بہت حلیمی، شیرینی نرمی اور خلق و تہذیب سے لکھتے تھے۔ اس کے علاوہ منکرین حدیث، اہل قرآن، شیعہ اور نیچری خیالات کی تردید بھی فرماتے اور ان کے اعتراضات کے تحقیقی و علمی جواب بھی اس میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

اس وقت چونکہ غیر مذاہب کی ریشہ دوانیاں اسلام اور مسلمانوں کو مہلک نقصان پہنچا رہی تھیں۔ اس لیے جس طرح آپ نے مناظرات و تصنیفات کے ذریعے ان کا قلع قمع کرنا اپنا فرض سمجھا، اسی طرح "اہلحدیث" میں بھی ان کی روک تھام کے لیے تردیدی و تنقیدی مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ مخالفین اسلام کی تحریروں، تقریروں، اور اخباروں میں دین مقدس کے خلاف جو حملے کیے جاتے تھے، آپ "اہلحدیث" میں ان کی تردید فرماتے اور دلائل و براہین سے اعدائے اسلام کو خاموش کر دیتے۔ چنانچہ آریہ، سناتنی، ست دھرمی، برہمو سماجی، سکھ عیسائی، بابی، بہائی اور مرزائی خاص طور پر آپ کی نظر میں رہتے اور اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے میں مساعی جمیلہ و شدیدہ کو بروئے کار لاتے۔ کفار و مبتدعین سے جو مباحثے و مناظرے ہوتے آپ انہیں بھی قسط وار "اہلحدیث" میں چھاپ دیتے تاکہ اہل توحید اس سے استفادہ کریں اور ان کی شر انگیزیوں سے بچیں۔

مضمون نویسی میں اور دوسروں کے مضامین چھاپنے میں آپ بیحد حزم و احتیاط سے کام لیتے کہ کوئی قابل گرفت چیز شائع نہ ہو جائے۔ مگر اس قدر احتیاط کے باوجود ایک بار کوئی ایسا مضمون چھپ گیا، جس کی بنا پر گورنمنٹ برطانیہ نے آپ سے ضمانت طلب کی۔ اخبار تھوڑی مدت کے لیے ملتوی ہو گیا اور "اہلحدیث" کی بجائے آپ کو **"گلدستہ ثنائیہ"** کے نام سے

پرچہ شائع کرتا پڑا۔ [1]

"اخبار اہلحدیث" کے مستقل عنوانات

اخبار "اہل حدیث" میں مستقل عنوانات سے جو مضامین شائع ہوتے تھے ان کا مجمل سا خاکہ یہ ہے:۔

(۱) اداریہ:

یہ مقامات "ایڈیٹوریل" کے طور پر آپ خود تحریر فرماتے تھے۔ اس میں علم طور پر مشرک و مبتدع لوگوں کے اعتراضات کے جواب لکھے جاتے یا اسلامی احکام و مسائل پر علمی گفتگو کی جاتی، دراصل یہ علم و عرفان کا ایک شیریں دریا ہوتا تھا۔ جو بدعت و ضلالت کی خس و خاشاک بہالے جاتا۔ اور گلشن توحید و سنت کی آبیاری کرکے اسے سرسبز و شاداب بنا دیتا، مولانا کا یہ مقالہ سارے اخبار کا مغز اور زبدہ ہوتا تھا جس کی حلاوت میں، بے پناہ طنز اور مزاح میں، ایسے مدلل و مبرہن رموز و نکات ہوتے تھے کہ مخالف اس کے مطالعہ سے

---

[1] جنوری ۱۹۱۴ء میں مخزن ثنائی اور فروری مارچ ۱۹۱۴ء میں گلدستہ ثنائی کے نام سے پرچے شائع کیے۔ علاوہ ازیں ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۳ء میں بھی پریس کی تبدیلی کی وجہ سے اسی "گلدستہ ثنائی" کے نام سے پرچے شائع کیے۔ بہرحال ناغہ نہیں ہونے دیا اور اخبار کی اشاعت کو بدنظمی سے محفوظ رکھا۔ آپ جب ۱۹۲۶ء میں حج پر گئے تو اس دوران امام العصر فاضل میر سیالکوٹی "نگران اور مولوی عطاء اللہ فرزند حضرت امرتسری" مدیر رہے۔ اس سے جہاں آپ کے جذبہ اشاعت و تبلیغ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بحیثیت ایک ایڈیٹر کس قدر ذمہ دار تھے۔ (فاروقی)

سر پیٹتے اور احباب اس کو پڑھ کر سر دُھنتے تھے۔

(۲) شذراتِ

یہ "نوٹ" التزام سے نہیں لکھے جاتے تھے مگر جب کبھی لکھے جاتے، تو علوم دینیہ کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ ان میں یا تو اعداء کے اعتراضات کے جواب ہوتے یا ان کے عقاید پر تردید و تنقید ہوتی۔

(۳) قادیانی مشن

عموماً ہر پرچے میں اس عنوان کے تحت مرزائیت کے ردّ و انسداد میں مضمون شائع کیے جاتے۔ اور بہت مدلل و دلچسپ ہوتے۔ چونکہ قادیانیت مسلمانوں کے ایمان و عقاید پر بری طرح ڈاکہ ڈال رہی تھی، اور محمدیت کی جگہ مرزائیت کو فروغ دے رہی تھی۔ اس لیے مولانا اس پر خاص توجہ فرماتے اور اس کی تنقیص اور تعریض، تردید و تنقید کے لیے راہوار قلم کو خوب حرکت میں لاتے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ ان مضامین کی بدولت کئی مرزائی تائب ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔ یا کم از کم مرزائیت سے نفرت کرنے لگ جاتے۔

(۴) فتاویٰ

اس کا مفصل تذکرہ "اسلام کی اشاعت و خدمت" میں ہو چکا ہے۔ ہر پرچہ میں مولانا استفتاء کے مختصر جوابات دیتے اور بسا اوقات جواب میں قرآن و حدیث کا مجملاً یا تفصیلاً حوالہ بھی ہوتا۔ بعض اوقات متعاقب حضرات مولانا کے فتاویٰ پر تعاقب کرتے اور پھر آپ ان تعاقبات کا جواب ارقام فرماتے۔ اس قسم کے تعاقبی فتوے بہت مفید اور پر از معلومات ہوتے۔

ؔ یہ شذرا کی جمع ہے۔ مراد ہے اخبار میں ایڈیٹر کا کسی خاص واقعہ پر مختصر تبصرہ۔ (فاروقی)

جس سے عوام کے دینی علوم میں بہت کچھ اضافہ ہوتا۔

⑤ تفسیر بالاقساط

ایک بار آپ نے "تفسیر بالرائے" کو "اہلحدیث" میں قسط وار چھاپنا شروع کیا، جو بہت عرصہ تک شائع ہوتی رہی۔ یہ تفسیر چونکہ بابیوں، بہائیوں اور مرزائیوں وغیرہ کی تفسیروں پر بطور تعاقب لکھی گئی تھی۔ اور گوناگوں مذہبی و علمی معلومات کا مجموعہ تھی۔ اس لیے بہت پسند کی جاتی تھی۔ بھلا مولانا کے قلم سے جو چیز نکلے وہ قبول عام حاصل نہ کرے! مشکل و محال ہے۔

⑥ مراسلات

یہ کالم اگرچہ دوسروں کے مضامین وغیرہ چھاپنے کے لیے مخصوص تھے مگر عام اخبارات کی طرح بے فائدہ و فضول مضامین شائع نہ ہوتے تھے۔ صرف وہی مراسلے چھاپے جاتے جو قارئین کے لیے مفید و نفع بخش ہوتے ان مراسلوں میں عام طور پر یا تو اعتراضات کے جواب ہوتے یا مذہبی مسائل و احکام، جن کی اشاعت ناظرین کے اضافۂ معلومات و واقفیت کا باعث ہوتی۔ بعض دفعہ ان مراسلات میں تعاقبات کا سلسلہ بھی جاری ہوتا۔ اور مولانا بشرطِ ضرورت ان کے جواب الجواب ارقام فرماتے، الغرض یہ مراسلات قارئین اہلحدیث کے خیالات کا عطر و مجموعہ ہوتے تھے۔

⑦ ملکی مطلع

اس عنوان کے تحت سیاسیاتِ وطن پر مختصر مگر جامع الفاظ میں رائے زنی کی جاتی تھی۔ مولانا مغفور اگرچہ خالص مذہبی آدمی تھے، لیکن جب سیاسی امور پر قلم اٹھاتے تو دریا کو کوزے میں بند کر دیتے۔ آپ کے سیاسی حالات میں ہم اس کا مفصل تذکرہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

(۸) متفرقات

ان کالموں میں بہت سی باتیں حوالۂ قلم کی جاتیں۔ دوستوں کا حساب، آمدہ چندوں اور فنڈوں کی تفصیل، انجمن ہائے اہلحدیث کی کاروائیاں جلسوں وغیرہ کے اعلانات، ٹریکٹوں رسالوں اخبار وکتب وغیرہ پر تنقید وتبصرہ، بعض ضروری امور کی تردید وتائید، قابل اشاعت مضامین کا ذکر مضامین غیر مقبولہ کی اطلاع، واعظین ومقررین کی رپورٹیں، اشاعت اخبار میں حصہ لینے والے معاونین کا شکریہ، اسلامی انجمنوں واداروں کی مفید کارگزاریاں، کتب خانہ ثنائی کی جدید مطبوعات کا تذکرہ اور دیگر جماعتی اطلاعات اسی صفحہ پر شائع کی جاتی تھیں۔

(۹) انتخاب الاخبار

اس میں ملکی وغیر ملکی چیدہ واہم خبریں دی جاتی تھیں۔ بعض مفید معلومات، ایجادات وغیرہ اسی میں کی جاتیں اور کئی قسم کے کارآمد اعداد وشمار شائع کیے جاتے تھے۔ گویا یہ صفحہ ہفتہ بھر کی خبروں وغیرہ کا نچوڑ ہوتا تھا۔

(۱۰) اشتہارات

اس کا ذکر اگرچہ عبث ہے لیکن ہم یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ عام اخبارات کی طرح "اہلحدیث" میں فحش اور خلاف تہذیب اشتہارات شائع نہیں کیے جاتے تھے۔ چونکہ حضرت مولانا عالم باعمل تھے اس لیے آپ اشتہاروں میں بھی انسانی یا حیوانی تصویروں کی اشاعت گوارا نہ کرتے تھے۔ آپ کے اس طریق وکردار سے جملہ اسلامی جرائد کے مالکوں اور مدیروں کو سبق لینا چاہیے۔ خصوصاً ان جرائد ورسائل کو جو تصویروں کی نمائش اور پکچروں کی اشاعت کو صحافتی ترقی کا معیار سمجھتے ہیں۔

یہ ہے اس اخبار کے مضامین اور اغراض و مقاصد کا مجمل تذکرہ جس نے قریباً نصف صدی تک اسلام و فرزندانِ اسلام، کتاب و سنت، توحید و رسالت کی بے لوث و بے غرض خدمت کی متحدہ ہند کے گوشے گوشے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا نام بلند کیا اور اعلائے حق کے طفیل باطل پر فتح پائی۔

ہاں خاتمہ پر ہم یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں، کہ اخبار اہلحدیث کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اپٹوڈیٹ تھا۔ یعنی نہایت پابندیٔ وقت سے شائع ہوتا تھا اور ہر جمعہ کو ہر خریدار کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا اس کی اس خصوصیت نے اسے تمام اخباروں میں نمایاں کر رکھا تھا اور وہ سال بھر میں ایک تعطیل کے سوا عام تعطیلات بھی نہیں کیا کرتا تھا۔[1]

مرقّعِ قادیانی

یہ مولانا ابوالوفاءؒ کا تیسرا پرچہ ہے یہ جون ۱۹۰۷ء میں مرزائیت کے قصر سراب کی بنیادیں ہلانے اور اس کی کفر نواز و باطل طراز عمارت ڈھانے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ یہ ماہنامہ کئی سال تک شائع ہوتا رہا اور قادیانیت کا پھٹا ہوا منہ توڑتا رہا۔ اس رسالے کے پہلے صفحہ پر یہ حدیث ہوتی سیکون فی امتی ثلثون کذابون یزعم کلھم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی اور اس کا مقصد یہ لکھا ہوتا ''اس رسالہ کا مقصد اسلام سے بیرونی اور اندرونی حملات کی مدافعت کرنا اور مرزا صاحب قادیانی کے غلط خیالات کی اصلاح

---

[1] کاش! یہ خوبی ہمارے جماعتی پرچوں میں بھی پیدا ہو جائے۔ (فاروقی)

کرنا ہے "

ہم مولانا کے مذہبی حالات میں وضاحت سے بتا چکے ہیں کہ حضرت مرحوم مرزائی لٹریچر پر اتنا کامل و اکمل عبور رکھتے تھے، کہ غالباً اس کا باقی بھی اپنی تصانیف وغیرہ سے اس قدر واقف نہ ہو گا۔ مرحوم نے انگریز کی تیار کردہ اس دشمن اسلام ٹولی کو ایسی فاش اور عظیم شکست دی اور ایسا منہ کے بل گرایا کہ "فاتح قادیان" کا خطاب پایا۔ دنیائے اسلام نے آپ کی ان خدمات کو بیحد سراہا اور آپ کے کمال فن کی داد دی۔ چنانچہ مولینا ظفر علی خاں نے آپ کی انہی مرزائیت سوز خدمات کی تعریف میں لکھا تھا کہ ؎

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

"مرقع قادیانی" بھی مرزائیت کے بے برگ و ثمر پودوں کو کاٹنے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ جس میں اس کے ڈھول کا پول کھولا جاتا تھا۔ اس کی خرافات کا جواب ایسے علمی اور دلچسپ انداز میں دیا جاتا، کہ خود غلام احمدی بھی بھڑک اٹھتے۔ اور بعض قادیانی تو اس کے مضمون پڑھ کر گھٹنوں میں ایسا سر دبا لیتے کہ پھر اٹھانے کی تاب ہی نہ رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ بانی مرزائیت نے تنگ آ کر جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک ہونے کی دعا کی، جو مقبول ہوئی۔ برادرِ مسیلمہ بعارضہ ہیضہ مہلکہ ہلاک ہوا۔ جس پر حضرت مولانا کو کہنا پڑا کہ ؎

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر
کذب میں پکا تھا، پہلے مر گیا

آخر بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی بنا پر یہ مفید و دلچسپ رسالہ بند کر دیا گیا۔ دراصل کثرت کار، مشاغل تصنیف و تقریر اور مباحث و مناظرات

کے انہماک نے اخبار "مسلمان" اور رسالہ "مرقع قادیانی" کو "اہل حدیث" میں مدغم ہونے پر مجبور کیا۔ اور مولانا نے اسی اخبار (اہل حدیث) کو دین مقدس اور مسلمانوں کی مذہبی و ملی خدمات کا ذریعہ بنا لیا۔

اے کاش! مسلمان پھر جماعت مرزائیہ کی ریشہ دوانیوں، شرانگیزیوں و سیسہ کاریوں پر متوجہ ہوں، جس کے فتنے پاکستان میں قیامت بنتے جا رہے ہیں، اور جس کے مفسدات قوم میں نفاق و افتراق پیدا کر رہے ہیں[1]

ادارتی ملکہ

مولانا کو ادارت کا خوب تجربہ تھا۔ نہ صرف یہ کہ آپ مضامین کی تقسیم اچھی جانتے اور انہیں مناسب صفحوں پر چھاپتے تھے، یا اخبار کی لکھوائی چھپائی، کاغذ، نفاست، پرچے کی بروقت اشاعت و روانگی وغیرہ کا خیال رکھتے تھے بلکہ قابل ذکر بات یہ ہے، کہ آپ تحریر و ادارت میں حسن تدبیر سے کام لیتے صحافتی ذمہ داریوں کو خوب سمجھتے اور عدیم الفرصت ہونے کے باوصف ادارتی فرائض کو بہترین طریق سے سرانجام دیتے تھے۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ اخباری مضامین میں اختصار کو مدنظر رکھتے تھے۔ انہیں نہ اتنا کم کرتے کہ مطلب ہی فوت ہو جائے۔ نہ اتنا طول دیتے کہ پڑھنے والا اکتا جائے۔ مختصر نویسی میں

---

[1] حکومت نے اگرچہ اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے رکھا ہے ذوالفقار علی بھٹو اور پھر ضیاء الحق نے یہ اچھا قدم اٹھایا مگر ضرورت ہے کہ ان کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے اور ان پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔ مرزائیت نہایت خطرناک فتنہ ہے۔ یہ کسی بھی وقت اسلام اور ملک و ملت کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ (فاروقی)

اعتدال زیرِ نگاہ رہتا۔ الفاظ ایسے سادہ، جامع، فصیح، بلیغ، پرمعنی، جاذب مؤثر، دلکش اور فرحت بخش ہوتے۔ کہ ایک مخالف و دشمن قاری بھی انہیں پڑھتا، تو ان کا مطلب اس کے دل و دماغ میں اترتا۔ اور اثر کرتا جاتا، مزاحیہ طنزیہ اور مناظرانہ مضامین لکھنا تو آپ کی مِلک خاص تھی، روش دلآزار نہ تھی دلپذیر تھی۔ اس لیے مخاطب مخالفین بھی انہیں شوق و ہمت سے پڑھتے اور آپ کی طرزِ تحریر کی داد دیتے۔

علمی مقالے خوب لکھتے، دلائل دیتے تو معقول، سند پیش کرتے تو قرآن و حدیث سے، کتاب و سنت کو چھوڑ کر دوسروں کے اقوال و افکار و قیاسات کو بطور براہین لکھنا خلافِ آئین سمجھتے۔ ہاں اگر کسی بزرگ کا قول و فکر نص و حدیث سے منطبق ہوتا تو بشرط ضرورت اس کا حوالہ بھی دے دیتے۔ تقریر کی طرح تحریر میں بھی شگفتگی پائی جاتی۔ روکھے پھیکے مضامین کو پُر لطف بنا دینا آپ کا کمال فن تھا۔ اشعار کی رنگینی، لطائف کی چاشنی تحریر کو اور بھی پُر مزاح و کیف آور بنا دیتی۔ اور ناظرین جب آپ کے مختصر مضمون پڑھتے، تو حسرت سے پکار اٹھتے کہ کاش! یہ تحریر اور زیادہ لمبی ہوتی۔

ہر امر میں حزم و احتیاط سے کام لینا۔ اور قابل تعزیر و گرفت امور سے بچنا آپ کے ادارتی فرائض میں داخل تھا۔ نرمی و لطافت سے وہ بات کہہ جاتے تھے، جس سے مطلب بھی ادا ہو جاتا۔ اور کسی کے دل و جگر میں زخم بھی نہ آتا، دور کی سوجھ رکھتے اور موقع پر دو چار فقروں میں وہ کچھ لکھ دیتے، جو دوسروں کو برسوں سر کھپانے سے بھی یاد نہ آسکتا۔ آہ ع

خدا بخشے! بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

اسلامی پریس کو درس اصلاح

مولانا ابوالوفاء کی اخباری زندگی جہاں عام خواندہ و اہل علم مسلمانوں کو گوناگوں سبق دیتی ہے، وہاں اسلامی صحافت کے لیے بھی وہ بہت کچھ درس آموز ہے، اس لیے کہ:

(۱) مولانا محترم نے دینی وملّی خدمات کو سب سے مقدم رکھا۔ کتاب و سنت کے احیاء و بقاء اور اس کی تبلیغ و اشاعت کو بہرحال فرض سمجھا۔ اور تمام عمر اخبار میں اسی سے متعلق مضمون لکھتے رہے۔

(۲) آپ نے مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ بِهٖ کی حدیث کے مطابق نہ کبھی کسی کو نقصان پہنچایا، نہ کسی کی دلآزاری کی۔ مخالفوں کو بہت میٹھے اور نرم الفاظ سے سمجھایا۔ اور قوم کے تشتّت و افتراق کو ہمیشہ برا سمجھا۔

(۳) دینی و قومی مفاد کو اپنے ذاتی نفع پر ہمیشہ ترجیح دی۔ اور اپنے فائدے کے لیے کبھی ملّت کو ضرر نہیں پہنچایا "اِيَّاكُمْ وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّهَا هِيَ الْحَالِقَةُ" کے تحت کسی کی برائی نہیں کی۔ اور کسی مسلمان کی تذلیل کو قومی تحقیر سمجھ کر ہر فرزند توحید کی عزت و عظمت قائم رکھنے کی کوشش فرمائی۔

(۴) کبھی ضمیر فروشی نہیں کی۔ کسی لالچ اور کسی معاوضہ پر اپنی رائے کو نہیں بدلا۔ ہمیشہ وہی کچھ لکھا، جو عامۃ المسلمین کے لیے مفید ہو، موجب فلاح و اصلاح ہو۔ ان کی ترقی کا باعث ہو، دین و قوم کی قوت و حشمت کا سبب ہو جس سے مسلمان سربلند ہوں اور ان کا دبدبہ کفار پر چھا جائے۔

(۵) افواہیں پھیلانے، جھوٹی خبریں گھڑنے اور چھاپنے اور اس طرح خواہ

خواہ کسی پارٹی یا لیڈر کا پٹھو بن کر اس کی حمایت و اعانت حاصل کرنے سے سخت اجتناب کیا، اس کو گناہ عظیم جانا اور مذہب و ملت کے حق میں زہر ہلاہل!

(۶) "لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ" کے حسب ہدایت آپ نے کبھی کفار و مشرکین یا ضالّ و مبتدعین کے ان مشوروں کو قبول نہیں کیا۔ جو دین و قوم یا سیاسیات اسلامی کے منافی ہوں۔ اور اس امر میں یہاں تک پرہیز کی، کہ گورنمنٹ برطانیہ اور اس کے افسروں کی امداد و حمایت لینے، ان سے بلا ضرورتِ شدید ملاقات کرنے اور ان کے ساتھ زیادہ میل جول اور گفتگو کرنے سے بھی کنارہ کشی برتی۔ اس لیے کہ وہ کوئی ایسی صلاح نہ دے بیٹھیں جو اسلام اور فرزندانِ اسلام کے مفاد و منافع کے خلاف ہو۔ آپ کا کفار سے میل جول رکھنا محض تبلیغی امور کی بنا پر تھا۔ اور اس سے اشاعتِ دین مقصود تھی اور بس ——!

(۷) اخبار کی اشاعت بڑھانے کے لیے آپ نے کبھی ان ناجائز حربوں اور ناروا وسائل و ذرائع کو اختیار نہیں کیا جن کو آج کل کے اکثر جرائد ترقی و آمدنی کا معیار سمجھے بیٹھے ہیں۔ جریدہ "اہل حدیث" کی کثرتِ اشاعت کا سبب صرف وہ مضامین و مقالات تھے، جو اسلام، توحید اور قرآن و حدیث کی تبلیغ و دعوت کے لیے چھپتے اور خراج علمیت وصول کرتے تھے۔

(۸) آپ نے ذاتی منفعت اور حلب زر کے لیے نہ کبھی حق کو چھپایا نہ کبھی باطل کی حمایت کی۔ جس بات میں اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کی اطاعت اور قرآن و سنت کی حمایت مضمر ہوتی، وہ بات آپ صاف صاف کہہ دیتے ہاں! طرز ادا چونکہ میٹھا، خوشگوار، ملیّن اور دلنواز تھا۔ اس لیے مخالفین بھی آپ کی مدح و ستائش میں تر زبان رہتے اور خفیہ و علانیہ آپ کی تعریف

کرتے۔

(۹) آپ نے کبھی ایسا سلسلۂ مضامین جاری نہیں کیا، جس میں کسی کی طرفداری یا دھڑابندی پائی جائے۔ یا جس سے مخالفوں کو جلانا اور دوستوں کو خوش کرنا مقصود ہو۔ آپ تہذیب وشرافت کا دامن کبھی نہ چھوڑتے، تحریر میں کوئی نازیبا لفظ استعمال نہ کرتے۔ سبّ وشتم تو آپ جانتے ہی نہ تھے۔ دوسرے جب گالیاں دیتے تو آپ اخلاق ومحبت سے ان کو سمجھاتے اور اس طرح کہ سبّاب، شرم وندامت کے پانی میں ڈوب مرتے۔

(۱۰) جریدہ "اہلحدیث" کے زمانے میں کئی دوسرے جماعتی پرچے بھی شائع ہوتے تھے۔ جن کی کوشش یہ تھی، کہ وہ "اہلحدیث" سے سبقت لے جائیں۔ اس کے مقابلے میں مقبول ومنظورِ جماعت بنیں اور اس طرح خریداروں کی تعداد میں اضافہ کریں۔ لیکن حضرت مولانا طبعاً ان باتوں سے بیزار تھے۔ آپ نے نہ تو "اہلحدیث" کو کبھی کسی جماعتی پرچے کا مدمقابل بنایا۔ نہ اس کو دوسروں سے بلند کرنے اور مقابلہ کرکے ترقی دینے کی کوشش کی، آپ خاموشی سے ٹھوس خدمات انجام دیتے۔ اور اس کا معاوضہ اللہ سے چاہتے رہے۔

آپ کے یہ اخباری حالات اس لائق ہیں کہ ہمارے جرائد نویس ان کی پیروی کریں، اسلامی پریس کو اسلامی خدمات کے لیے وقف کردیں۔ دینِ مقدس اور اس کے نام لیواؤں کو ترقی دینے کی سکیمیں سوچیں۔ ان کی عزت وعظمت قائم رکھیں، ان کا نام اچھالیں، ان کی حمایت کریں۔ اور اپنے نفع کی خاطر دین وملت کے مفاد کو نظرانداز کرکے دامنِ صحافت کو داغدار نہ بنائیں۔

دفتر کی سادگی

جس طرح مولانا کے مضامین سادہ وبے تکلّف ہوتے تھے، اسی طرح آپ

کا دفتر "اہلحدیث" بھی نہایت سادہ اور تکلف سے دور تھا۔ آپ کا اخبار ایک معروف و مقبول پرچہ تھا۔ جو ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں بھی بکثرت جاتا تھا، ہر فرقہ، ہر خیال، ہر مذہب کے لوگ اس کو شوق و رغبت سے پڑھتے اور اس کے لیے ہمہ تن منتظر رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی، کہ دفتر اخبار میں ہر قسم کے ملاقاتی آتے رہتے تھے۔ زائرین جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے تھے اور ہم اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ بلا مبالغہ کہتے ہیں کہ ملاقاتیوں کا اتنا ہجوم کسی اچھے روزنامے کے دفتر میں بھی نظر نہیں آیا۔ جس قدر آپ کے ایک ہفت روزہ جماعتی پرچے کے دفتر میں دکھائی دیتا تھا۔

لیکن دفتر کی سادگی و بے تکلفی اس قدر تھی کہ دوسرے اخباری دفتروں کی طرح اس میں نہ تو کوئی گنجائش تھی۔ نہ قیمتی فرنیچر، نہ کوئی کرّوفر، نہ شان و شوکت۔ چند کرسیاں "اپ ٹو ڈیٹ بابوؤں" کے لیے ضرور رکھی تھیں، مگر عام طور پر سب کے لیے فرش محمدی بچھا ہوا تھا۔ دریوں اور چٹائیوں کے علاوہ ایک دو قالین بھی بچھے تھے۔ جن پر دو چار تکیے لگے ہوئے تھے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ تک سب اسی فرش پر بیٹھتے، جس سے اسلام کی مساوات نمایاں ہوتی۔

حضرت مولانا جہاں تحریری کام کرتے۔ وہاں ایک پرانی وضع کا ڈیسک رکھا ہوتا۔ جس پر آپ نوشت خواند فرماتے، دفتر کا عملہ بھی فرش پر کام کرتا۔ اور یہ اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ حضرت مولانا بنی نوع انسان کی برابری و برادری کی نگہداشت کرتے اور اسلامی اخوت و مساوات کا درس دے کر نام کی "برادرہڈ" اور "ایکوئی لزم" قائم کرنے والی کمیونزم کے منہ پر وہ چپت رسید کرتے کہ وہ چیختی، چلاتی، کارل مارکس، ٹراٹسکی، لینن اور سٹالن کو صلواتیں

سناتی، اپنی شکستِ فاش کو تسلیم کر لیتی۔

یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے اس لیڈر کی اخباری لائف ہے جس نے اپنے مقالات و مضامین سے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ اس کا نام ہے اسلامی جرنلزم۔ جس نے ہندوستان سے چل کر سمندر پھاندے، ممالک غیر میں صحافتِ دینیہ کا جھنڈا بلند کیا۔ اور مسلم صحافیوں کو یہ درس عمل دیا، کہ وہ یورپی تقلید اور مغربی تہذیب کو عروج و ترقی کا معیار نہ سمجھیں، بلکہ ان روایات پر چلیں، جو اسلاف ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں، اور وہ اعمال اختیار کریں جن پر بزرگان دین چلتے آئے ہیں۔

دفتر کا عملہ

غالباً ناحق شناسی اور ناقدری ہو گی اگر اس سلسلہ میں آپ کے عملہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ آپ کا عملہ اگرچہ مختصر تھا، مگر نہایت ہی مخلص تھا، ایک کاتب تھا، ایک منشی محررِ دفتر یعنی مینجر، ایک اس کا نائب یا معاون اور فقط ایک چپڑاسی شروع شروع میں حکیم علم الدین صاحب آپ کے مینجر تھے۔ جو مدتوں کام کرتے رہے۔ پھر حکیم سردار خاں صاحب (مومیائی والے) آئے اور وہ بھی برسوں ملازم رہے۔ پھر قاضی منظور حسین صاحب اس عہدہ پر فائز ہوئے، اور آخر تک فائز رہے۔ یہ سب مخلص ترین انسان تھے۔ مگر ان سب سے زیادہ دفتر کے خیر خواہ اور دفتر کے ہمدرد حافظ رکن الدین صاحب تھے۔ جو مولانا کے معتمد علیہ بھی تھے اور محررِ خصوصی بھی۔ نہایت ہی نیک صالح، دیندار، سادہ لوح اور سادہ مزاج۔ اخیر تک مولانا کے ساتھ رہے۔ اور اگست ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید ہو گئے (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ)

ثنائی کُتب خانہ

حضرت مولانا نے اخبار "اہلحدیث" کے ساتھ ایک کتبخانہ بھی قائم کر رکھا تھا جس میں دو قسم کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔

۱۔ وہ کتابیں جو خود مولانا کی تصانیف تھیں، ان کو خاص اہتمام سے لکھوایا اور چھپایا جاتا تھا۔

۲۔ وہ کتابیں جو دوسروں کی تالیفات تھیں مگر جماعت اور عامۃ المسلمین کے لیے مفید سمجھی گئی تھیں، ان کتابوں کی ایجنسی لی جاتی تھی اور کمیشن پر ان کے منافع کا دارومدار تھا۔ جو کتابیں بطور ایجنسی رکھی جاتی تھیں، ان کی وصولی، فروخت وغیرہ کا حساب الگ رکھا جاتا تھا۔ چونکہ آپ بیحد امین و متدیّن تھے اس لیے ذرا ذرا سا حساب رکھتے اور لین دین میں مغالطہ نہ ہونے دیتے۔

کتب خانے کے قیام کا مقصد وحید وہی تھا جو آپ کی تحریر و تقریر اخبار و تالیف کا تھا۔ یعنی توحید و رسالت کا احیار، کتاب و سنت کا بقا اور اسلام کی خدمت و اشاعت۔ آپ اس کتب خانہ سے مسلمانوں کو مذہبی و تبلیغی لٹریچر مہیا کرتے جس سے ان کی دینی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ مناظرہ ایسے مایۂ ناز فن میں آپ نے کمال حاصل کرکے دوسروں کو اس سے آشنا کیا، مناظرانہ رنگ میں کتابیں تصنیف کرکے علمار کو مناظر بنایا۔ حضرت مولانا کی وفات سے درحقیقت مسلمانوں کا ذوقِ مناظرت فوت ہوگیا، جس کی تلافی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

ثنائی برقی پریس

ابتدا میں جب مولانا نے اخبارات جاری کیے تو وہ دوسرے مطابع میں چھپتے

تھے۔ عام طور پر اخبار "وکیل" امرتسر کے روز بازار الیکٹرک پریس میں آپ کے جرائد و تالیفات کی طباعت ہوتی تھی۔ اس دوران میں آپ نے ایک چھوٹا سا چھاپہ خانہ "اہلحدیث پریس" کے نام سے قائم کیا۔ مگر وہ بعض وجوہ سے چل نہ سکا۔

۱۹۳۰ء میں آپ نے "ثنائی برقی پریس" کے نام سے مطبع کھولا جس کی بنیاد ۲۲×۱۸ سائز کی مشین سے رکھی گئی۔ اس کے قیام سے یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ اخبار "اہلحدیث" اور آپ کی تصنیفات اس میں چھپنے لگیں۔ چونکہ آپ تحریری مشاغل میں بکثرت مصروف رہتے اور نئی نئی تالیفات بھی مرتب ہوتی رہتیں، اس لیے چھپائی کا کام بھی بڑھتا گیا۔ اپنے کام کے علاوہ دوسروں کا طباعتی کام بھی کثرت سے آتا جس سے پریس کو وسعت دینے کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ نے ۲۲ × ۲۹ اور ۲۰ × ۳۰ کی دو تین مشینیں اور خرید لیں۔ انگریزی ٹائپ بھی منگوالیا، اور اس کے ساتھ مہر سازی بھی شروع کرا دی۔

پریس کا سارا کاروبار آپ نے اپنے اِکلوتے فرزند مولوی عطاء اللہ مرحوم کے سپرد کر رکھا تھا۔ مرحوم نے اسے خوب فروغ دیا، اور اپنے اثر و رسوخ سے اسے اتنی ترقی دی کہ وہ امرتسر کے ممتاز ترین پریسوں میں شمار ہونے لگا۔ یہ پریس جولائی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ مگر تقسیم برِّ عظیم کے بعد جب مشرقی پنجاب میں فسادات رونما ہوئے، اور امرتسری مسلمانوں پر آفت ٹوٹ پڑی، تو آپ کا یہ مطبع بھی بند ہو گیا ـــــ بند کیا ہوا؟ دشمنوں کی نذر ہو گیا۔ جس کی تفصیل "ہجرت" کے بیان میں درج کی جائے گی۔

سیاسی زندگی

۵

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو!
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (اقبالؒ)

آپ کی سیاسی بصیرت

شیخ الاسلام حضرت مولینا ابوالوفارحؒ اگرچہ خالص مذہبی انسان تھے۔ آپ کی تمام عمر دینی امور کی انجام دہی اور شرعی فرائض کی ادائیگی میں گذری لیکن بہت کم اصحاب کو معلوم ہو گا کہ آپ ایک بہترین سیاست دان بھی تھے۔ علوم دینیہ پر عبور کامل رکھنے کے علاوہ آپ سیاسیات میں بھی ماہر و کامل تھے۔ اور اس میں ایسی فراست و زیرکی دکھاتے اور ایسے فہم و تدبّر کا اظہار کرتے کہ اچھے اچھے سیاسی مدبّر آپ کی صائب رائے پر صاد و اتفاق کر لیتے۔

ایک بار آپ نے کسی سیاسی معاملے پر رائے زنی کی۔ اس پر روزنامہ "زمیندار" لاہور نے لکھا اور شدید اختلاف کے ساتھ لکھا کہ "اہل حدیث سیاست نہیں جانتا۔ مگر چند ہی روز بعد جب" زمیندار" نے مولانا کی رائے کو درست پایا تو اخبار" اہلحدیث" کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

حُبّ وطن

حضرت مولٰینا محبِّ وطن تھے۔ اور اپنے ملک سے "حُبّ الوطنِ مِن الایمانِ" کے حسب القول محبت رکھتے تھے، لیکن اس وطنی عشق و محبت میں آپ اسی قدر مبتلا تھے۔ جس قدر اسلام نے ان کو اجازت دے رکھی تھی۔

یہ بات درست اور سو فیصدی درست ہے کہ انسان جس زمین میں پیدا ہوا اور پلا پوسا ہو، طبعاً و فطرتاً وہ اسی زمین سے پیار اور لگاؤ رکھتا ہے اس سے جدا ہونا نہیں چاہتا اور اپنے مولد و مسکن پہ جان دیتا ہے۔ اور اس کی خاک کے ایک ایک ذرّے کو مہر و ماہ سمجھتا ہے۔ وہ بھوکا مرتا ہے، ننگا رہتا ہے، پانی کی ہوشربا قلّت برداشت کرتا ہے، ناداری اور مفلسی، بے روزگاری و اقتصادی بدحالی، گرمی و سردی، مصائب و نوائب، آلام و اسقام آفات و مشکلات جھیلتا ہے، ٹھٹھرانے اور شل کرنے والے برف کے تودے گندم و نخود کی طرح بھون دینے والے ریت کے ٹیلے اس کی نگاہ میں خلد وارم سے کم نہیں ہوتے۔ وہ سموم و صَرصَر کے جھونکوں کو جنت الفردوس کی روح افزا ہوا سمجھتا ہے، اور رگوں میں خون کو تخ کرنے والی سرد آندھیوں کو بہشت کی روح پرور صبا! وہ یہ تمام سختیاں ہنسی خوشی سہتا ہے، مگر جب اسے اس تکلیف دِہ وطن کو چھوڑنے کو کہا جائے تو اس کی آنکھیں مصروف گریہ ہو جاتی شدّت زاری سے اس کی ہچکیاں بندھ جاتی اور دل و جگر میں ایک زہریلا تیر پیوست ہو جاتا ہے۔

اسلام کا نظریۂ وطنیت

لیکن جب دلوں اور فطرتوں میں انقلاب لا کر انہیں یکسر بدل دینے والے اسلام کا ظہور ہوا، تو اس نے جہاں مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت، اخلاق و عادات، خصائل و شمائل اور تمدن و معیشت میں تبدیلی پیدا کی وہاں اس نے ان کی سیاست و وطنیت کا نظریہ بھی بدلا۔ اور اس طرح کہ اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ کہہ کر اس نے مسلمانوں کو سمجھایا، کہ تمام روئے زمین پر خدا کی حکومت ہے، وہی احکم الحاکمین سب ملکوں کا والی و مالک ہے اور مسلمانوں کا مسکن و مولد بھی کوئی خاص نہیں۔ سارا جہان ان کا وطن ہے۔ تمام دنیا ان کا ملک۔ یہ اسلام کی عالمگیری کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔ کہ جس طرح خدا کا دین تمام کائنات اور اس کی پہنائیوں پر چھایا ہوا ہے اسی طرح اہل اسلام بھی شش جہات پر وسعت پذیر ہیں اور کون و مکان کے ہر خطّے کو اپنا وطن سمجھتے ہیں ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

وطنیت کے اسی وسیع و عریض نظریہ کے تحت اسلام نے مسلمانوں کی ایک عالمگیر و عدیم النظیر برادری قائم کی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کے ماتحت ان کی ایک عالمی بھائی بندی بنائی جس کی رُو سے دنیا کے ہر حصے، ہر علاقے کے مسلمان بھائی بھائی بن گئے۔ اور ملکی و علاقائی تفریق و تمیز جاتی رہی۔ اسی نظریۂ وطنیت کے طفیل وہ تمام دنیا پر چھا گئے۔ تمام کائنات کے حاکم بنے سارے جہان میں خلافت و حکومت قائم کی۔ اور اس طرح انھوں نے ثابت کیا کہ مسلمان من حیث المجموع ایک اور فقط ایک قوم ہے۔ جس کا مذہب

تمدّن، معاشرت، تہذیب، سیاست اور وطنیت ایک ہے اور اس میں کسی قسم کا امتیاز نہ ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ چنانچہ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ اور سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کے احکام سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی سیاست اسی میں مضمر ہے، کہ مسلمان تمام دنیا میں پھیل جائیں، سارے جہان میں اپنی حکومت قائم کریں، اور یوں اللہ کے نام، اس کی توحید، اس کے دین، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے احکام کی اشاعت کریں۔ پس مسلمانوں نے خدا کے اس حکم پر سر جھکایا، وہ عرب سے اٹھے اور تمام کائناتِ عالم پر چھا گئے جہاں پہنچے وہیں اسلام کا علم بلند کیا۔ دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے اور اپنے مذہب کو اس قدر فروغ دیا۔ کہ آج دنیا کے ایک ایک کونے میں کہیں دھندلے اور کہیں روشن اس کے نشان نظر آتے ہیں یہ انہی کی یادگاریں ہیں ؎

سدا ان کو مرغوب سیر و سفر تھا — ہر اک برّاعظم میں ان کا گذر تھا
کھنگالا ہوا ان کا سب بحر و برّ تھا — جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا
وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو — گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو
جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک — کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں ان کے آثار اب تک — انہیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر — نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر پر
نہیں اس طبق پہ کوئی برّاعظم — نہ ہوں جس میں ان کے نشانات قائم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم — بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم
سر کوہ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے، کھوج پاؤ گے ان کا

اسلام کے اسی نظریۂ سیاست و وطنیت کا یہ اثر تھا، کہ حضرت مولانا مرحوم سیاست کو مذہب سے جداگانہ چیز نہ سمجھتے تھے۔ اور اس کو دین ہی کا ایک جُز ایک حصہ جانتے تھے۔ آج کل عام مسلم اکابر و رہنما سیاست کو مذہب سے الگ سمجھتے ہیں، اور اپنے اسی غلط خیال کی اشاعت کرتے ہیں، جس کا انجام یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت، اسلامی نظریۂ وطنیت کو فراموش کر چکی ہے اور اس فراموشی کے باعث ارضی و علاقائی، خاندانی و ذاتی عصبیت میں مبتلا ہے جس کا معائنہ صوبائی انتخابات کے موقع پر خوب ہو سکتا ہے۔ مگر مولانا کی ذات با برکات اس متعصبانہ امتیاز و تفریق سے یکسر بے نیاز تھی۔ وہ مسلمانوں کے اس افتراق و انتشار سے سخت نفرت کرتے اور ان کو بلا تمیز رنگ و خون اور بلا تفریق قبیلہ و نسل ایک اور صرف ایک سٹیج پر دیکھنے کے متمنی تھے۔ وہ "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا فَضْلَ لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ" کے ارشاد نبویؐ کے مطابق ایک ملک کے مسلمانوں کو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر فضیلت دینے اور اس طرح نفرت و حقارت کی خلیج کو وسیع کرنے کو اسلامی قومیت اور اسلامی سیاست کے حق میں سم قاتل سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر مسلمانوں کی "وطنی سیاست" میں کبھی اس طور پر حصہ نہ لیا کہ جس سے کسی خاص فریق کی دھڑا بندی یا حمایت ظاہر ہو۔ جو مسلمان سیاسی ترنگ میں "خاکِ وطن از تختِ سلیماں بہتر" کا نعرہ لگاتے ہیں وہ اسلام کے نظریۂ سیاست اور اس کی عالمگیر اخوت، مساوات اور حکومت کو نہیں سمجھتے ہیں۔

دوَلِ اسلامیہ کی سیاسیات

اسی عالمگیر اسلامی وطنیت کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مولینا ممالکِ اسلامیہ

کی سیاسیات سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ کوئی مسلم اقلیم ترقی کی راہ پر گامزن ہو دینی و ملی عروج کے منصوبے قائم کر رہی ہو، تو آپ اس سے بیحد مسرور ہوتے اور اس کے بقا و ارتقا کے لیے دستِ بدعا رہتے۔ لیکن جب کسی مسلمان ملک میں نفاق و تشتت کی اطلاع آپ تک پہنچتی تو آپ حیف و تاسّف کا اظہار فرماتے اور "اہلحدیث" میں متحد و متفق رہنے کے گرانقدر مشورے دیتے، اسی طرح جب کسی دولتِ اسلامیہ کو مصائب میں مبتلا دیکھتے تو اسلامی اخوت آپ کو رنج و الم میں محصور کر دیتی . . . آپ اس وقت تک غمگین و محزون نظر آتے جب تک اس کی مشکلات ختم نہ ہو جائیں، سچ ہے ؎

خنجر چلے کسی پر، تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

۱۹۲۸ء میں جب افغانستان میں عناد و فساد کی آگ بھڑکی، اور ملتِ افغانیہ خون و آتش سے کھیلنے لگی، تو اس وقت بھی آپ نے دوسرے ہندوستانی جرائد کی روش سے اختلاف کیا، اور جانبدار رہ کر افغانی قوم کو خصوصاً اور تمام فرزندانِ اسلام کو عموماً یہ صلاح دی، کہ وہ جنگ کے شعلوں پر روغن قاز ڈالنے کی بجائے ان کو صلح و اتحاد کے پانی سے بجھانے کی کوشش کریں۔ اور ان کو ہوا دے کر اسلام کے جماعتی نظام اور اس کی قوت و وحدت کو خاکستر نہ بنائیں۔ غرض اسلامی سیاسیات میں آپ کی پالیسی نہایت معتدل اور وقیع ہوتی تھی، جسے اکثر مسلمان پسند کرتے، آپ کے طرزِ عمل کو سراہتے، اور آپ کے نصائح سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔

ازبسکہ آپ کے قلب و جگر میں اسلام اور ملتِ حنیف کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لیے آپ کلمہ گویانِ توحید اور ان کی حکومتوں کی جائز

حمایت کرتے، ان کو متفرق و منتشر ہونے سے روکتے، ان کو صراطِ مستقیم پر چلنے کے مشورے دیتے اور یوں آپ دینِ مقدس اور ملت بیضا کی وحدت و سالمیت کو قائم رکھنے، مضبوط بناتے اور سربلند کرنے کی کوشش فرماتے، آپ کو دُوَلِ اسلامیہ کے حالات معلوم کرنے میں دلچسپی ہی نہ تھی، اور اس سے اپنی واقفیت میں اضافہ ہی مطلوب نہ تھا، بلکہ آپ کو اسلامی رشتہ اخوت و مودت کے باعث ان سے محبت بھی تھی اور اسی لیے آپ ان سے درد رکھتے تھے ؎

خون رگِ مجنوں سے نکلا، فصد لیلیٰ کی جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذب کامل چاہیئے

غیر ملکی سیاسیات

اسلامی ممالک کے علاوہ آپ دوسرے غیر ملکوں کے سیاسی حالات سے بھی باخبر رہتے اور مختصر طور پر ان پر تنقید و تبصرہ فرماتے اور نپے تُلے الفاظ میں رائے زنی کرتے تھے یہ تنقید یا تو تنقیص ہوتی تھی یعنی آپ متعلقہ حالات و اخبار پر نکتہ چینی کرکے غیر مسلم حکومتوں کے عیوب و نقائص طشت از بام کرتے یا کوئی مفید بات پاتے تو مسلمانوں اور دُوَلِ اسلامیہ کو اس کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے۔ اور اگر نا مسلم ممالک اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے یا تباہ و برباد کرنے کے ناپاک منصوبے گھڑتے تو آپ ممالک اسلامیہ اور اہل توحید کو ان سے خبردار کرتے اور ان سے بچنے کی تدبیریں سوچتے۔

جس طرح حضرت مولانا مغربی تہذیب و تمدن کے مخالف تھے، اسی طرح آپ مغربی سیاست کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل سمجھتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ اسلامی حکومتوں اور فرزندان توحید کو شاعران مغرب کی فریب کاریوں

ریشہ دوانیوں، چیرہ دستیوں، عیاریوں، اور غداریوں سے مجتنب رہنے کی تلقین فرمائی اور ان کی اسلام دشمن کارگزاریوں سے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ مغربی سیاست ایک دھوکے کی ٹٹی ہے، جیسے اس کی تہذیب و معاشرت دین متین کو شدید ترین ضرر پہنچا رہی ہے، ویسے ہی اس کی سیاست بھی اسلام کے لیے سخت نقصان دہ بلکہ ہلاکت انگیز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے کلی طور پر احتراز کرنا چاہیئے۔ حالی مرحوم نے ٹھیک کہا ہے ؎

وہ قومیں جو ہیں آج "غم خوارِ انساں"　　درندوں کی اور ان کی طینت ہے یکساں
جہاں "عدل" کے آج جاری ہیں فرماں　　بہت دور پہنچا ہے واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو "گلہ باں" ہیں ہمارے　　وہ ہیں بھیڑیئے آدمی خور سارے

افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان اپنے مغربی اعدار کی دسیسہ کاریوں اور ان کی دشمنِ دین کاروائیاں دیکھتے ہیں مگر عبرت پکڑنے کی بجائے پھر بھی مغربی تہذیب اور مغربی سیاست پر لٹو ہوئے جاتے ہیں۔ وہ امریکہ و برطانیہ کو اپنی مذہبی و قومی ناؤ کا ناخدا سمجھتے ہیں اور "کامن ویلتھ" سے چمٹے رہنا معیارِ ترقی جانتے ہیں ؎

"باغباں" نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

متحدہ ہند کی سیاست

عام ملکی سیاسیات میں آپ اسی حد تک حصہ لیتے جس قدر وہ مسلمانوں کے لیے مفید و نفع بخش ہوتیں۔ اپنے اخبار میں "ملکی مطلع" کے زیرِ عنوان آپ اپنی آراء و افکار کا اظہار فرماتے رہتے۔ مجمل مگر جامع تنقید لکھتے اور ہندوستانی مسلمانوں کو مشورے دینے کے علاوہ عام اہل ہند کو بھی معتدل روش اختیار کرنے

اور حصول آزادی کی تگ و دو میں اعتدال پسند رہنے اور امن و سکون کا دامن پکڑنے کی ہدایت فرماتے۔ آپ نے ہندوستانیوں کے اس جوش و غضب کو سرد کرنے میں اکثر اوقات حصہ لیا۔ جو انگریز اور اس کی دفتری حکومت کے خلاف پیدا ہو چکا تھا۔

مولانا مرحوم آزادیٔ وطن کے بہت حامی و طلبگار تھے، لیکن آپ ناجائز تشدد اور ناروا غیظ و حشم کو پسند نہ کرتے تھے، یونائیٹڈ انڈیا کی سیاسیات میں آپ مسلمانوں کی شمولیت اسی قدر ضروری خیال کرتے تھے، جو ان کی دینی و ملی مفاد کی سرمایہ دار ہو۔ ان کے مذہبی امور میں روڑے نہ اٹکائے اور قوم کو زک نہ پہنچائے۔

سیاسیاتِ اسلامی ہند

"پالیٹکس آف مسلم انڈیا" سے متعلق ہندوستان میں مختلف الخیال اسلامی جرائد اور مسلمان لیڈر تھے، جو اسلامیان ہند کو حب وطن کا درس دیتے۔ آزادی ملک کے حصول کے لیے ان کے جذبات کو ابھارتے اور ان میں لبرٹی کی سپرٹ پیدا کرتے تھے، لیکن ان میں سے بہت سوں کا رویہ اسلامی نظریات کے خلاف تھا اور بعض مسلم اخبارات اور مسلم راہنما، تو سیاسی امور میں مذہبی احکام و آئین کو بھی نظر انداز کر دیتے تھے۔ مگر مولانائے محترم نے ہر آن اور ہر گام مسلمانانِ ہند کو سیاسیات اسلام کا سبق دیا، اپنے دین کی حفاظت اپنی قوم کی مضبوطی اور اپنے حقوق کی نگرانی کی تلقین کی، اور فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمان جبھی زندہ اور سربلند رہ سکتے ہیں کہ وہ من حیث الجماعۃ منظم و متحد ہو کر آنے والے مصائب کے لیے تیار رہیں، کفار کے جھانسے میں نہ آئیں، اور اپنے تئیں

ایسے سانچے میں ڈھالیں کہ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک اور ہر حصے میں ان کی عزت و عظمت، شوکت و حشمت قائم ہو اور ان کی بہترین اسلامی سیاست کے آگے دشمنان دین بھی گھٹنے ٹیک دیں۔

درحقیقت مولانا نے مسلمانانِ ہند کو سیاست اسلامیہ کا درس دے کر اس بھولی بسری حریتِ اسلام کو زندہ کیا، جس کو مرزائیت نے یہ کہہ کر مردہ بنادیا تھا کہ "اب مسلمانوں پر جہاد مطلق حرام ہے"

آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کی ان کو پھر رغبت دلائی اور حب وطن کے صحیح معنی بتلائے۔

جماعت اہلحدیث کو سیاسی ترغیبات

تحریک حریت ۱۸۵۷ء کے بعد جب اکابر اسلام خصوصاً علمائے اہلحدیث پر "بغاوت" کا بہانہ کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے "جرم" میں مقدمے چلائے گئے، اور اکثر عالموں نے ظالم برطانوی حکومت کے حکم سے تختہ دار پر شہادت پائی تو اس کا انجام یہ ہوا کہ مدت تک مسلمانان ہند پر جمود و تغافل طاری رہا۔ وہ مذہبی فرائض میں سہل انگاری برتنے کے علاوہ وہ سیاسی بحران میں بھی مبتلا ہو گئے اور وہ مجاہدانہ قوت، وہ سپاہیانہ طاقت جو اسلام نے ان کو فطری طور پر ودیعت فرمائی تھی کچھ حکومت کے خوف سے کچھ تکاہل و تساہل سے یکسر کھو بیٹھے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے اس سیاسی تعطل میں جماعت اہلحدیث خصوصیت سے بدنام ہوئی، اور اس پر الزام یہ دھر گیا کہ اگرچہ انڈیا کی برٹش گورنمنٹ نے ملک سے "وہابی تحریک" کا خاتمہ کر دیا اور اس ایجی ٹیشن کے بانیوں، محرکوں اور

مؤیدوں کو دار ورسن کے حوالے کر دیا ہے، اس لیے اب یہ مسلمانوں کی سیاسی تحریکات میں حصہ نہیں لیتی۔ کچھ عرصہ تو جماعت نے یہ بہتانات سکوت و خاموشی سے برداشت کیے اور اس وقت کے علما ر اکابر جماعت نے بھی ان کا عملی طور پر جواب نہ دیا۔ لیکن جب حضرت مولانا ابوالوفاؒ تحریر و تقریر کے میدان میں کودے تو آپ نے علاوہ دیگر مذہبی و ملّی فرائض کی ادائیگی کے ایک بہت بڑا کام یہ بھی کیا کہ جماعت موحدین کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو عموماً جائز سیاسی تحریکوں میں شریک ہونے اور اسلامیانِ ہند کو انگریز کے چنگل سے آزاد کرانے کی ترغیب دی۔ اور نہ صرف دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کیا بلکہ خود بھی عملی قدم اٹھایا، ملک میں حصول آزادی کے لیے جو تحریک چلتی، آپ گہرے مطالعہ کے بعد اگر اسے اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے تو اس میں خود بھی شرکت فرماتے اور دوسروں کو بھی شریک ہونے کی دعوت دیتے۔ چنانچہ مجاہدین سرحد کی امداد و اعانت میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، امیر المجاہدین مولانا فضلِ الٰہی[۱] مرحوم وزیر آبادی کی اور ان کے ساتھیوں کی پوری مدد کرتے

---

[۱] آپ ۲۷ رمضان ۱۲۹۹ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے اور ۲۸ رجب ۱۳۷۰ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ شاہ شہید کی تحریک جہاد میں شروع ہی سے دلچسپی رکھتے تھے اسی سلسلہ میں ۵ سال قید ہوئے پھر ۱۹۰۸ء سے وطن چھوڑ کر مجاہدین میں جا ملے اور ۲۸ سال وہیں چمر قند یاغستان میں گزارے اور امیر المجاہدین کا خطاب پایا۔ ۱۹۴۰ء میں خفیہ طور پر ہندوستان آئے اور ۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے بعد محاذِ کشمیر پر گئے اور جہادِ کشمیر میں حصہ لیتے رہے بالآخر جب بیمار ہو گئے تو واپس وزیر آباد آ گئے۔ یہیں انتقال فرمایا اور ان کی وصیت کے مطابق بالا کوٹ میں شاہ شہید کے پاس دفن کیا گیا۔ آپ کے صاحبزادہ محمد سلیمان صالح نوجوان ہیں جو ان کی یادگار ہیں۔ نوٹ: مولانا فضل الٰہی (باقی صفحہ آئندہ)

رہے۔ مولینا عبیداللہ[۱] سندھی کی تحریک اور ان کی ذات سے آپ کو خاص لگاؤ رہا، اور آپ کے اسی میلان نے مسلم اور غیر مسلم سیاسیین پر ثابت کر دیا تھا، کہ جماعت اہلحدیث سیاسی تحریکات سے بے بہرہ و غافل نہیں ہے، بلکہ وطن کو آزاد کرتے ہیں ملکی

کی سوانحیات از مولانا خالد گھرجاکھی چھپ چکی ہے۔ مفصل کتاب ہے۔ جس میں بہت سی نادر باتیں جمع کر دی گئی ہیں آپ کے بیٹے محمد سلیمان آپ کے بعد امیر المجاہدین تھے وہ بھی فوت ہو چکے ہیں اب اسی تحریک مجاہدین کے امیر غازی عبدالکریم ہیں بیحد بزرگ، نیک سیرت اور سادہ مزاج ہیں۔ آپ نے مختلف معرکوں میں کافی کام کیا۔ (فاروقی)

حاشیہ صفحہ ھذا [۱] آپ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں اپنے ماموں کے ہاں ہوئی جو ملازمت کے سلسلہ میں وہاں مقیم تھا ابھی سکول ہی میں تعلیم پا رہے تھے کہ مولانا عبیداللہ نومسلم پائیل کی کتاب "تحفۃ الهند" پڑھی اور اسلام کا رنگ چڑھ گیا ماموں کے ہاں سے بھاگ گئے تو سندھ میں جا دم لیا اور ایک پیر طریقت (یعنی پیر رشداللہ صاحب گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ جہاں آپ نے ایک مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد بھی رکھی) کے ہاں قیام اختیار فرمایا، انہوں نے بیٹوں کی طرح پالا پوسا اور تعلیم کے لیے دیوبند بھیجا وہاں کافی عرصہ قیام رہا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کے ہم سبق رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سے بہت محبت تھی۔ حضرت شیخ الہند کا سیاسی رنگ چڑھا تو انہی کے ارشاد پر کابل کی طرف ہجرت کی، انگریز نے مجرم گردانا تو وہاں سے روس نکل گئے اور بیس برس تک مغربی ممالک میں پھرتے رہے۔ عرصہ دراز تک حجاز میں رہے بالآخر کانگرس کے مطالبہ پر انگریز نے وطن واپسی کی اجازت دے دی تو ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو واپس آئے آپ حضرت مولینا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کے چچا اور خسر بھی تھے۔ لاہور میں انہی کے ہاں قیام رہا قرآن دانی اور سیاست فہمی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور ریاست بہاولپور میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

لیڈروں کے دوش بدوش کام کرتی ہے۔ البتہ وہ اسلامیان ہند کے حقوق و مفاد کی نگرانی مقدم سمجھتی اور بلحاظ آبادی ان کو وہ درجہ و مرتبہ دلانا چاہتی ہے جو ان کی عزت و آبرو پر حرف نہ آنے دے۔ جس سے ان کی محکومی و غلامی زائل ہو اور وہ حاکم قوم کی حیثیت سے آزادی کا سانس لے سکے۔ غور و تفحّص سے سوچا جائے، تو حضرت مولانا کا یہ زریں کارنامہ محض جماعت اہلحدیث ہی پر احسان نہیں، عام مسلمان بھی اس کے لیے آپ کے مرہون منت ہیں، کہ آپ نے درحقیقت اسلامی ہند کے سیاسی جمود و تعطّل کو زائل کر کے وہ شاہراہ قائم کردی، جس پر گامزن ہو کر مسلمانوں نے اتنی ترقی پائی کہ آج وہ پاکستان ایسی عظیم اسلامی سٹیٹ کے مالک ہیں۔

جمعیّت علمائے ہند

آج بھارت میں مسلمانوں کی جو سیاسی جماعت "جمعیت علمائے ہند" کے نام سے کام کر رہی ہے۔ اور مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمان ایسے مسلّمہ سیّاس جس کے سیاہ و سفید کے مالک بنے بیٹھے ہیں، معلوم ہے، اس کی اساس کس نے رکھی؟ اور اس کے قیام کا محرّک سب سے پہلے کون ہوا تھا؟ نہیں معلوم تو سن لیجیے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم ہی اس جمعیتہ کے بانی و محرّک تھے۔ آپ ہی نے علمائے ہند میں اس کے قیام کی تحریک کی۔ اور انہیں اسلامی سیاسیات کے تحفظ و تقویت پر ابھارا۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے اپنے اخبار "اہلحدیث" کی اشاعت مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء میں خود اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ بعد میں بوجوہات چند در چند آپ نے جمعیت سے علیحدگی

اختیار کر لی۔ اور جب دیکھا کہ جمعیت میں اور کانگرس میں کوئی فرق نہیں رہا اور جمعیت بالکل کانگریس کے رنگ میں رنگی گئی۔ اور اسلامیان ہند کے ان حقوق و مفاد کو نظر انداز کرنے لگی ہے جن کی حفاظت کے لیے وہ قائم کی گئی تھی، تو آپ نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر اس سے کسی کو بھی انکار نہیں، کہ جن اغراض و مقاصد کے لیے مولانا ابوالوفا نے اس کی بنیاد رکھی تھی، وہ بہت اہم و پاکیزہ تھے، اور قال اللہ و قال الرسول کے عین مطابق تھے۔ چونکہ مولانا اس اسلامی عقیدے پر راسخ تھے، کہ سیاست کوئی مذہب سے الگ چیز نہیں، اس لیے آپ جمعیت علمار کو اس ڈھب پر لانا چاہتے تھے، جس ڈھب پر خلفائے راشدینؓ نے اسلامی سیاسیات کو قائم و مرتب کیا اور اقصائے عالم میں حکومتِ اسلامیہ کا پرچم لہرایا۔

ان حالات سے صاف ظاہر ہے، کہ مولانا مغفور مسلمانوں میں جہاں توحید و سنت کی تبلیغ فرماتے اور ان کا مذہبی جمود دور کرنے میں مصروف رہتے تھے، وہاں وہ ان کی سیاست کو بلند کرنے اور دینی ترقی کے ساتھ ان کے سیاسی عروج کو دیکھنے کے بھی آرزومند تھے۔ اور اسی لیے وہ حالات کے مطابق سیاسیات میں بھی ان کی ترجمانی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تقاریر کے علاوہ اخبار "اہلحدیث" کے پرچے آپ کی مساعی جمیلہ پر شاہد ہیں۔ اور وہ اصحاب بھی شاہد ہیں جنھوں نے آپ کو سیاسی تحریکات میں شامل ہوتے دیکھا ہے۔

کانگریس میں شمولیت

ابتداءً مولینا ابوالوفا مرحوم اُس وقت کی سب سے بڑی سیاسی جماعت "آل انڈیا نیشنل کانگرس" میں حصولِ آزادیٔ وطن کی غرض سے شامل تھے اور کئی سال ملک اور اہل ملک کی سیاسی خدمات بجالاتے رہے، اس زمانے میں چونکہ

اکثر مسلم اکابرین و علمائے اسلام کانگرس میں شریک ہو چکے تھے، اس لیے مولانا نے بھی مناسب سمجھا کہ وطن کی اس عظیم پولیٹیکل پارٹی میں شمولیت اختیار کرکے مسلمانوں کی نمائندگی اوران کے مذہبی، قومی اور وطنی حقوق کی نگہداشت کی جائے، تاکہ جب کبھی یہ پارٹی حاکمانہ طور پر برسر اقتدار آئے، تو آبادی کے لحاظ سے مسلمان بھی اچھی نشستیں حاصل کرسکیں۔

ممکن ہے یہاں سوال پیدا ہو جائے کہ ثناء اللہ ایسا مذہبی آدمی اس جماعت میں کیوں شامل ہوا جس میں کفار کا غلبہ تھا؟ اور کفار بھی وہ، جن کے منہ میں "رام رام" کا میٹھا نام تھا، اور بغل میں زہر آلود چھریاں مسلمانوں کو ذبح کرنے کے لیے چھپا کر رکھی ہوئی تھیں، اس کے جواب میں اس وقت کے حالات ہی کو پیش کیا جاسکتا ہے، کہ ہندوستان کی غالب اکثریت مسلمانوں کو کسی نہ کسی بہانے سے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اوران کے سیاسی جمود سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی۔ چونکہ ملک میں کانگرس ہی ایک بڑی سیاسی جماعت تھی اس لیے با دلِ نخواستہ اور طوعاً و کرہاً مسلمانوں کو اسی میں شامل ہونا پڑا۔ اگر مولانا اور اس قسم کے دوسرے علمائے اسلام کانگرس میں شریک نہ ہوتے، تو آزادی پانے کے بعد مسلمانوں کو کچھ بھی نہ ملتا، اور ملنا تو رہا ایک طرف، کانگرس کا غالب عنصر اُن کے ایک ایک بچے کو ہلاک کردیتا۔ جیسا کہ تقسیم برعظیم کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں پہ ظلم توڑے گئے ہیں۔

یہ علماء کے شمول کانگرس اور جدوجہد آزادی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان ۳۳ لاکھ مربع میل پر حکمران ہیں، اور جو بھارت میں رہ گئے ہیں، وہ بھی جمعیت علماء ہی کی طفیل کچھ آزادی کی سانس لے رہے ہیں، اگرچہ یہ آزادی ہمیں بہت مہنگی پڑی ہے اور ایک کروڑ برادرانِ ملت کو خدا کی راہ میں قربان کرکے، ان بیگناہو

کا پاک لہو بہا کر، ان کے معصوم خون سے جنت آزادی کے معطر پھول کھلائے ہیں۔ مگر یہ قربانی کوئی نئی چیز نہیں، ازل سے ہوتی چلی آئی ہے، ابد تک ہوتی چلی جائے گی آزادی چونکہ اسلام کا پیدائشی حق ہے اس لیے غلاموں کو حریت کامل کی نوید سنا کر انہیں تخت شاہی بخشنے والا دین کبھی اپنے پیروؤں سے قربانی بھی طلب کرتا ہے جسے مردان احرار بخوشی و بخندہ پیشانی قبول کرتے ہیں سے

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

مولانا کانگرس میں شامل ہو کر دوسرے کانگرسی مسلمانوں کی طرح اس کی کھینچی ہوئی لکیر کو نہیں پیٹتے تھے، بلکہ آپ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" پر عامل تھے۔ اگر کوئی بات مسلمانوں کے خلاف پاتے، تو اس پر اعتراض کرتے، اخبار میں اس پر کڑی تنقید لکھتے، نکتہ چینی کرتے اس کے عیوب ظاہر فرماتے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول مبارک زیر نگاہ رکھتے کہ " اذا احسن الناس فاحسن معھم و اذا اساؤا فاجتنب اساءتھم (بخاری) یعنی جب کوئی اچھا کام کرے تو اس کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو۔ اور جب کسی کو برا کام کرتے دیکھو، تو اس سے باز آجاؤ سے

شریعت جہاں تم کو روکے، رکو تم
جھکائے جہاں سر تمہارا جھکو تم

ایک دفعہ سٹی کانگرس کمیٹی کی صدارت کا عہدہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"برادرانِ وطن! آپ مجھے ضلع کانگرس کا صدر بنا کر عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور میری پریذیڈنٹی سے یہ ثابت کرنا چاہتے

ہیں کہ ہم نے جس سیاسی جماعت کی صدارت ایک مسلمان کو سونپ دی ہے، وہ مسلم حقوق و مفاد کی ترجمان و نگران ہے، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے، میں دیگر بزرگان ملت کی طرح آپ کے پھانسے میں نہیں آسکتا۔"

آپ کے اسی ایک مختصر سے بیان سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کس مقصد اور کس غرض سے کانگرس میں شامل ہوئے تھے۔ آپ ہندو راہنماؤں یا کانگرس کی تقلید میں محض سیاسیاتِ وطن کو مذہب کا جزو اعظم نہیں سمجھتے تھے یہ "اور بکری کے دودھ" یا "کھدر کی لنگوٹی" میں مسلمانوں کی آزادی تلاش نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ کا مطمح نظر بہت بلند تھا۔ آپ شاہین اسلام کے ذریعے عصفورِ غلامی کو شکار کرنا چاہتے تھے۔ اور جب تک مسلمانوں کو آزادانہ حقوق خود اختیاری حاصل نہ ہوں آپ تحریکِ آزادیٔ وطن کو اس وقت تک عبث سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا عدم تشدد کے تو کسی قدر حامی تھے، لیکن عدم تعاون کو اچھا نہ سمجھتے تھے اور کانگرس کے جو لوگ جوش میں آکر انقلابی پارٹیوں کی تشکیل کرتے اور تشدد کے ذریعے ملک کو آزاد کرانا چاہتے تھے، آپ ہمیشہ ان کے خلاف رہے اور بابائے ملت مسٹر محمد علی جناح[1] کی طرح امن و سلامتی اور تعاون میں آزادیٔ مسلم کی

---

[1] آپ ۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کھارادر کراچی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کراچی میں پائی پھر انگلستان چلے گئے اور ۱۶ سال کی عمر میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔ فطرۃً نہایت ذہین اور فہیم واقع ہوئے تھے۔ بمبئی جا کر پریکٹس شروع کی تو دنوں میں مشہور ہو گئے، اور دولت آپ کے پاؤں چومنے لگی سن ۱۹۰۶ء سے کانگریس میں شریک ہو کر سیاسی دلچسپی لینے لگے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کی ممبری قبول کی اور دونوں جماعتوں میں کام کرتے رہے سن ۱۹۳۰ء میں انگلستان گئے چار سال بعد واپس آئے

(باقی صفحہ آئندہ)

جستجو فرماتے اور لیلائے مقصود کو پلٹتے رہے۔

مولانا اکثر کانگرسی جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہوتے اور ان میں تقریریں کرتے تھے، کانگرس کے بعض لیڈروں سے آپ تبادلہ خیالات بھی کرتے، ان کی زاویں پر نکتہ چیں ہوتے اور "اہلحدیث" میں رہنمایان کانگرس کے خیالات اور نظریات پر تنقیدی مضمون لکھتے تھے۔

سی ۔ آئی ۔ ڈی کی نگرانی

حضرت مولانا گو نہایت محتاط و حازم تھے، کانگرس اور اس کی تحریک آزادی سے متعلق کچھ لکھتے یا بولتے تو بڑے حزم و احتیاط سے، مگر اس کے باوجود ایک مرتبہ خفیہ پولیس آپ کے پیچھے پڑ گئی، آپ کی تقریریں سرکاری طور پر نوٹ ہونے لگیں۔ اہلحدیث کے سیاسی مضامین پریس برانچ اور محکمہ احتساب میں بغور پڑھے اور ان کے تراشے مرکز میں بھجوائے جانے لگے۔ آپ تقریر کے لیے جہاں تشریف لے جاتے، تو سی۔آئی۔ڈی آپ کے ساتھ ہوتی۔ اور گورنمنٹ برطانیہ دوسرے کانگرسی زعما کی طرح آپ کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ بلکہ ایک بار تو سرکاری عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ بھی رجسٹرڈ ہو گیا۔ حکومت کو چونکہ

تو ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کی نئی تنظیم کی ۱۹۴۰ء میں لاہور کے جلسہ پر پاکستان کی تجویز پاس ہوئی۔ اور اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا۔ آپ قوم کے خوجہ اور مذہباً آغاخانی تھے ۱۹۱۸ء میں ایک پارسی عورت رتن بائی پٹیٹ سے شادی کی ۱۹۲۹ء میں اس کا انتقال ہو گیا کوئی اولاد نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے بعد پھر آپ نے شادی کی۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔

آپ کے "باغی" ہونے کا پورا ثبوت نہ مل سکا، اس لیے آپ قید و بند کے مصائب سے بچ گئے، اور باعزت طور پر اس مصیبت سے مخلصی پائی۔

کانگرس سے بیزاری وعلیحدگی

مولانا ابوالوفا چونکہ کانگرس میں مسلم حقوق کے تحفظ کے لیے شامل ہوئے تھے اور اسی لیے آپ نے "ہندو مسلم اتحاد" کو بھی قبول کر لیا تھا، حالانکہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کا ملی بھگت کو آپ مذہبی نکتہ نگاہ سے مستحسن نہ سمجھتے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ کانگرس میں ہندو عنصر کی عصبیت غالب ہے، جو مسلم حقوق کا خون کرتی ہے، اور وہ ملک کی غالب اقلیت کو صفر کے برابر حق آزادی نہیں دینا چاہتی، بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود ہی کو نہیں دیکھ سکتی، اور اس کی جدوجہد آزادی کا تمام تر نظریہ و فلسفہ یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ملک میں ہندو راج یا رام راج قائم کیا جائے، تو ان پر خطر حالات کو دیکھ کر آپ اس سے بیزار و متنفر ہو گئے۔

اس نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کانگرس نے اپنے اجلاس میں مسلمانوں کو حقوق دینے اور ان کا وقار و اقتدار تسلیم کرنے سے صاف اور مبرہن الفاظ میں انکار کر دیا تھا، ادھر مسٹر جواہر لال نہرو کے والد پنڈت موتی لال نہرو نے "نہرو رپورٹ" مرتب کر کے شائع کر دی، اور اس میں مسلمانوں کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

بھلا ان اسباب کی موجودگی میں ابوالوفا ر ایسا خادم اسلام، مبلغ دین، ناشر حق و صداقت کب ایسی جماعت میں شامل رہ سکتا تھا؛ جو مسلمانوں اور ان کی آرزوؤں کا خون کرنے پر تُلی بیٹھی تھی۔

مسلم لیگ میں شمولیت

پس انہی وجوہ وعلل کی بنا پر حضرت مولانا کانگرس سے الگ ہو کر آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور تا دم واپسیں شامل رہے۔

مسلم لیگ ابتدا میں ایک نیم کانگرسی جماعت تھی، جس کا نہ تو کوئی وقار تھا نہ اسے نمائندگی حاصل تھی۔ اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو ایسا کٹر کانگرسی اس کا پریذیڈنٹ تھا۔ لیکن جب مسلمان، ہندو کانگرس کی ماریں کھا کھا کر بیدار ہوئے انہی اپنی کمتری اور پستی کا احساس ہوا، تو انہوں نے اپنی اس قومی جماعت کی تنظیم و انضباط کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ محمد علی جناحؒ نے اس کی عنانِ صدارت اپنے ہاتھ میں لی، اور انہی کی قیادت میں مسلمان اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ مولانا مرحوم بھی اُسی زمانے میں مسلم لیگ کے ممبر تھے جب اس کی باگ ڈور جناح مرحوم نے تھام لی تھی۔

حضرت مولانا تحریر و تقریر کے ذریعے مسلم لیگ کو مفید اور نفع بخش مشورے دیتے رہے۔ آپ نے ایک عملی قدم بھی اٹھایا، اور وہ یہ کہ کلکتہ میں جماعت اہلحدیث نے حضرت مولینا ابو تیمیم محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی صدارت میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا۔ جس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ جماعت اہلحدیث باتفاق رائے مسلم لیگ سے ملحق ہو گئی ہے، اور لیگ کی شمولیت میں نہ صرف اپنا جماعتی مفاد سمجھتی ہے، بلکہ تمام اسلامیان ہند کے لیے اسی کو واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرتی ہے۔ آپ کے اس اعلان سے جماعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور وہ خود کو پہلے سے کئی گنا زیادہ مضبوط و منظم سمجھنے لگی۔ چنانچہ مولانا مسلم لیگی جلسوں میں بکثرت تقریریں کرتے۔ اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا درس دینے لگ گئے

آپ ہر لیگی جلسہ میں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا کی تفسیر بیان کرتے اور اہل اسلام کو کفار کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ فرماتے تھے۔

مصوّرِ پاکستان کی حمایت

جب علامہ اقبال[1] مرحوم نے ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومی وبیکسی دیکھ کر ان کے سامنے ایک علیحدہ اسلامی اسٹیٹ کا تصور پیش کیا، اور ان کو بتایا کہ جس طرح ان کا دین عالمگیر ہے، اسی طرح ان کی اخوت بھی تمام کائنات میں وسعت پذیر ہے اور جس طرح اُن کا خدا ایک، ان کا رسول ایک، ان کا کلمہ ایک، ان کا کعبہ ایک، اور ان کا قرآن ایک ہے اسی طرح ان کی قومیت بھی ایک ہے، وہ چاہے دنیا کے کسی مقام پر ہوں وہ مِنْ حَیْثُ الْمَجْمُوْع ایک اور فقط ایک قوم ہیں، لہٰذا کانگریس کی یہ مثال قطعی غلط ہے، کہ ہندو اور مسلمان ہندوستان میں متحدہ قومیت کے سرمایہ دار ہیں۔ تو مفکّرِ اسلامؒ کے اس نظریہ سے

---

[1] آپ کے آباؤ اجداد کشمیر سے آئے تھے اس لیے کشمیری کہلاتے تھے باپ کا نام نور محمد اور مسکن سیالکوٹ تھا ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں پائی علامہ میر حسن کی شاگردی نے چمکا دیا ۱۸۹۹ء میں ایم اے پاس کیا پھر یورپ گئے ۱۹۰۸ء میں کئی ڈگریاں لے کر واپس آئے مگر آپ کی شہرت کا باعث یہ ڈگریاں نہیں بلکہ شاعری ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی شاعری میں آپ اوّل نمبر رہے۔ پاکستان کا تخیل بھی آپ ہی کو سُوجھا اور آپ نے الٰہ آباد لیگ سن ۱۹۳۰ء کے اجلاس میں اسے پیش کیا آپ چوٹی کے فلاسفر تھے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا اور شاہی مسجد کے زیر سایہ آرام فرما ہیں۔ آپ کی بہت سی کتابیں آپ کی زندہ یادگار ہیں۔ جو مقبول خاص وعام ہیں۔

حضرت مولانا نے بکلی صاد کیا، اور جب علامہ مغفور نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں "خطبہ صدارت" کی صورت میں اپنے تصور و تخیل کی وضاحت کی اور کہا کہ :-

"ہندوستان ایک چھوٹا سا برِ اعظم ہے جس میں مختلف گروہ آباد ہیں، جو الگ الگ قوموں سے تعلق رکھتے اور جدا جدا زبانیں بولتے ہیں۔ ان کے مذاہب بھی جداگانہ ہیں اور ان کا طرزِ معاشرت بھی ایک نہیں۔ لہٰذا ان کے اندر ایک متحدہ قومیت کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ ہندو بھی متجانس اجزا کا مجموعہ نہیں۔ یورپی جمہوریت کا اصول ہندوستانی حالات میں آزمانے کے لیے ہمیں مختلف فرقوں اور گروہوں کی جداگانہ ہستی تسلیم کرنا پڑے گی۔ ہم مسلمان چونکہ ایک قومیت کے حامل ہیں، اس لیے ہندوستانی متحدہ قومیت کا خواب اسی صورت میں شرمندۂ تعبیر ہو گا کہ ہم تمام قوموں کو جداگانہ حقِ زیست دیں اور ان میں باہمی تعاون و ہم آہنگی پیدا کریں۔ جملہ اقوام کی انفرادیت مٹا دینے سے یہ مقصد پورا نہ ہو گا۔ ہمارے لیے بہترین راہ عمل یہ ہے کہ حقائق کو ان کی اصلی شکل میں ظاہر کریں اور کوئی ایسی صورت فرض نہ کریں جس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو" (علامہ اقبالؒ)

پس مولانا ابو الوفاؒ نے اسلامی سٹیٹ کے اس تصوّر کی واضح الفاظ میں حمایت کی اپنے اخبار میں اس پر مضمون لکھے، تقریروں میں اپنی حمایت کا اظہار کیا اور جماعت اہل حدیث و دیگر مسلمانوں کو اس سے متفق ہونے اور اس کا حامی بننے کی دعوت دی۔

معمارِ پاکستان سے موافقت

اسی طرح جب بابائے قوم محمد علی جناح نے تصوّرِ اقبال کو اصلی صورت میں ظاہر کرنا چاہا۔ اور گاندھی و نہرو کے نظریۂ قومیّت سے شدید اختلاف کرتے ہوئے کہا :

"مسلمان چونکہ مجموعی حیثیت میں ایک قوم ہیں۔ اور دوسری اقوام سے ان کا طرزِ معاشرت، طرزِ تکلّم، تہذیب و تمدّن جداگانہ ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک علیحدہ مذہب رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ ہندوستان میں "متحدہ قومیّت" کی حیثیت میں نہ تو آزادی کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ اپنے حقوق کو محفوظ پاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے لیے ایک علیحدہ حکومت اور علیحدہ مملکت قائم کرنے کے طلبگار ہیں اور اس سے کم وہ ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں"

مولینا مرحوم اس بیان سے بے حد مسرور ہوئے محمد علی جناحؒ کے ایک ایک حرف سے اتفاق کیا اور پاکستان کے قیام کا بے تابی سے انتظار فرمانے لگے۔ تاآنکہ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں مسلم لیگ نے اپنی قرارداد کے ذریعے ان الفاظ میں منشورِ آزادی کا اعلان کیا کہ:-

"انتہائی غور و فکر کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ کوئی آئینی خاکہ مسلمانوں کے لیے اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا یا اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کی تشکیل میں حسبِ ذیل بنیادی اصولوں کو مدِنظر نہ رکھا جائے۔

۱۔ وہ جغرافیائی علاقے جہاں ایک ہی قسم کی آبادی ہو، بڑے

منطقوں میں تقسیم کر دیئے جائیں - اور حسب ضرورت ان کی حد بندی میں تبدیلی عمل میں لائی جائے -

۲ - جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً : ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی علاقے ان کو ملا کر ایک آزاد حکومت قائم کی جائے اور اس وفاق میں ہر صوبہ کو اندرونی معاملات میں آزادی ہو -

۳ - اقلیتوں کی حفاظت و بقا کے لیے آئین میں ضروری مؤثر اور قانونی تحفظات ہوں اور ان کے مذہبی، تمدنی، معاشی، سیاسی اور دیگر حقوق و مفادات کا معاملہ ان کی رضامندی کے بغیر طے نہ کیا جائے -

۴ - ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، ان کے مذہبی، تمدنی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور دیگر حقوق و مفاد کے معاملات ان کے حسب مرضی طے کرنے کے لیے آئین میں ضروری مؤثر اور قانونی تحفظات رکھے جائیں -

آزادی و حریت کا یہ اسلامی اعلان بھلا ابو الوفا ایسے فدائے مذہب کو بادۂ مسرت سے کیوں سرشار نہ کرتا؟ آپ نے یہ اعلان سنا اور قیام پاکستان کے منصوبے کی خبر آپ کے کانوں میں پہنچی، تو فرطِ انبساط میں جھوم اٹھے اور جب تک پاکستان بن نہ گیا، آپ مسلم لیگ میں شامل رہ کر اسلام، اہل اسلام اور ان کی اسلامی سیاسیات کی ٹھوس خدمات سرانجام دیتے رہے - آپ نے تحریری و تقریری طور پر مسلمانوں کو منظم و متحد ہونے مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے پیش کردہ نظریات کو جامہ عمل پہنانے اور علیحدہ مسلم سٹیٹ قائم کرنے کے لیے ابھارا -

قیام پاکستان پر مفید مشورے

آخر زعمائے ملت کی مساعی حسنہ بار آور ہوئیں۔ وہ سہانا خواب جو مفکر اسلامؒ نے دیکھا تھا، شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور قائدِ اعظمؒ نے کفار ہند پر فتح عظیم پاکر دنیا کی وہ سب سے بڑی اسلامی سلطنت قائم کر لی، جسے آج پاکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

قیام پاکستان پر حضرت مولانا بہت خوش ہوئے، پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کے اولین یوم آزادی پر حسب بابائے ملت نے ان تاریخی الفاظ میں ڈیڑھ سو سال کے غلام مسلمانوں کو پیغام حریت دیا کہ:

"آج — پندرہ اگست ۱۹۴۷ء — آزاد اور خود مختار پاکستان کا یوم پیدائش ہے۔ یہ روز سعید ملت اسلامیہ کے نصب العین کی تکمیل کا دن ہے اس ملت کے نصب العین کی تکمیل کا دن، جس نے ایک آزاد وطن کی خاطر گذشتہ کئی سال کے اندر بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں — ہمارا مقصد اندرون ملک اور بیرون ملک میں امن قائم رکھنا ہے، ہم پرامن رہنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ اپنے ہمسایوں سے اور ان سے آگے چل کر تمام دنیا سے دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات قائم رکھیں، کسی کے خلاف بھی ہمارے منصوبے جارحانہ نہیں ہیں، ہم اقوام متحدہ کے منشور کے پابند ہیں اور ہم دنیا میں قیام امن اور عام خوشحالی کے لیے بطیب خاطر پورا پورا حصہ لیں گے۔"

(آزاد پاکستان میں محمد علی جناحؒ کی پہلی تقریر)

تو مولانا ابوالوفا رسجدۂ شکر بجا لائے، اپنی اسلامی مملکت کے تحفظ و بقا استقامت و استقرار کے لیے دستِ دُعا بلند کیے۔

امرتسر میں تقسیم ہند سے پیشتر ہی فسادات کی آگ پھیل چکی تھی۔ اور سکھ درندے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے میں مصروف تھے، حضرت مولینا کا اکلوتا صاحبزادہ بھی انہیں فسادات میں شہید ہو گیا۔ آپ کی تمام جائداد لٹ گئی، کتب خانہ جل گیا، اور آپ رنج و جدائی کے یہ داغ لے کر یوم آزادی ہی کے دن پاکستان میں پہنچے۔ مگر ان صدمات کے باوجود آپ قیام پاکستان پر بیحد مسرور تھے، اور حکومت پاکستان کو اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے اور ضعیفی و علالت میں بھی سیاست پاکستان میں کچھ نہ کچھ حصہ لیتے رہتے تھے۔

آپ نے قیام پاکستان سے ۲۲ روز پیشتر اخبار "اہلحدیث" بابت ۲۵ر جولائی ۱۹۴۷ء میں لکھ دیا تھا:

"مسلمان قوم سیاسی لوگوں کے ذریعے سیدھے راستے پر نہیں آسکتی۔"

آپ کی یہ پیشگوئی درست ثابت ہوئی ہے کہ حکومت پاکستان چونکہ سیاسی لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ شرعی و مذہبی احکام و آئین سے بے بہرہ ہیں۔ اس لیے اب تک یہاں اسلامی قانون نافذ نہیں ہو سکا۔

مولانا مرحوم ہجرت کے بعد پاکستان میں صرف سات ماہ زندہ رہ سکے۔ آلام و صدمات نے آپ کا دل زخمی کر دیا تھا، پیرانہ سالی الگ سوہانِ روح تھی لیکن ان مصائب و مشکلات کی موجودگی میں بھی آپ اسلامیان پاکستان کو صحیح اسلامی سیاست کے مطالب و مقاصد بتاتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں سیاست کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان جس ملک میں اپنی حکومت قائم

کریں، وہ گورنمنٹ قوانین اسلام کے ماتحت ہو، شریعت کے دستور العمل پر چلے اور ملک میں اسلامی آئین نافذ کرے۔ چنانچہ آپ نے حکومت کو بھی بارہا مشورہ دیا، کہ اگر وہ اسلام کی بنیادوں پر قائم ہوئی ہے، تو اسے پاکستان میں جلد از جلد شرعی قوانین نافذ کرنے چاہئیں۔

مولانا کے سیاسی حالات کے مطالعہ سے یہ راز بے نقاب ہوگا کہ آپ سیاست کو مذہب کے ماتحت رکھنا چاہتے تھے، اور دوسرے مسلم سیاستدانوں کی طرح دین کو سیاست پر قربان نہیں کرتے تھے۔ آپ سیاست میں حصہ لیتے مگر اس طرح کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کے مقاصد حیات فوت نہ ہوں اور ہر پہلو سے ان کے حقوق و مفاد کی نگہداشت ہو سکے۔

مباحثات و مناظرات

تاریخ کے مطالعہ سے بآسانی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مجاہدین اسلام سید احمد بریلوی ؒ، سید اسمٰعیل شہید ؒ کی تحریک جہاد و حریت کو کچلنے اور ناکام بنانے میں جو جو حربے انگریز نے استعمال کیے تھے ان میں سب سے بڑا حربہ پھوٹ ڈالنے، حنفی وہابی میں تفریق کرنے اور تمام اقوام میں باہمی منافرت اور جھگڑے پیدا کرنے کا حربہ تھا۔ اور یہی وہ حربہ تھا جس کی بنا پر انگریز کامیاب ہوا اور اس کے پاؤں ہندوستان میں مستحکم ہوئے۔ نیز یہی وہ حربہ تھا جس نے مسلمانوں کی توجہ جہاد سے پھیر دی اور حریت و آزادی سے موڑ دی۔ اگرچہ یہ تحریک کچھ عرصہ کے لیے دب گئی، اور نصف صدی تک دبی رہی اور پھر ابھر آئی، مگر اس وقت کو کچھ عرصہ کے لیے انگریز نے آرام کا سانس لے لیا۔

مناظروں کا دور

حنفی وہابی کی جنگ کے علاوہ انگریز نے مسلمانوں کی عنان توجہ پھیرنے کے لیے اپنے دو "خود کاشتہ" پودوں آریوں اور مرزائیوں کو بھی خوب شہ دی۔ ادھر سوامی دیانند جی کو ابھارہ کہ وہ "ستیارتھ پرکاش" لکھ کر تمام مذاہب کو الٹی میٹم دیں۔ ادھر مرزا جی سے کہا کہ وہ آریہ سماج کو چیلنج کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ملک میں مذہبی جنگ اور مناظرات کی فضا پیدا ہوگئی۔ مرزا نے ۱۸۸۶ء میں "سرمہ چشم آریہ" نامی کتاب لکھ کر آریہ سماج میں آگ لگا دی، آریوں نے جگہ بجگہ مسلمانوں کو چیلنج دینے شروع کر دیئے، مناظرے شروع ہو گئے۔ کلکتہ سے لاہور تک کی فضا مناظروں سے گونج اٹھی۔ کلکتہ، لکھنؤ، بریلی، بھوپال، علی گڑھ، دہلی دیوبند، لاہور ہر شہر سے مناظرانہ رنگ میں کتابیں رسالے اور پمفلٹ چھپنے شروع ہو گئے اور اخبارات بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔

۱۸۷۲ء میں عیسائیوں نے بھی لدھیانہ سے سر نکالا اور اخبار "نور افشاں" شائع کر کے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب کہیں عیسائیوں سے مناظرے ہو رہے ہیں کہیں آریوں سے، کہیں ان کے خلاف کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور کہیں ان کے خلاف پمفلٹ شائع ہو رہے ہیں۔

یہ تھی وہ فضا جس میں مولانا ثناء اللہ پروان چڑھے۔ اور جوان ہوئے۔ آپ ابھی تعلیم سے فارغ نہ ہو پائے تھے کہ آپ کی عنان توجہ بھی مناظرات کی طرف پھر گئی۔ اور کیوں نہ پھرتی جبکہ دیوبند یوپی اور پنجاب کے اچھے اچھے عالم اور علی گڑھ کے گریجویٹ بھی، حتیٰ کہ خود سرسید احمد بھی اس فضا سے متاثر ہو کر مناظرات کے تحریری اور تقریری میدان میں اتر چکے تھے۔

آپ کی مناظرانہ سرگرمیاں

قدرت نے مولانا کو طبعاً اور فطرتاً ایسا دماغ دیا تھا، اور حاضر جوابی کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ عوام نہیں خواص بھی یہ کہہ اٹھے تھے کہ آپ گویا مناظرہ ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی آپ نے چو رُخہ لڑائی لڑنا شروع کر دی! اگر ایک وقت میں آریہ سماج سے الجھ رہے ہیں تو دوسرے وقت میں

عیسائیوں سے بحث کر رہے ہیں۔ اگر ایک دن منکرین حدیث اہل قرآن سے بحث ہو رہی ہے، تو دوسرے دن مقلدین سے مناظرہ ٹھن گیا ہے، اگر شیعہ آپ سے لڑ رہے ہیں تو بریلوی بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ غرضیکہ مخالفین کتاب وسنت میں سے کوئی فرقہ نہیں جسے آپ نے چھوڑا ہو اور اس سے مناظرہ نہ کیا ہو۔ دیوسماجی ہوں یا سناتن دھرمی، سکھ ہوں یا جینی، آریہ ہوں یا عیسائی مرزائی ہوں یا بہائی، منکرین حدیث (اہل قرآن) ہوں یا منکرین خدا (دہریہ) شیعہ ہوں یا بریلوی، قادیانی ہوں یا لاہوری، سبھی سے آپ نے یکساں مناظرے کیے۔ اور بفضلہٖ سب ہی پہ غالب رہے۔ آپ کے مناظروں کی تعداد تو ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ کئی مناظرے ایسے ہیں جن کا ہمیں علم ہی نہیں ہو سکا اور بیسیوں نہیں سینکڑوں مناظرے ایسے ہیں جو دیہات میں ہوئے اور کسی اخبار میں بھی نہ آسکے۔

آپ کے مناظروں میں سے چند چیدہ چیدہ مناظروں کا ذکر ہم کر رہے ہیں ورنہ یہ باب اتنا وسیع ہے کہ ایک مستقل کتاب کا محتاج ہے۔

آپ کے مناظروں کی خصوصیات

آپ کے مناظروں میں جو خصوصیات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور جو دیگر مناظرین میں بہت کم پائیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔ آپ فریق ثانی کی کبھی تحقیر یا تذلیل نہ کرتے بلکہ عزت کرتے اور بکشادہ پیشانی آتے۔

۲۔ اعتراض یا جواب میں آپ کے الفاظ ہمیشہ مختصر ہوتے مگر پرمعنی اور پُر مغز ہوتے۔

۳۔ دقیق سے دقیق مضمون کو بھی عام فہم طریق پر بیان کرنے اور شعر و اشعار سے اس میں رنگینی پیدا کرنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

۴۔ حاضر جوابی تو گویا آپ پر ختم تھی، آپ جیسا حاضر جواب کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

۵۔ آپ پر کسی مناظرہ میں کبھی کوئی گھبراہٹ واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ مناظرہ نہایت طمانیت سے ہنس ہنس کر کیا کرتے تھے۔

۶۔ مناظرہ میں آپ کا انداز ہمیشہ عالمانہ رہا، آپ نے عامیانہ انداز کبھی اختیار نہیں فرمایا۔

۷۔ آپ فریق ثانی کو مبحث سے کبھی باہر نہ جانے دیتے۔ اور گھیر گھار کر اصل مبحث پر لے آیا کرتے تھے اور یہ فن مناظرہ کا کمال ہے۔

۸۔ آپ مناظرہ میں اصولِ مناظرہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے، اور دیگر علوم و فنون کی طرح مناظرہ بھی علمِ مناظرہ کے اصول پر کیا کرتے تھے۔

۹۔ شرائط مناظرہ میں آپ نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا۔ اور بار ہا فریق ثانی کی ناجائز سے ناجائز شرائط کو بھی قبول کر لیا۔ کہ کہیں اس بہانہ سے وہ راہِ فرار اختیار نہ کر لے۔

۱۰۔ آپ نے میدان مناظرہ میں کبھی کوئی الزام یا جواب بلا حوالہ یا خلاف حوالہ پیش نہیں کیا، بلکہ جو بات کی ہمیشہ دلائل ہی سے کی۔

یہ ہیں وہ چند خصوصیات جو مولانا کے مناظرہ سے مخصوص تھیں۔ اور آپ کے بعد قریباً قریباً وہ ختم ہو چکی ہیں۔ اس لیے جہاں آپ کو امام المناظرین کہا جاتا ہے، وہاں اگر آپ کو "خاتم المناظرین" بھی کہہ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

یوں تو آپ کی پوری زندگی اسلام اور پیغمبر اسلام ؐ کے تحفظ و دفاع میں گزری اور اس سلسلے میں آپ نے پرایوں اور اپنے غلطی خوردہ بھائیوں سے بیسیوں نہیں سینکڑوں کامیاب مناظرے کئے اور ہمیشہ غالب و فاتح بن کر لوٹے جس کی ایک جھلک "فتوحات اہل حدیث" میں دیکھی جا سکتی ہے ۔۔۔ مگر فی الحال نمونتہً ان مناظروں کا ذکر کرتے ہیں جو زیادہ مشہور ہیں اور ہمیں بآسانی معلوم ہو سکے ہیں۔

آپ کے سب سے زیادہ مناظرے قادیانیوں، ہندوؤں اور ان کے بعد عیسائیوں کے ساتھ ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ نے ضرورت پڑنے پر اہل تشیع، اصحاب دیوبند اور ارباب بریلوی سے بھی مناظرے کئے جن کی تفصیل آپ اگلے صفحات پر پڑھیں گے۔ جن کا مختصر تذکرہ اگر یہاں کر دیا جائے تو غالباً ناموزوں نہ ہوگا ملاحظہ کیجیے:

آپ کے مناظروں کا جدول

نمبر شمار	کہاں مناظرہ ہوا	کس فرقہ کے ساتھ ہوا
۱	مناظرہ نگینہ	آریہ سماج کے ساتھ
۲	" خورجہ	" " " "
۳	" قادیان	مرزا قادیانی " "
۴	" رام پور	قادیانیوں " "
۵	" لدھیانہ	" " "
۶	" امرتسر	۲ قادیانیوں " "
	" "	۳ آریہ سماج " "
تا	" "	۱ منکرین حدیث " "
	" "	۱ ارباب بریلی " "

نمبر شمار	کہاں مناظرہ ہوا؟	کس[۲۱] فرقہ کے ساتھ ہوا
۱۳	مناظرہ امرتسر	۱ اصحاب دیوبند " " "
۱۴	" لاہور	۴ آریہ سماج " " "
	" "	۱ قادیانیوں " " "
تا	" "	۲ عیسائیوں " " "
	" "	۱ اہل تشیع " " "
۲۴	" "	۳ ارباب بریلی " " "
۲۵	" گوجرانوالہ	عیسائیوں " " "
۲۶	" سوہدرہ	احناف " " "
۲۷	" بیری	قادیانیوں " " "
۲۸	" رجادھی	احناف " " "
۲۹	" میرپور	" " " "
۳۰	" منصورپور	شیعہ " " "
۳۱	" واربرٹن	" " " "
۳۲	" تاندلیانوالہ	احناف " " "
۳۳	" پادرہ	بریلویوں " " "
۳۴	" قادرآباد	شیعوں " " "
۳۵	" جبل پور	آریہ سماج " " "
۳۶	" ہوشیارپور	عیسائیوں " " "
۳۷	" بدھوآنہ	حنفیوں " " "
۳۸	" حافظ آباد	عیسائیوں " " "

نمبر شمار	کہاں مناظرہ ہوا؟	کس فرقہ کے ساتھ ہوا
۳۹	مناظرہ جلال پور پیر والہ	حنفیوں 〃 〃 〃
۴۰	〃 حیدر آباد سندھ	آریہ سماج 〃 〃 〃
۴۱	〃 بھڑی شاہ رحمان	شیعوں 〃 〃 〃
۴۲	〃 بٹالہ	قادیانیوں 〃 〃 〃
۴۳	〃 الہ آباد	عیسائیوں 〃 〃 〃
۴۴	〃 میرٹھ	قادیانیوں 〃 〃 〃
۴۵	〃 دینا نگر	آریہ سماج 〃 〃 〃
۴۶	〃 وزیر آباد	قادیانیوں 〃 〃 〃
۴۷	〃 سیالکوٹ	عیسائیوں 〃 〃 〃
۴۸	〃 دیوربا	آریہ سماج 〃 〃 〃
۴۹	〃 ویلم (مظفر نگر)	〃 〃 〃 〃
۵۰	〃 سرگودھا	قادیانیوں 〃 〃 〃
۵۱	〃 ڈیرہ غازی خاں	〃 〃 〃 〃
۵۲	〃 کرتار پور جالندھر	〃 〃 〃 〃
۵۳	〃 جھنگ	〃 〃 〃 〃
۵۴	〃 مالیر کوٹلہ	〃 〃 〃 〃
۵۵	〃 فیروز پور	〃 〃 〃 〃
۵۶	〃 ننکانہ	〃 〃 〃 〃
۵۷	〃 ۹۹ شمالی (سرگودھا)	〃 〃 〃 〃
۵۸	〃 پٹھانکوٹ	〃 〃 〃 〃

نمبر شمار	کہاں مناظرہ ہوا؟	کس فرقہ کے ساتھ ہوا
۵۹	مناظرہ مونگ (گجرات)	قادیانیوں کے ساتھ ہوا
۶۰	لائلپور (فیصل آباد)	″ ″ ″ ″

مناظرہ نگینہ

نگینہ ضلع بجنور میں آریہ سماج کا بہت بڑا زور تھا۔ وہ ہر جلسہ میں مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیتے تھے، مگر مسلمان جھجک جاتے اور مناظرہ کی جرأت نہ کرتے تھے، بالآخر ۱۹۰۴ء میں جب آریوں کی شورش حد سے بڑھ گئی تو مسلمانوں نے بھی جرأت کی اور مناظرہ کا چیلنج قبول کر لیا، مگر اپنی طرف سے وہ اہتمام کیا جو اس سے پہلے کہیں نہ ہوا تھا۔ یعنی ہندوستان کے تمام چیدہ چیدہ علماء کو دعوت دی، اور اس وقت کے مشہور مناظرین کو جمع کر لیا جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولینا محمود الحسن صاحب مدرس دیوبند

۲۔ مولانا احمد حسن صاحب صدر مدرس امروہہ

۳۔ مولانا محمد حسن صاحب صدر مدرس مراد آباد

۴۔ مولانا علی احمد صاحب میرٹھی

۵۔ مولانا ابو رحمت صاحب میرٹھی

۶۔ مولانا ابوالفرح پانی پتی

مسلمانانِ نگینہ نے چونکہ سن رکھا تھا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی بہترین اور لائق مناظر ہیں، اس لیے آپ کو بھی بلا بھیجا۔ مگر جب آپ پہنچ گئے، تو مناظرہ کے لیے قرعہ آپ ہی کے نام پڑا اور تمام علمائے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ اہل اسلام

کی طرف سے اس عظیم الشان مناظرہ میں جو سات دن مسلسل ہوتا رہے گا۔ مولانا ثناء اللہ ہی کو پیش کیا جائے۔ آریہ سماج کی طرف سے ماسٹر آتمارام مناظر قرار پائے۔ اور پنڈت کرپا رام اور لالہ وزیر چند ایڈیٹر آریہ مسافر ان کے ممد و معاون بنے۔ مگر مناظرہ ابھی تین دن نہ ہونے پایا تھا کہ معاونین نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور بھاگ گئے پانچویں دن خود آتمارام مناظر نے بھی ہتھیار چھوڑ دیئے اور میدان مولانا ثناء اللہؒ کے ہاتھ میں رہا۔ مناظرہ یہاں بھی "الہامی کتاب" ہی پر تھا اور تحریری تھا۔

فریقین اپنے پرچے لکھتے اور عوام کو پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ پانچ دن کے بعد جب ماسٹر آتمارام کے چھکے چھوٹ گئے اور اس موضوع سے آگے نہ چل سکے تو پھر موضوع بدلنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور یہ شرط بھی لگا دی کہ اس (۱۳-۱۴ جون) کی دو روزہ کاروائی کو اخبارات میں شائع نہ کیا جائے۔ پہلی کارروائی چونکہ اخبارات میں چھپ چکی تھی، جس سے آریہ سماج کی کافی کرکری ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اب ملک میں ہماری مزید بدنامی ہو۔ الغرض اس مناظرہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولٰنا کو وہ فتح اور کامرانی نصیب فرمائی کہ اس فتح کے اثر سے کئی ہندو بھی مسلمان ہو گئے، گیارہ ہندو تو میدان مناظرہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور محمد عمر کرٹھیوری جو مرتد ہو کر آریہ ہو چکے تھے، اسی مناظرہ سے متاثر ہو کر پھر دائرہ اسلام میں آ داخل ہوئے اور تازیست اسلام پر ثابت قدم رہنے کا اقرار کیا۔ اور سوامی درشنا نند سرشتی بدایونی جو اس مناظرہ میں موجود تھے۔ صاف الفاظ میں اپنی شکست کا اعتراف کر گئے۔ اور اس کے بعد آپ نے کئی ایک ٹریکٹ لکھے جس کے دیباچہ میں خود یہ ارقام فرمایا:

"چونکہ آریہ سماج نگینہ نے سات روز کے شاستر ارتھ میں عالموں کی نظر میں شکست فاش کھائی ہے، اس واسطے رشی دیانند کا چونھا نیم مجبور کرتا ہے کہ سات ٹریکٹوں کے ذریعہ سات دن کے مباحثہ پر ریویو کر کے آریہ سماج کو اس کی کمزوریوں پر واقف کیا جائے، اور ان پڑھ بھولے بھالے لوگوں کو سمجھایا جائے کہ وہ خود پڑھنے پڑھانے کی کوشش کریں، ورنہ بلاسوچے سمجھے آریہ سماج کی سچائی پر الزام نہ لگائیں۔
" ادم شانتی شانتی شانتی "

(ٹریکٹ نمبر ۹۹ مطبوعہ گورو کل پریس بدایون)

یہ اس مناظرہ کی مختصر سی کیفیت ہے جو لکھ دی گئی ہے۔ پوری روئداد کتابی صورت میں چھپ چکی ہے جو غالباً اب نایاب ہے اور اس کا نام "مناظرۃ النگینہ" ہے۔

مناظرہ خورجہ

خورجہ ضلع بلند شہر میں بھی آریہ سماج کا زور تھا مولینا مبارک حسین صاحب سنبھلی جو بہت بڑے عالم و مناظر تھے، وہاں مدرسہ قاسم العلوم میں صدر مدرس تھے جب آریوں سے چھیڑ چھاڑ ہوتی تو مولینا ڈھال کا کام دیتے۔

ایک بار " آریہ گزٹ " کے اسسٹنٹ ایڈیٹر پنڈت چندر پر کاش مولینا مبارک حسین کے سامنے آئے اور معقول جوابات سن کر شکست کھا گئے، چونکہ طبع سلیم پائی تھی اس لیے آریہ دھرم کو جواب دیا اور مسلمان ہو گئے۔ عبدالرحمان نام رکھا اور اسلام کی خدمت میں مصروف ہو گئے، ان کے ساتھ چند اور ہندو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جس سے آریہ سماج میں آگ لگ گئی اور

آریوں نے ایک عظیم الشان مناظرہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر مسلمانوں نے بھی لبیک کہا اور اپنے بڑے مناظر مثلاً مولینا مرتضیٰ حسن صاحب مرادآبادی مولینا سید انور شاہ صاحب صدر مدرس دیوبند، مولینا محمد ابراہیم صاحب دہلوی وغیرہم جمع کر لیے مگر طے یہ ہوا کہ مولینا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھی ضرور بلایا جائے بلکہ مناظر بھی انہی کو مقرر کیا جائے۔

مولینا ثناء اللہ ان دنوں ویلم ضلع مظفر نگر میں تھے۔ کیونکہ وہاں بھی ۱۵، ۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو آریہ سماج ہی سے ایک مناظرہ تھا، اور مولینا ہی کو اس مناظرہ کے لیے بھی منتخب کیا گیا تھا۔

مولینا محمد مبارک حسین خود ویلم پہنچے۔ مولینا ثناء اللہ نے عذر کیا کہ "تھکا ہوا ہوں اور اب فوراً دوسرا مناظرہ کرنے سے معذور ہوں"

مگر مولینا مبارک حسین جو ویلم میں آپ کی حاضر جوابی، خوش بیانی اور کامیابی کے مناظر دیکھ چکے تھے، کب ماننے والے تھے، ساتھ لے کر ہی گئے۔ آپ ۱۸ مارچ کی شام کو خورجہ پہنچے اور ۱۹ مارچ کو مناظرہ شروع ہو گیا۔

آریوں کی طرف سے دو تین مناظر بدل بدل کر پیش ہوتے رہے مگر اہل اسلام کی طرف سے اکیلے مولینا ثناء اللہ ہی مناظر رہے۔

پنڈت رام چندر اور مہاشہ شانتی سروپ آریہ سماج کے بڑے کامیاب اور مایہ ناز مناظر تھے۔ مگر وہ بھی اس شیر اسلام کی تاب نہ لا سکے۔ مناظرہ یہاں بھی تحریری تھا، جو مذہب حق کی تحقیق پر تھا۔

مگر افسوس کہ آریہ سماج نے کوئی سرپنچ یا منصف مقرر نہ ہونے دیا جو حق اور باطل کا فیصلہ صادر کر دیتا، تاہم دنیا نے دیکھ لیا کہ آریہ سماج دلائل کی رُو سے شکست خوردہ ہے اور لاجواب ہو گیا ہے۔ مناظرہ میں فریقین کے

پانچ پانچ پرچے ہوئے جو بعد تحریر عوام کو سنا دیئے جاتے تھے اور پھر "مناظرہ خورجہ" کے نام سے شائع بھی ہو گئے + ۷۶ صفحے کی کتاب تھی جو کئی بار شائع ہوئی مگر افسوس ہے کہ اب نہ صرف کمیاب ہے بلکہ نایاب ہو گئی ہے۔

مناظرہ قادیان

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی زندگی میں جب دیکھا کہ ثناء اللہ مجھے بہت تنگ کر رہے ہیں، تو اپنی کتاب "اعجاز احمدی" ص ۱۱ تا ۲۳ میں مولینا ثناء اللہ کو الٹی میٹم دیا کہ قادیان آؤ اور مناظرہ کرو۔

چنانچہ مرزا جی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"اگر یہ (مولوی ثناء اللہ صاحب) سچے ہیں تو قادیان میں آکر کسی پیشینگوئی کو جھوٹی ثابت کریں آپ کو ہر پیشینگوئی پر ایک ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔"

مولینا کب چوکنے والے تھے فوراً قادیان پہنچ گئے، اور مرزا صاحب کو اطلاع بھجوا دی: "بندہ حاضر ہے مناظرہ کے لیے میدان میں آیئے۔"

بس پھر کیا تھا مرزا صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ایک طرف تو آپ کی اس جرأت پر حیران و ششدر تھے اور دوسری طرف اپنی بے کسی پر نادم و مانم کناں اور سوچتے تھے کہ اب کریں تو کیا؟ اور نہ کریں تو کیا؟ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ بالآخر آپ کو رقعہ لکھا: "آپ چپ چاپ چوروں کی طرح کیوں آ گئے، میری مصروفیات بہت زیادہ ہیں، میں گفتگو کے لیے وقت نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر تم ایک دو سطریں اپنا اعتراض لکھ دیا کرو اور مجمع عام میں گفتگو یا تقریر کرنے سے باز رہو، تو میں اس اعتراض

پر تین گھنٹہ تک تقریر کیا کروں گا جسے تم نے "صُمٌّ بُکْمٌ" ہو کر سننا ہوگا۔ اور تمہیں دوران تقریر میں یا بعد تقریر کچھ کہنے یا بولنے کا قطعاً حق نہ ہوگا۔ اس طرح روزانہ صرف ایک ایک اعتراض کا جواب دیا جائے گا۔ اگر یہ منظور ہو بہتر، ورنہ تشریف لے جاؤ۔"

مولانا نے جواباً لکھا کہ "گو آپ کی یہ شرط غیر منصفانہ ہے اور اصولِ مناظرہ کے قطعاً خلاف، مگر محض اس لیے کہ کسی طرح آپ سے ایک بار گفتگو ہو جائے ایک شرط پر اسے منظور کیے لیتا ہوں۔ آپ بیشک تین گھنٹے بولیں مگر مجھے ہر گھنٹہ کے بعد صرف پانچ منٹ بولنے کی اجازت دے دیں، میں اس سے زیادہ کوئی درخواست نہیں کرتا۔"

مگر مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا: "میں تمہاری یہ شرط منظور نہیں کر سکتا نہ میرے پاس اتنا وقت ہے، نیز خدا نے مجھے مناظرہ سے روک دیا ہے لہٰذا اب میں تمہیں کوئی جواب نہیں دوں گا۔"

حضرات! یہ ہے مختصر سی کیفیت مناظرۂ قادیاں کی! یہ مرزا غلام احمد کی زندگی کا واقعہ ہے جو ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء میں پیش آیا۔ اگر یہ مناظرہ ہو جاتا تو دنیا میں اپنی نظیر آپ ہوتا مگر افسوس کہ مرزا صاحب نے بقول ع

زاہد نداشت تاب وصال پری رُخاں
کنج گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

الہام کا بہانہ بنا کر اسے ٹال دیا۔ ہاں اس کے بعد قادیان میں ذریّتِ مرزا کے ساتھ چند ایک مناظرے ضرور ہوئے، جن کی بنا پر مولانا کو "فاتح قادیان" کا خطاب ملا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ تو اس پہلے مناظرہ ہی سے "فاتح قادیان" بن چکے تھے۔

مناظرہ رام پور

نواب صاحب رام پور کے ملازمین خاص میں سے ایک صاحب منشی ذوالفقار علی قادیانی مذہب کے پیرو ہو گئے تھے، ان کے عم زاد بھائی حافظ احمد علی حنفی العقیدہ مسلمان تھے جو قادیانیوں کے سخت دشمن تھے۔ دونوں بھائیوں میں ہر ہائی نس نواب محمد علی خاں صاحب والئی ریاست رام پور کے سامنے باہمی تکرار ہوتی رہتی تھی۔ اور گاہے گاہے نواب صاحب بھی اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ جب ان کی نزاع حد سے بڑھنے لگی تو نواب صاحب نے فرمایا "کہ تم دونوں اپنے اپنے جید علماء کو بلاؤ اور ہمارے سامنے مناظرہ کراؤ، ہم سرکاری طور پر دونوں کا خرچ ادا کریں گے۔"

چنانچہ ۱۵ جون ۱۹۰۹ء کو سرکاری طور پر یہ مناظرہ ہوا۔ احناف نے اپنی طرف سے امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہؒ کو طلب فرمایا اور مرزائیوں نے مولوی محمد احسن امروہی کو بلایا مگر بوجوہات مولوی محمد احسن نے مناظرہ کرنے سے انکار کیا، اور ان کی جگہ منشی قاسم علی قادیانی مناظر مقرر ہوا۔ مناظرہ اگرچہ مرزا غلام احمد کے صدق و کذب پر تھا، مگر مرزائیوں کے اصرار پر "حیات مسیح" کا موضوع بھی زیر بحث آیا اور بھی چند موضوع تھے جو صاف ہو گئے۔ اور منشی قاسم علی صاف شکست کھا گئے۔

چنانچہ نواب صاحب نے جو بذات خود مناظرہ میں موجود تھے۔ فیصلہ مولانا ثناء اللہ صاحب ہی کے حق میں دیا اور بعض احباب کے اصرار پر ایک تحریر بھی لکھ دی جو درج ذیل ہے۔

"رام پور میں قادیانی صاحبان سے مناظرہ کے وقت مولانا

ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے خود سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید باندھی اسے بدلائل ثابت کر دیا۔ ان کے بیان سے ہم بہت محظوظ و مسرور ہوئے ؛؛

(منقول از اخبار اہلحدیث ۳۰ رجولائی ۱۹۰۹ء)

اسی طرح ایک بار آپ کو ریاست حیدر آباد دکن میں بلایا گیا۔ جہاں ایک مناظرہ بھی ہوا۔ اور قادیانیوں کی تردید میں مولینا موصوف کی کئی تقاریر بھی ہوئیں چند ایک تقریریں میر عثمان علی خاں والئے ریاست نے بھی سنیں اور پھر مولینا کو ملاقاتِ خاص کا موقعہ بھی عطا فرمایا۔

مولینا کا بیان ہے، کہ "جب میں مرزائی لٹریچر کے حوالجات پیش کرتا تھا تو نواب صاحب منہ میں انگلی دبائے تصویر بنے بیٹھے تھے اور میری تقریر پر حیران و ششدر ہو رہے تھے"۔ نواب صاحب مولینا کی حق گوئی، خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ اور آپ کے حافظہ کی داد دیتے تھے۔ بالآخر نواب صاحب نے چاہا کہ آپ حیدر آباد میں رہ جائیں، مگر مولینا نہ مانے تو نواب صاحب نے آپ کا دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا کہ آپ یہ دینی خدمات سرانجام دیتے رہیں۔

کچھ عرصہ بعد بعض رقیبوں کی رقابت کی وجہ سے یہ وظیفہ بند ہو گیا مگر مولانا کو نہ یہ وظیفہ ملنے پر کوئی خوشی ہوئی تھی، اور نہ ہی اس کے بند ہو جانے پر کوئی افسوس ہوا تھا۔

مباحثہ لدھیانہ

یہ مناظرہ ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا اور عام طور پر یہ "انعامی مباحثہ" کے نام سے

مشہور ہے، کیونکہ اس مناظرہ میں امام المناظرین نے مرزائیوں سے تین سو روپیہ انعام حاصل کیا تھا۔ موضوع جو زیر بحث تھا وہ مرزا صاحب کا آخری اشتہار "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" تھا جس کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چونکہ مرزائی اس کی تاویل کرتے تھے اور اُسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے ضروری تھا کہ اس کے متعلق کوئی آخری فیصلہ بھی ہو جاتا۔ چنانچہ ہو گیا۔ لدھیانہ میں فریقین نے اس شرط پر مناظرہ کیا کہ جو فریق شکست کھا جائے وہ تین صد روپیہ تاوان دے تاکہ یہ سند رہے، اور وہ فریق آئندہ کے لیے اس موضوع پر زبان نہ کھولنے پائے۔

چنانچہ فریقین نے لدھیانہ کے مشہور لیڈر سردار بچن سنگھ بی اے ایل ایل بی کو منصف مان لیا کہ وہ فریقین کے دلائل اور بیانات سننے کے بعد جو فیصلہ دیں گے وہ مسلّم ہو گا۔ اور انہی کے فیصلے پر تین سو روپیہ فریق ثانی کو دیدیا جائے گا۔

چنانچہ ادھر سے حضرت مولانا ابوالوفا سامنے آئے اور ادھر سے منشی قاسم علی قادیانی پیش ہوا۔ فریقین نے دھواں دار تقریریں کیں اور اس موضوع پر مرزا صاحب کی تحریرات پر جتنا مواد فراہم ہو سکتا تھا پیش کر دیا۔ جب پرسر پنچ نے غور و خوض کے بعد فیصلہ مولانا ثناء اللہ کے حق میں دیا اور مرزائیوں سے تین سو روپے لے کر مولانا کو دلوا دیا۔ اور صحیح معنوں میں مولانا کو "فاتح قادیان" ثابت کر دیا۔

اس مناظرہ کی پوری روئیداد رسالہ "فاتح قادیان" میں درج ہے جو کئی بار چھپ چکا ہے۔ مگر حیرت ہے کہ مرزائی اس کھلی شکست کے باوجود بھی نہیں مانتے کہ واقعی جھوٹا (مرزا) سچے (مولانا ثناء اللہ) کی زندگی میں مر کر اپنے

کذب پر مہر تصدیق ثبت کر گیا ہے ۔

یقین کامل کا اعلیٰ نمونہ

اسی سلسلہ میں منشی مولا بخش صاحب کشتہ امرتسری کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب نے "آخری فیصلہ" کا اشتہار مباہلہ شائع کیا اور مولینا ثناءاللہ نے اسے اپنے اخبار میں چھاپ کر اس پر نوٹ بھی لکھ دیا یعنی فریقین کی طرف سے اس کی تصدیق ہو گئی کہ "جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے"، تو سوئے اتفاق سے مولینا ثناءاللہ کچھ دن بعد بیمار ہو گئے، اور ایسے بیمار ہوئے کہ احباب کو آپ کی جان کے لالے پڑ گئے ۔ حسن اتفاق کہ آپ کے قریب ہی میونسپل شفاخانہ ڈھاب کھٹیکاں میں جو ڈاکٹر کرم الٰہی انچارج تھا، وہ نہ صرف مرزائی تھا بلکہ جماعت احمدیہ امرتسر کا امیر تھا ۔ مولینا اسی کے زیرِ علاج تھے احباب نے چاہا کہ ڈاکٹر بدل دیا جائے، مگر آپ نہ مانے، آپ نے فرمایا "میں سچا ہوں، مرزا جھوٹا ہے انشاءاللہ وہی پہلے مرے گا ۔ آپ گھبرائیں نہیں اللہ مجھے شفا دے گا اور اسی ڈاکٹر کے ہاتھوں شفا دے گا"

چنانچہ آپ کافی دن بیمار رہنے کے بعد شفایاب ہوئے ۔ مرزا نے پہلے مرنا تھا وہ مر گیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا ۔ مگر مولانا بارہا بیمار ہوئے آپ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے مگر آپ آپ بال بال بچے اور مرزا سے ۴۲ سال بعد تک زندہ رہے کیا اس سے بڑھ کر بھی مرزائیوں کی تکذیب کا کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے؟ کہ مرزا ع

کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

امرتسر کے چند اہم مناظرے

یوں تو امرتسر میں آپ نے دو سو سے بھی زیادہ مناظرے کیے، کچھ عیسائیوں سے، کچھ آریوں سے، کچھ مرزائیوں سے، کچھ چکڑالویوں سے کچھ بریلویوں سے، مگر سب کا ذکر یہاں مشکل ہے۔ کیونکہ بعض مناظرے تو ابتدائی دور کے ہیں جن کا ہمیں علم بھی نہیں ہو سکا۔ بعض مناظرے تو ایسے ہیں جو ہنگامی اور وقتی طور پر ہو گئے اور بعض باقاعدہ شرائط سے اور اہتمام سے ہوئے جن میں سے چند ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)

۱۹۲۰ء میں انجمن احمدیہ امرتسر نے اپنا ایک جلسہ رچایا اور شامت جو آئی تو مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج بھی دے دیا بھلا ادھر دیر ہی کیا تھی فوراً چیلنج قبول کر لیا گیا۔ اور اہل اسلام نے متفقہ طور پر مولینا ثناء اللہ کو مناظرہ کے لیے بلا لیا۔ ادھر مرزائیوں کی طرف سے مولوی غلام رسول آف راجے کی منتخب ہوئے اور قرار پایا کہ مناظرہ تحریری ہو گا اور داخلہ بذریعہ ٹکٹ۔ چنانچہ ہر فریق آدھ گھنٹہ میں ایک پرچہ لکھتا اور پندرہ منٹ میں پڑھ کر سنا دیتا۔ عوام کا بیان ہے کہ جو مزا مولینا ثناء اللہ کے پرچہ میں آتا تھا اس کا عشر عشیر بھی مرزائی پرچہ میں نہ پایا جاتا تھا۔ یہ مناظرہ دو دن تک ہوتا رہا۔ مرزائیوں کے پرچوں میں ایک ہی بات کی رٹ لگائی جاتی اور بار بار انہی سوالات کو دہرایا جاتا جس کا جواب مولانا دے کر اس پر مزید سوالات کر چکے ہوتے۔ عوام اسے اچھی طرح سمجھ

چکے تھے۔ اور مرزائیوں کی شکست محسوس کرتے تھے۔ یہ مناظرہ کتابی شکل میں "فتح ربانی" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اور انقلاب پنجاب کے بعد کچھ نایاب سا ہو گیا ہے۔

(۲)

۱۹۲۰ء ہی میں آپ کا شاندار مناظرہ آریہ سماج سے بھی ہوا تھا۔ آریہ سماج نے تمام اسلامی جماعتوں کو چیلنج دیا مگر سوائے اہلحدیث کے کسی نے اسے قبول نہ کیا اور مولینا ثناء اللہ یہ پڑھتے ہوئے میدان میں آ گئے کہ ع

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

مقابلہ میں پنڈت دھرم بھکشو تھے، جو بہت ہشیار، چالاک اور عیار مناظر تھے۔ مگر بایں ہمہ وہ مولینا سے جھکتے تھے۔ مسئلہ زیر بحث "حدوث روح" تھا اور مناظرہ مسلسل دو دن تک ہوتا رہا۔ منشی مولا بخش کشتہ کا بیان ہے کہ ایسا پرامن اور پر اثر مناظرہ اس سے پہلے کہیں ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ مولانا کے دلائل سے پنڈت جی حواس باختہ ہو رہے تھے۔ مگر پرانے کھلاڑی تھے آئیں، بائیں، شائیں کر کے نکل جاتے۔ مگر تعلیم یافتہ لوگ سمجھ رہے تھے، کہ پنڈت جی دم توڑ چکے ہیں یہ مناظرہ بازار کرموں ڈیوڑھی چوک نیم والا میں ہوا تھا۔

(۳)

اس سے تھوڑا عرصہ بعد ہی آریہ سماجیوں نے اپنی ندامت مٹانے کے لیے پھر ایک مناظرہ کیا۔ جس میں مولانا کے سامنے ماسٹر آتما رام ایڈیٹر "تتھکاری"

آئے مگر انہوں نے بھی منہ کی کھائی اور اس کے بعد قریباً قریباً آریہ سماج نے امرتسر میں مسلمانوں سے مناظرے چھوڑ ہی دیئے، اور "مذاہب کانفرنس" کا رنگ دے کر اپنی جان بچالی۔

(۴)

احناف سے اور خصوصاً بریلویوں سے تو امرتسر میں آپ کے کئی مناظرے ہوئے۔ مسئلہ تقلید شخصی، علم غیب اور استمداد لغیر اللہ اکثر زیر بحث آئے مگر ایک مناظرہ جو مولوی خیر شاہ صاحب سے ہوا، وہ بہت ہی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اس میں فریقین کی طرف سے ایک ایک منصف بھی مقرر ہوگیا تھا۔ اہلحدیث کی طرف سے مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر منصف تھے اور احناف کی طرف سے مولانا عبدالحق دہلوی مصنف تفسیر حقانی منصف قرار پائے تھے پہلے یہ مناظرہ تحریری طور پر ہوا پھر تقریری ہی ہوگیا۔ اور دو تین دن مسلسل ہوتا رہا، بالآخر دونوں منصفوں نے جو متفقہ طور پر فیصلہ دیا وہ اہلحدیث کے حق میں تھا۔

احناف اپنے منصف پر بہت ناراض ہوئے مگر منصف نے صاف صاف کہہ دیا کہ اہلحدیث کے دلائل قوی تھے، ہمارا مناظر انہیں توڑ نہیں سکا۔ اس لیے میں نے جو فیصلہ دیا ہے، وہ صحیح ہے۔

چنانچہ اس کے بعد امرتسر میں حنفیت دب گئی اور اہلحدیث کو فروغ حاصل ہوتا گیا۔ سب مسجدیں ان کے لیے کھل گئیں اور وہ آزادی سے ہر جگہ نمازیں ادا کرنے لگ گئے۔ اور بہت لوگ عامل حدیث ہو گئے۔

۵

ایک بار دروازہ حکیماں میں مولوی عبدالصمد حنفی سے آپ کا مناظرہ ہوا جو مسئلہ تقلید پر تھا۔ جب احناف نے دیکھا مولوی عبدالصمد مولانا ثناء اللہ کی تاب نہیں لا رہے، اور ایک دو ٹرنوں میں شکست فاش کھانے کو ہیں۔ تو وہ ان کی کمزوری چھپانے کے لیے دنگا فساد پر آمادہ ہو گئے جیسا کہ عام طور پر جہلائے خاتمہ پر کیا کرتے ہیں۔ مگر حکیم محمد الدین صاحب لوہگڑھ والے جو بہت جوانمرد آدمی تھے، درمیان میں آ گئے فساد رُک گیا۔ اور بریلوی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ یہ واقعہ بروایت کشتہ صاحب ۱۸۹۹ء کا ہے۔

۶

مولوی عبداللہ نامی ایک شخص چکڑالہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے جو منکر حدیث تھے اور اہل قرآن کہلاتے تھے۔ چکڑالوی فرقہ (منکرین حدیث) آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ یہ جماعت زیادہ فروغ نہیں پا سکی، کچھ افراد لاہور میں تھے کچھ امرتسر میں۔ لاہوری جماعت کے سرکردہ مولوی حشمت علی تھے جو بہت ہی سادہ لوح تھے، چند بار مولوی ثناء اللہ صاحب سے ٹکرائے مگر تاب نہ لا سکے۔

امرتسری گروہ کے پیشوا مولوی احمد الدین صاحب تھے جو ذی علم تھے۔ وہ اکثر مولینا سے الجھتے رہے۔ ایک دو بار تقریری مناظرہ بھی ہوا مگر ناکام رہے۔ بالآخر تحریری مناظرے کی ٹھانی، وہ "البلاغ" میں مضمون لکھتے اور مولینا "اہلحدیث" میں اس کا جواب دیتے، یہ تحریری مناظرہ بہت ہی دلچسپ تھا مگر افسوس ہے کہ

تکمیل نہ ہو سکا۔ مولوی احمد دین رہ گئے۔ مولینا ثنار اللہ نے بارہا یاد دہانی کرائی کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ مگر مولوی احمد الدین قلم توڑ چکے تھے، اس لیے کچھ نہ لکھ سکے۔ یہ مناظرہ اگر پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا تو شاید کتابی صورت اختیار کر لیتا، اور آج جب کہ منکرین حدیث ایک نیا روپ دھار کر طلوع اسلام کی شکل میں دنیا کے سامنے آرہے ہیں یہ رسالہ مفید سے مفید تر ثابت ہوتا۔

(۷)

۲۹ر، ۳۰ر اپریل ۱۹۱۶ء کو امرتسر ہی میں مولینا نے مرزائیوں سے ایک شاندار مناظرہ کیا۔ مناظرہ تحریری تھا۔ شرائط طے پا چکی تھیں اور مولینا ثنار اللہ ان دنوں ایک مقدمہ کے ضمن میں بہت ہی مصروف تھے۔ آپ نے ہر چند کہا کہ اہل اسلام کی طرف سے مناظر کوئی اور تجویز کر لیا جائے، مگر اہالیان امرتسر نے اسے قبول نہ کیا۔ مرزائیوں کی طرف سے مناظر حافظ غلام رسول آف راجیکی مقرر ہوئے۔ اور ادھر مولانا ہی کو تکلیف دی گئی۔ مولانا روزانہ ۴ گھنٹے تو عدالت کی کارروائی میں مصروف رہتے اور پچھلے پہر مناظرہ میں شریک ہو جاتے، بعض دوست کہتے کہ آپ تیاری کے لیے کچھ وقت نکال لیا کریں تو آپ فرماتے:

"بنئے کو مارنے کے لیے لکڑی کی کیا حاجت ہے؟"

مناظرہ کے دو موضوع تھے "مسئلہ حیات ممات" اور "صداقت مرزا"۔

مناظرہ کی پوری کیفیت تو کتابی صورت میں چھپ گئی۔ کیونکہ فریقین کی تحریریں موجود تھیں مگر جب مولانا اپنا پرچہ پڑھتے تو حاضرین کا بیان ہے کہ لطف آ جاتا۔ مرزائیوں پر اداسی چھا جاتی۔ لاہور اور امرتسر کے بعض جرائد کے مدیر صاحبان بھی یہ مناظرہ دیکھنے کے لیے آتے رہے۔ خصوصاً لاہور کے انگریزی اخبار

"بلٹین" نے تو اس میں بہت دلچسپی لی اور واشگاف الفاظ میں لکھا کہ "مولانا ثناء اللہ جیت گئے اور مرزائیوں کے شکست فاش کھائی"

(۸)

امرتسر میں مولانا کا آخری مناظرہ ۴ ۲ مئی ۱۹۴۴ء کو ہوا جو آریوں سے تھا۔ نہ معلوم سوئے سوئے آریہ سماج کو کیوں خیال آگیا کہ پنڈت رام چندر کو دہلی سے بلا لیا۔ پنڈت جی پہلے بھی کئی بار مولانا سے مناظرہ کر چکے تھے، مگر اب کے تو خوب تیار ہو کر آئے اور آتے ہی کہا کہ آپ نے ماسٹر آتما رام، لالہ منشی رام اشرو ہانند پنڈت دھرم بھکشو اور پنڈت بھوجدت جی آف آگرہ سے کئی مناظرے کیے اور انہیں شکست بھی دی۔ مگر آج رام چندر مقابلہ میں آیا ہے ذرا سنبھل جائیے گا۔ مولانا نے فرمایا پنڈت جی فکر نہ کیجیے ؎

اے حسینوں تیغ باندھے پھرتے ہو ناز سے
سامنے مردوں کے آؤ امتحان ہو جائے گا

مناظرہ ہندو مہا سبھا کالج میں ہوا۔ بڑے بڑے پروفیسر، گریجویٹ، ہندو، مسلم، سکھ، وکیل اور جج بھی اس میں شریک تھے۔ اور سب ہی مولانا کے مداح تھے، کیونکہ ان کے بیان کی روانی، زبان کی شیرینی، اور دلائل کی تابانی سبھی کو موہ رہی تھی۔ یہاں تک کہ خاتمہ پر خود رام چندر جی کو بھی مجمع عام میں یہ کہنا پڑا "کہ جس متانت اور سنجیدگی، جس علمی شان اور قابلیت سے مولانا ثناء اللہ مناظرہ کرتے ہیں میں نے کوئی مناظر ایسا نہیں پایا۔"

اس مناظرہ میں بھی مولانا امرتسری کو شاندار فتح ہوئی۔

لاہور کے چند اہم مناظرے

امرتسر کی طرح لاہور میں بھی مولینا کے سینکڑوں مناظرے ہوئے۔ لاہور نہ صرف عیسائیوں کا سب سے بڑا ہیڈکوارٹر تھا، بلکہ آریوں کا بھی مرکز تھا۔ شیعہ بھائیوں کا ہیڈ آفس بھی یہیں تھا، اور بریلویوں کی حزب الاحناف اور انجمن نعمانیہ کا مرکز بھی یہیں تھا۔ اور لاہوری مرزائیوں کا تو یہاں دارالخلافہ تھا۔ اس لیے یہاں آئے دن جلسے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے، ہم جب لاہور کے مناظروں کو قلمبند کرنے لگے اور منشی فضل الدین صاحب (مسجد مبارک والے) جیسے مولینا کے یارِ غار سے جب ابتدائی مناظروں کی کیفیت سننے بیٹھے تو ہم حیران رہ گئے کہ جب مولینا مناظروں میں اتنا وقت خرچ کرتے تو وہ دوسرے دینی اور تبلیغی کام (تحریری اور تقریری) کیوں کر سرانجام دیتے ہوں گے۔

بہرحال ہم لاہور کے بھی صرف چند ہی مناظرات کا ذکر کریں گے۔ کیونکہ یہ کتاب پوری تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

(۱)

۱۹۱۰ء کی بات ہے کہ لاہور میں پادری جوالا سنگھ (عیسائی) سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ مناظرہ "الوہیت مسیح" کے موضوع پر تھا۔ پادری صاحب جو دلیل دیتے، مولینا اسے کاٹ کر رکھ دیتے، یہاں تک کہ پادری صاحب گھبرا کر بول اٹھے "مولینا میری کسی دلیل کو تو رہنے دیجیے سب کی سب تو نہ کاٹتے جایئے"۔ مجمع ہنس پڑا، اور اسی مجمع میں عیسائیوں کا ایک پورا خاندان عیسائیت

چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ بیشک حق حق ہے۔

(۲)

پادری عبدالحق نے بھی مولینا سے کئی مناظرے کیے۔ پادری صاحب بہت بڑے منطقی سمجھے جاتے تھے اور ان کا اپنا دعوٰے بھی تھا کہ مجھے قرآن و حدیث پر بہت عبور حاصل ہے۔ چنانچہ اکثر علماء ان کے سامنے خاموش ہو جاتے تھے، مگر مولینا سے تو ہر بار انھوں نے ہزیمت ہی اٹھائی اور لاہور کے ایک مناظرہ میں تو ایسی شکست کھائی کہ پھر کئی سال تک مولینا کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۳)

۱۹۲۱ء میں ڈی اے وی کالج کے جلسہ پر ایک مناظرہ ہوا۔ دو آریہ پروفیسر باری باری آپ کے سامنے آئے اور ناکام رہے، یہاں تک کہ ان کے صدر کو بھی مولینا کے حق میں فیصلہ دینا پڑا اور ماننا پڑا کہ آریہ مناظر تیاری کر کے نہیں آئے تھے۔

(۴)

۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے کہ آریہ سماج وچھووالی میں "مسئلہ طلاق" پر مناظرہ ہوا مولانا طلاق کے اثبات میں دلائل پیش کرتے اور آریہ مناظر اس کا مذاق اڑاتا، آپ نے فرمایا: "مہاشہ جی دلائل کو چھوڑ کر اگر مذاق ہی سے مناظرہ کرنا ہو تو سن لو، پھر دھجیاں اڑ جائیں گی۔"

چنانچہ آپ نے مزاحاً جو دو چار باتیں کیں تو مہاشا جی رام رام کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "سنو! جس طلاق پر تم ہنس رہے ہو۔ وقت آ رہا ہے کہ تم خود بخود اس کے قائل ہو جاؤ گے۔ اور عیسائیوں کی طرح "قانوناً طلاق لینے دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

چنانچہ وہ بات ہو کر رہی اور چند ہی سال بعد خود ہندوؤں کو طلاق کا قانون بنوانا پڑا۔

(۵)

ایک بار مہاشہ دھرم پال سے آپ کا مناظرہ ہوا موضوع جو زیر بحث تھا وہ "گوشت خوری" تھا اور فیصلہ کے لیے تین منصف مقرر ہو چکے تھے، ایک سکھ، ایک عیسائی ایک سناتنی۔

آریہ مقرر نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ گوشت خور قومیں شہوت پرست ہوتی ہیں کیونکہ گوشت ہی سے شہوت بڑھتی ہے، لہٰذا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔

جلسہ میں عورتیں بھی تھیں۔ مولانا نے فرمایا: کہ سب بہنیں یہاں سے چلی جائیں، کیونکہ پنڈت جی اب علمی عقلی اور نقلی دلائل چھوڑ کر وہ راہ اختیار کر رہے ہیں جس پر مجھے بھی اس رنگ میں کچھ کہنا ہو گا۔ اس لیے حیا مانع ہے کہ میں دیویوں کی موجودگی میں کچھ عرض کروں۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ سب دیویاں جلسہ سے اٹھ کر چلی جائیں۔"

کچھ چلی گئیں، کچھ بیٹھی رہیں مولانا نے فرمایا: "مہاشہ جی سنو! آپ کا نظریہ غلط ہے کہ گوشت خوری سے شہوت بڑھتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دال خور

اور گھاس خور پارٹی کے ارکان زیادہ شہوت ران ہوتے ہیں تو موزوں ہوگا۔ جانوروں کو دیکھو مرغ اور مرغیاں گوشت نہیں کھاتے مگر ایک ایک مرغ کتنی کتنی مرغیوں پر حاوی ہوتا ہے۔ چڑیوں کو آپ نے دیکھا ہوگا، کیا وہ گوشت خور ہیں؟ دنیا جانتی ہے کہ چڑیا دال خور ہے پھر بتاؤ اس کی شہوت رانی کا کیا عالم ہے؟ بکریاں بھی گوشت نہیں کھاتیں، گھاس پارٹی کی ممبر ہیں مگر آپ نے دیکھا ایک ایک بکرا کتنی کتنی بکریوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی ماتا گلئے بھی گوشت خور قوم میں سے نہیں ہے مگر ایک ایک سانڈ کتنی کتنی گایوں کے لیے کافی ہوتا ہے یہی عالم بھینس کا ہے گھوڑے کا ہے گدھے کا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی گوشت خور نہیں، مگر ان کا ایک ایک نر ایک ایک شہر کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے شیر گوشت خور جانور ہے، مگر اپنی مادہ کے پاس صرف ایک ہی بار جاتا ہے، کہیے گوشت خوری سے شہوت رانی بڑھتی ہے یا دال اور گھاس خوری سے؟"

مولانا کی تقریر ابھی جاری تھی کہ مہاشا جی پکار اٹھے: "اب جانے دیجیے، میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں"۔ پھر کیا تھا سارا مجمع کشت زعفران بن گیا منصفوں نے بھی مولانا کی فتح کا ڈنکہ بجا دیا۔ اور جلسہ برخواست ہوگیا۔

(۶)

۱۹۲۱ء میں پنڈت رام چندر سے پھر ایک مناظرہ ہوا جس کا موضوع تھا "کیا مادہ اور روح قدیم ہیں؟" یہ مناظرہ بھی بہت دلچسپ رہا جو بعد میں رسالہ کی صورت میں شائع ہوگیا۔

⑦

۱۹۲۰ء میں چوک وزیر خاں میں شیعوں سے ایک مناظرہ ہوا، موضوع بحث "مسئلہ وراثت" اور "باغ فدک" تھا اس کی پوری کیفیت معلوم نہیں ہو سکی۔ بہرحال شیعہ حضرات سے بھی آپ کا مناظرہ خوب دلچسپ ہوتا تھا آپ اکثر حوالجات انہی کی کتابوں سے پیش کیا کرتے اور فرمایا کرتے ہے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

⑧

ایک دفعہ انجمن نعمانیہ کے جلسے پر بریلوی اور دیوبندی احناف میں باہم مناظرہ قرار پا گیا، مولانا ثناء اللہ کسی ذاتی کام کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے۔ چند احباب کے کہنے پر مناظرہ سننے کے لیے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے مگر جانے پر معلوم ہوا کہ ابھی تک یہاں شرائط ہی طے نہیں ہونے پائے اور نوبت سخت کلامی تک پہنچ گئی ہے۔ انسپکٹر پولیس نے جو انتظام کے لیے وہاں موجود تھا، جب یہ بدنظمی دیکھی تو حکم دیا کہ "جلسہ منتشر کر دیا جائے" میں اب مناظرہ کی اجازت نہیں دیتا۔"

فریقین نے اس حکم کو غنیمت سمجھا اور خاموش ہو گئے، مگر مولانا کی جرأت دیکھیے انسپکٹر پولیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "جناب والا! یہ مناظرہ اس لیے بند ہو رہا ہے کہ فریقین شرائط طے نہیں کر سکے۔ اگر اجازت ہو تو میں بلاشرط بریلوی جماعت سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔ ان کی ہر شرط مان لوں گا اور اپنی طرف سے کوئی شرط پیش نہ کروں گا۔"

انسپکٹر پولیس آپ کی اس جرأت پر بہت حیران ہوا۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ مولینا ثناء اللہ ہیں تو اس نے اجازت دے دی مگر بریلوی حضرات تیار نہ ہوئے۔

(۹)

اسی طرح ایک بار پھر مسجد وزیر خاں میں مولوی حشمت علی بریلوی اور مولوی محمد منظور دیوبندی کا مناظرہ تھا۔ ہزاروں کا مجمع تھا وہاں بھی شرائط ہی پر جھگڑا تھا۔ دو گھنٹہ تک جب شرائط طے نہ ہوسکیں، عوام اکتا گئے تو مولینا اٹھے اور یہی فرمایا کہ:

"بھائیو! شرائط کے جھگڑوں کو چھوڑ دو، مجھے مولوی حشمت علی صاحب سے بلا شرط مناظرہ کرنے دو۔ نہ معلوم یہ پھر کبھی پنجاب میں آئیں یا نہ آئیں مگر مولوی حشمت علی نے جب آپ کی طرف دیکھا تو رنگ فق ہو گیا کہ یہ بلا کہاں سے آپڑی ہے" اور مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(۱۰)

سنہ ۱۹۳۰ء میں مولوی محرم علی چشتی کے مکان پر احناف سے ایک مناظرہ ہوا، موضوع "علم غیب" تھا۔ فریق ثانی کی طرف سے مولوی ولی محمد جالندھری مناظر تھے۔ مگر اس مناظرہ میں تو آپ کو اتنی کامیابی ہوئی، کہ حنفی بھی کہہ اٹھے مولوی ولی محمد سے کوئی جواب بن نہیں آیا، بھائی اس مسئلہ میں وہابی سچے ہیں نہ معلوم جب ہمارے مولویوں کے پاس کوئی علمی، عقلی اور نقلی دلائل نہیں ہوتے تو وہ وہابیوں سے مناظرہ کیوں چھیڑ دیتے ہیں اس طرح تو خواہ مخواہ ہماری بدنامی ہوتی ہے۔

(۱۱)

لاہور اور امرتسر میں اگرچہ مولینا نے مرزائیوں سے کئی مناظرے کئے۔ مگر لاہور کا یہ مناظرہ جو یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو گول باغ بیرون موچی دروازہ بصدارت مولوی محمد داؤد صاحب[۱] غزنوی ہوا اپنی نظیر آپ ہی تھا یہ ایک تاریخی مناظرہ تھا حاضری اچھی خاصی تھی اور موضوع مرزا صاحب کا مولانا ثناء اللہ صاحب سے

---

[۱] آپ جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم اور خاندان غزنویہ کے آخری چراغ ہیں۔ اپنے والد بزرگوار امام عبدالجبار صاحب کے قائم کردہ مدرسہ تقویۃ الاسلام کے مہتمم ہیں اور جماعتی حیثیت سے بھی آپ کی ایک خدمت ہے جو سب سے بڑی خدمت کہی جا سکتی ہے آپ طبعاً سیاسیات کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ پہلے احرار میں کام کرتے رہے۔ پھر جمعیت علمائے ہند میں گئے، پھر کانگرس کے سیکرٹری بنے، پھر مسلم لیگ میں آ گئے۔ آج کل ایم ایل اے ہیں جتنی خدمت آپ نے ان سیاسی جماعتوں کی کی ہے، اگر اس کا عشر عشیر بھی جماعت اہل حدیث کی خدمت کرتے تو آج جماعت بام عروج پر پہنچ گئی ہوتی، اور مسجد چینیانوالی بے رونق نہ ہونے پاتی اور لاہور جیسا شہر اہل حدیث سے یوں خالی نظر نہ آتا۔

کاش! مولانا اب بھی اپنے آباؤ اجداد کی گدی سنبھال لیں (خادم)

نوٹ: اس دور کا تو ہمیں صحیح علم نہیں، مگر آج کل مسجد مذکور بھی بڑی بارونق ہے وہاں علامہ احسان الٰہی ظہیر[٭] امور خطابت انجام دے رہے ہیں۔ اور لاہور شہر میں بھی جماعت اہلحدیث کا اچھا خاصا زور ہے۔ دو سو سے زائد جامع مساجد ہیں اور جماعتی نظم و نسق چلانے کے سبب عظیم الشان دفاتر ہیں۔ علاوہ ازیں لاہور میں، جماعتی نشر و اشاعت کا کام بھی اچھا خاصا ہو رہا ہے۔ ویسے مزید ترقی کی ضرورت ہے۔ (فاروقی)

[٭] بڑے افسوس سے ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو لاہور ہی میں بم کے ایک دھماکے میں ظہیر ملت "ابھی چل بسا۔ رحمہ اللہ۔

"آخری فیصلہ" تھا۔ مرزائیوں کی طرف سے مولوی عبدالرحمان بی۔ اے گجراتی پیش ہوئے، مولانا نے جب مرزا کا آخری فیصلہ والا اشتہار پڑھ کر اس کی صداقت شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا کے طور پر خود مرزائیوں ہی گھر کے چار گواہ پیش کئے تو ملک عبدالرحمان بھی دنگ رہ گئے، کہ ان گواہوں نے مرزا صاحب کے اشتہار پر صداقت کی مہر کیسے لگا دی ہے۔ مگر مولانا کے دلائل ایسے قوی تھے کہ مرزائی مناظر انہیں توڑنا تو ایک طرف رہا انہیں چھو بھی نہ سکا اور ان سے گریز کر کے اِدھر اُدھر نکل جاتا رہا اور یہی کہتا رہا کہ "یہ مباہلہ نہیں مباہلہ کا چیلنج تھا، جسے آپ نے منظور نہیں کیا۔"

اس پر مولینا نے فرمایا: "سنیئے! مرزا صاحب اپنی کتاب" اعجاز احمدی" مطبوعہ ۱۹۰۲ اور "حقیقتہ الوحی" مطبوعہ ۱۹۰۶ء میں اعلان کر چکے ہیں، کہ میں آئندہ کسی کو مباہلے کا چیلنج نہ دوں گا پھر یہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار چیلنج مباہلہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

مرزائی مناظر جب اس کا کوئی جواب نہ دے سکا تو آپ نے پھر بہ دلائل ثابت کیا کہ یہ مرزا صاحب کی ایک دعا تھی، جسے حکیم نورالدینؒ خلیفہ محمود، مولوی محمد علی لاہوری مدیر ریویو آف ریلیجز اور مولوی محمد حسن امروہی جیسے ارکان اربعہ طائفہ مرزائیہ تسلیم کرتے ہیں، کہ یہ دعا تھی جو قبول ہو گئی اور جھوٹا سچے کی زندگی میں مر گیا۔

بس پھر کیا تھا مرزائیوں پر ایک سنّاٹا چھا گیا اور مجمع عش عش کر اٹھا۔ خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ تو اس مناظرہ سے بہت ہی محظوظ ہوا، کیونکہ مولانا کوئی بات بلا حوالہ نہ کرتے تھے۔ حتّٰی کہ جب مرزائی مناظر کوئی حوالہ بھول جاتا تو خود مولینا اسے حوالہ بتاتے۔ گویا آپ کتب مرزائیہ کے حافظ کی حیثیت رکھتے تھے

مناظرہ گوجرانوالہ

۲۷ ، ۲۸ فروری ۱۹۲۶ء کو انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ کے سالانہ جلسہ پر عیسائیوں سے مناظرہ ہوا مولینا نے "مسئلہ توحید" پر تقریر فرمائی جس پر عیسائیوں کو مناظرہ کا وقت دیا گیا حاضری ۸، ۱۰ ہزار سے کم نہ تھی۔ بعض یورپین عیسائی بھی یہ مناظرہ سننے کے لیے آئے ہوئے تھے، فریق ثانی کی طرف سے پادری محمد سلطان پال مناظر تھے، جو نہ تو مولینا کے دلائل کو توڑ سکے اور نہ ہی کوئی معقول اعتراض کر سکے۔ چنانچہ ان کی اس شکست سے متاثر ہو کر ایک نوجوان عیسائی عین مناظرہ ہی میں مسلمان ہو گیا، جس سے عیسائی بہت نادم ہوئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اسی جلسہ میں دوسرے دن مولینا نے "ختم نبوت" پر تقریر فرمائی جس پر مرزائیوں کو مناظرہ کے لیے وقت دیا گیا، مرزائیوں کی طرف سے مولوی غلام احمد قادیانی پیش ہوئے، مگر وہ تو مولینا کے استدلال چھوڑ آپ کے اندازِ بیان اور طرزِ کلام ہی سے ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی معقول بات نہ کر سکے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ مرزائی بھرے جلسہ میں مرزائیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، اور اس مناظرہ کا اثر نہ صرف اہل شہر پر بلکہ قرب وجوار کے لوگوں پر بھی بہت ہی اچھا رہا، گوجرانوالہ میں اس عظیم الشان مناظرہ کے علاوہ دو تین اور مناظرے بھی ہوئے تھے، جن کی تفصیل تحصیل حاصل کے مترادف ہے۔

مناظرہ سوہدرہ

۲۸-۲۹ مارچ ۱۹۲۲ء کو انجمن اہلحدیث سوہدرہ کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا جبکہ یہ خادم[1] فارغ التحصیل ہو کر اپنی بستی میں اقامت گزیں ہوا۔ اور آتے ہی جماعتی تنظیم کے لیے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا، جماعت بفضلہ موجود تھی جو میرے آبا ؤ اجداد نے بنا رکھی تھی۔ مگر ایک نظم کی ضرورت تھی جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی۔ مگر افسوس کہ احناف کو یہ صورت ناگوار گذری، مقابلہ میں ایک جلسہ رچا دیا، ملا ملتاقی (نظام الدین وزیر آبادی) کا زور تھا، خواہ مخواہ چھیڑ خانی شروع کر دی اور مناظرہ کی ٹھن گئی۔ سید نور شاہ مرحوم

---

[1] عبدالمجید نام ابو الوحید کنیت خادم تخلص مولینا عبدالحمید مرحوم کا بیٹا اور استاد پنجاب حافظ الحدیث مولینا حافظ عبدالمنان مرحوم وزیر آبادی کا نواسہ، اور مولانا الحاج غلام نبی الربانی مرید خاص مولانا عبداللہ الغزنوی کا پوتا اور مولینا الحاج مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور کا داماد اور مولینا الحاج حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا تلمیذ جسمانی اور مولینا الحاج قاضی محمد سلیمان صاحب مرحوم پٹیالوی، صاحب "رحمۃ للعالمین" کا تلمیذ روحانی جو ۱۹۲۰ء سے "مسلمان" ایڈٹ کر رہا ہے اور دس سال سے طبی میگزین بھی ماہوار شائع کر رہا ہے۔ اور اب چار سال سے "اہلحدیث" بھی ہفتہ وار چھاپ رہا ہے اور اب تک ساٹھ کے قریب کتابیں بھی لکھ چکا ہے اور ان تحریری خدمات کے علاوہ کچھ نہ کچھ تقریری خدمات بھی سرانجام دے رہا ہے۔ آپ کی دعاؤں کا محتاج ہے اور آپ سے باادب درخواست کرتا ہے کہ للہ فللہ اس کے لیے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ نے جس طرح دنیا میں نوازا ہے، اسے آخرت میں بھی سرخرو کرے اور رفیق اعلیٰ کا ساتھ عطا فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ!

دبانگ چکی) ان کے مشہور مناظر تھے وہ بلا لیے گئے، اور فاتحہ خلف الامام کا موضوع زیر بحث آیا ادھر مولینا ثناء اللہ صاحب تھے، مولوی نورشاہ صاحب ایک گھنٹہ بھی مناظرہ نہ کرسکے جب یار لوگوں نے دیکھا کہ بات بنتی نظر نہیں آتی تو وَالْغَوْا فِيْهِ کا حربہ استعمال کیا اور تالیوں کے زیر سایہ شاہ جی کو بچالیا، مگر کام ہو چکا تھا، بیسیوں نہیں سینکڑوں لوگ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے اور مولوی سردار محمد واعظ پنڈوریاں مع جمیع رفقاء اسی مناظرہ کے اثر سے اہل حدیث ہوئے۔ یہ یقیناً اہل حدیث کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

مناظرہ موضع بیری

موضع بیری تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے، وہاں ایک شخص مرزائی ہوگیا اور اس نے مرزائیت پھیلانے کے لیے مرزائی مولوی بلائے ادھر مسلمانوں نے بھی ان کی روک تھام کے لیے علماء بلائے اور بالآخر مناظرہ ٹھن گیا۔ ان دنوں مرزائیوں کے مشہور مناظر حافظ روشن علی تھے، مسلمانوں نے مولینا ثناء اللہ صاحب کو بلالیا۔ مناظرہ حیات وفات مسیح اور صداقت مرزا کے موضوع پر قرار پایا، مناظرہ شروع ہونے ہی کو تھا کہ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ:

"ابھی اگلے ہی دن مالیر کوٹلہ میں حافظ روشن علی نے مولینا ثناء اللہ صاحب سے مناظرہ کیا اور شکست فاش کھائی۔ پھر آج کس منہ سے سامنے آرہے ہیں!"

مولینا ثناء اللہ نے فرمایا: "بھئی! سنو حافظ روشن علی تو صرف مرزائیوں کے وکیل ہیں، اور وکالت کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جس طرح ایک وکیل کوئی مقدمہ ہار جائے، اور پھر دوسرے مقدمہ میں پیش ہو جائے، یا اسی

مقدمہ کی اپیل کے لیے دوسری عدالت میں جاکر وکالت کرے، تو اسے کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسی طرح حافظ صاحب کو بھی کوئی روک نہیں۔"

اس پر حافظ صاحب خوب ہنسے اور کہا: "یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

پھر جب مناظرہ شروع ہونے لگا تو حافظ صاحب روشن علی نے کہا کہ مدعی ہم ہیں، پہلی تقریر ہماری ہوگی، اور آخری بھی ہماری۔"

مولانا ثناء اللہ صاحب نے فرمایا: "کہ علم مناظرہ کی رُو سے تو یہ صحیح ہے مگر یہ مرزا صاحب کی سنت کے خلاف ہے۔ اس لیے آپ نہ پہلی تقریر کرسکتے ہیں، نہ آخری۔ پہلی اور آخری تقریر ہماری ہوگی، کیونکہ ہم معترض ہیں۔"

حافظ جی نے پوچھا: "کیسے؟"

مولانا نے فرمایا: یہ لو اپنی "تبلیغ رسالت" جلد اوّل جس کے صفحہ ۷ پر لکھا ہے:

"مرزا صاحب نے دیانند کی زندگی میں ان کو لکھا تھا کہ ہم آپ سے مسئلہ تناسخ میں بالمشافہ بحث کرنے کو تیار رہیں، مگر پہلے تقریر ہم کریں گے، کیونکہ ہم معترض ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قادیانی علم مناظرہ کا اصول یہ ہے کہ دعوای اور دلیل سننے سے پہلے ہی معترض کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے" ہمارا خیال ہے کہ اگر کوئی اور مرزائی مناظر ہوتا، تو یہ بات کبھی نہ مانتا، مگر حافظ روشن علی مان گئے، اور مولانا ثناء اللہ صاحب نے خلاف معمول تقریر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ روشن علی کا منہ بند ہوگیا۔

اس مناظرہ میں چند اور لطائف بھی ہوئے، حافظ روشن علی ذی علم تو تھے مگر بہت سیدھے سادے تھے اور مرزا جی کی تحریرات وارشادات سے منہ نہ موڑتے

نفے خواہ شکست ہی نصیب کیوں نہ ہو، اس مناظرہ کا اثر یہ ہوا کہ چھ مرزائی مسلمان ہو گئے۔ اور وہ شخص جو موضع بیری میں واحد مرزائی تھا، گاؤں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

یہ مناظرہ ۳۰ رجون ۱۹۲۲ئہ کو ہوا تھا۔

مناظرہ چک رجادی

موضع چک رجادی متصل لالہ موسیٰ ضلع گجرات میں احناف کا بہت زور تھا معدودے چند اہلحدیث بھی تھے، مولینا حکیم عبدالغنی صاحب سکنہ چک رجادی جب عالم شباب میں تھے تو تبلیغ کا بہت ذوق رکھتے تھے، اور تبلیغی جلسے منعقد کرتے رہتے تھے، آپ کے انہی تبلیغی جلسوں سے متاثر ہو کر احناف کو جوش آیا اور انہوں نے اہلحدیث کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا اِدھر سے بھی انکار نہ ہوا مولینا ثناء اللہ صاحب کو بلا لیا گیا اور "تقلید شخصی" ہی کے موضوع پر مناظرہ ٹھن گیا۔ فریق ثانی کی طرف سے مولینا عبدالعزیز صاحب آف گوجرانوالہ پیش ہوئے اور نہایت دھیمے دھیمے ایک گھنٹہ تک مناظرہ کرتے رہے مولینا ثناء اللہ کو ایسا موقع قدرت دے، بس سارے مجمع پر چھا گئے۔ مجمع میں ۹۸ فیصدی حنفی ہی تھے، جو کہہ رہے تھے، ہمارا مولوی ٹھنڈا پڑ گیا ہے، جواب نہیں دے سکتا۔ مجمع کا رنگ دیکھ کر مولوی کرم دین صاحب سکنہ "بھیں" ضلع جہلم آگے بڑھے، مولوی عبدالعزیز کو جبراً بٹھا دیا اور خود مناظرہ کے لیے آگے آئے، عین مناظرہ کی حالت میں ایک "مناظر" کو ہٹا کر دوسرے کا آگے آنا جو نتائج پیدا کرتا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

راقم الحروف خود یہ منظر دیکھ رہا تھا، مولانا ثناء اللہ خوب چہکے مولوی عبدالعزیز صاحب تو عالم تھے، کچھ تاب بھی لا سکتے تھے، مگر مولوی کرم دین صاحب تو آدھ گھنٹہ بھی نہ چل سکے۔ حتیٰ کہ حنفیوں ہی کے مقرر کردہ صدر کو اعتراف کرنا پڑا کہ اہل حدیث مناظر غالب رہا ہے، اور ہمارے مناظر اس کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے، جس کا اثر سارے علاقے پر پڑا اور اہل حدیث سے جو نفرت کی جاتی تھی سب دور ہو گئی۔

یہ مناظرہ ۳، ۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو ہوا تھا۔

مناظرہ میرپور

میرپور ریاست جموں جو جہلم سے صرف ۲۰ میل پر واقع ہے، وہاں جماعت اہلحدیث کے اکثر تبلیغی اجلاس ہوتے رہتے تھے، اور ہر سالانہ اجلاس پر کبھی احناف سے کبھی مرزائیوں سے مناظرہ بھی ہو جاتا تھا۔ آریہ سماجی بھی کئی بار اڈا اڈ کر آئے اور منہ کی کھا گئے۔ مگر یہ مناظرہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایک عجیب مناظرہ تھا۔ اگرچہ مناظرہ تو نہ ہوا، مگر ہونے سے زیادہ دلچسپ رہا۔

۱۳، ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۲۲ء کو انجمن اہل حدیث کا جلسہ ہونے والا تھا کہ احناف نے مناظرہ کا چیلنج دے دیا، اور ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ مناظر سند یافتہ ہو اگر بلا علمی سند کوئی مناظر سامنے آیا، تو اس سے مناظرہ نہیں کیا جائے گا۔

اہل حدیث نے اس شرط کو منظور کر لیا، اور مناظرہ کے لیے حضرت مولانا مرحوم کو امرتسر سے بلا لیا۔ احناف کی طرف سے مولوی کرم دین صاحب سکنہ بھیں ضلع جہلم، مولوی غلام احمد صاحب اخگر امرتسری، مولوی محمد عظیم گکھڑوی،

مولوی محمد مسعود چونڈہ وغیرہ جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے، اس مناظرہ کے لیے دور دور سے لوگ آئے ہوئے تھے، بہت سے ہندو مسلمان وکلا بھی جمع ہو گئے تھے۔ مبادیات طے ہو جانے کے بعد جب سندات دیکھنے کی باری آئی تو قرار پایا کہ "وکلا کی ایک کمیٹی فریقین کی سندات دیکھے اور اعلان کرے کہ فلاں عالم کے پاس فلاں فلاں سندات ہیں"۔

چنانچہ سب سے پہلے اس کمیٹی نے مولانا ثناء اللہ صاحب کی سندات دیکھیں اور اعلان کیا کہ مولانا کے پاس دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اور فلاں فلاں مدرسے کی سندیں ہیں، نیز آپ کے پاس پنجاب یونیورسٹی کی سند "مولوی فاضل" بھی موجود ہے۔ مگر فریق ثانی یعنی احناف کے علما میں سے کسی عالم کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ صرف مولوی کرم دین صاحب کے پاس دو سندیں ہیں مگر وہ تعلیمی سندیں نہیں ہیں بلکہ کسی مقدمہ کے دوران میں ایک حاکم عدالت کا اظہار رائے ہے جسے بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ بس پھر کیا تھا، مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا۔ احناف تو اتنے نادم اور شرمندہ ہوئے کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب نے گرج کر فرمایا: "حنفی بھائیو! جاؤ کوئی سند یافتہ عالم لاؤ اور مناظرہ کرو۔ ہم مناظرہ کے لیے تیار ہیں۔ یہ شرط چونکہ تمہاری اپنی پیش کردہ ہے، اس لیے اس کی پابندی لازمی ہے۔" بریلوی تو شرمندہ ہو کر مجمع سے نکل گئے، اور ان کے علما بھی یہ کہتے ہوئے چلتے بنے سے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

وکلا نے اصرار کیا کہ مولانا آپ ان بے سند علما ہی سے مناظرہ کر لیں، ہم

تو مناظرہ سننا چاہتے ہیں۔ مولینا نے فرمایا کہ "آپ تو ہمیشہ میرا مناظرہ سنتے ہی رہتے ہیں، امسال ہمیں ان سے ذرا اتنا ہی لکھوا دیجیے کہ ہم سب بے سند ہیں آئندہ یہ شرط نہیں لگائیں گے۔"

وکلا نے کہا: "وہ یہ بات کب لکھ کر دیں گے۔"

مولینا نے فرمایا: "اچھا آپ ہی اتنا لکھ دیں کہ وہ سب بے سند عالم ہیں۔"

وکلا نے کہا: "بہت اچھا ہم لکھ دیں گے، مگر ان سے پوچھ لیں۔"

جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "اگر آپ لکھ دیں گے تو ہم مناظرہ نہیں کریں گے۔"

بس پھر کیا تھا سب اپنا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے، مگر علاقہ میں مشہور ہو گیا کہ حنفی علماء بے سند نکلے اور اہلحدیث سند یافتہ۔



ایک بار تمیر پور میں ۳ رمئی ۱۹۲۰ء کو بھی "فرقہ ناجیہ" پر مناظرہ ہوا تھا جس میں مولوی کرم دین صاحب کو شکست فاش ہوئی تھی۔

مناظرہ منصور پور

یہ مناظرہ ۱۰ رمارچ ۱۹۲۴ء کو منصور پور متصل خانپور تحصیل مکیریاں ضلع ہوشیار پور میں ہوا، مناظرہ تحریری تھا، دو اصحاب فریقین کی طرف سے منصف تھے اور تیسرا منصف غیر مسلم چنا گیا تھا۔ یہ مباحثہ بڑا دلچسپ رہا مسئلہ زیر بحث "خلافت اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم" تھا۔ مباحثہ کی پوری روئیداد کتابی شکل میں چھپ گئی تھی، جو غالباً اب نایاب ہو گی۔ منصفوں کا فیصلہ مولینا ثناء اللہ ہی کے

حق میں رہا، آپ کے دلائل بہت قوی تھے، اور آپ نے شیعوں ہی کی کتابوں سے خلافت کا ثبوت پیش کیا تھا، اور حضرت علیؓ کی روایت سے اصحاب ثلاثہؓ کی خلافت کے ایسے حوالہ جات پیش کیے، کہ ان پر جرح کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی، خصوصاً جب آپ نے یہ فرمایا تو مجمع حیران رہ گیا۔ کہ شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے ؟

آپ نے فرمایا، "بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم دونوں مناظر دراصل وکیل ہیں، میرے مؤکل اصحاب ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمان رضوان اللہ علیہم) ہیں، اور فریق ثانی کے مؤکل حضرت علیؓ ہیں، شرعی اور قانونی اصول یہ ہے، کہ مدعا علیہ اگر اقبال دعویٰ کرے تو وکیل کو انکار کرنے کا حق نہیں، میں فریق ثانی (یعنی حضرت علیؓ) کا اقبال دعویٰ مصدقہ پیش کر دیا ہے، اس لیے وکیل فریق ثانی اگر انکار کرے تو اس کا انکار بے جا اور نا قابل سماعت ہوگا۔

اس مناظرہ کا اثر سارے علاقے پر بہت ہی اچھا رہا۔

مباحثہ واربرٹن

یہ مباحثہ ۱۸ رمئی ۱۹۲۴ء کو شیعہ بھائیوں سے ہوا۔ شیعوں کی طرف سے مولوی مرزا احمد علی لاہوری مناظر تھے، اور اہل سنت کی طرف سے حضرت مولانا ابوالوفا تھے، جنہیں خود حنفی بھائیوں نے دعوت دے کر بلایا تھا۔ موضوع بحث:

۱۔ مسئلہ خلافت۔

۲۔ مسئلہ تراویح۔

۳۔ غسل رجلین فی الوضو۔

شیعہ شیر پنجاب سے مناظرہ کرنے میں جھجکتے تھے، اس لیے سب سے پہلے

وہ اس بات پر اڑ گئے، کہ مناظرہ مابین اہلسنت و شیعہ ہے اور مولوی ثناء اللہ اہل حدیث ہیں اہل سنت نہیں، یہ مناظرہ نہیں کر سکتے۔

آپ نے جواباً فرمایا، کہ مرزا صاحب! اہل سنت ایک مقسم ہے جیسے: "ہندوستانی" اس کے ماتحت مختلف صوبوں کے لوگ ہیں، مثلاً پنجابی، بنگالی، سندھی، مدراسی، وغیرہ۔ آپ کسی بنگالی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہندوستانی نہیں، نہ کسی مدراسی کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ انڈین نہیں۔ اسی طرح اہل سنت میں حنفی بھی، شافعی بھی، مالکی بھی اور اہلحدیث بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علمائے احناف نے اس کی تائید کی، اور مناظرہ شروع ہوا۔

مسئلہ خلافت کے ضمن میں جب مولینا نے خود شیعہ ہی کی کتابوں کے حوالے دیئے۔ اور ان کی تفسیر "مجمع البیان طبرسی" اور "اصول کلینی" اور "نہج البلاغہ" سے حضرت عمرؓ کی خلافت ثابت کی، تو شیعہ مناظر اس کی کوئی تردید نہ کر سکا۔

مسئلہ تراویح میں بھی مولانا کا طرز استدلال ایسا رہا کہ شیعہ مناظر دنگ رہ گیا اور وضو میں پاؤں دھونے یا مسح کرنے کے موضوع پر جب مولینا نے شیعہ ہی کی کتابوں سے حضرت علیؓ کا خود پاؤں دھونا ثابت کر دیا، تو شیعہ مناظر کچھ ایسا لاجواب ہوا کہ پھر بولا ہی نہیں۔

الغرض اس مناظرہ کا اثر اتنا اچھا رہا کہ کئی شیعہ شیعیت سے تائب ہو گئے اور کئی حنفی احباب مولینا کے عالمانہ انداز بیان سے متاثر ہو کر اہل حدیث ہو گئے۔

مناظرہ تاندلیانوالہ

یہ مناظرہ ۲۳-۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء کو جلسہ اہل حدیث تاندلیانوالہ ضلع لائلپور

میں مسئلہ تقلید شخصی پر ہوا، حضرت مولینا ثناء اللہ کے مقابل مولینا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور لائے گئے۔ مرحوم شیخ الجامعہ کی علمیت میں تو کسی کو کلام نہ تھا۔ مگر مناظرہ میں نہ معلوم کیوں مدعی ہونے کے باوجود آپ تقلید شخصی کو واجب ثابت نہ کر سکے۔ آپ تقلید شخصی پر جو دلائل بھی لائے مولانا ابوالوفا نے توڑ کر رکھ دیئے، حتیٰ کہ شیخ الجامعہ "دعویٰ وجوب" ہی چھوڑ گئے، اور استحباب پر آگئے۔

بس پھر کیا تھا عوام پر اس کا خاص اثر پڑا، میدان اہلحدیث کے ہاتھ رہا اور عوام بھی سمجھ گئے، کہ تقلید شخصی کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس سے قبل شیخ الجامعہ کا ایک مناظرہ مولانا سے جلال پور پیروالا ضلع ملتان میں مسئلہ رفع یدین پر ہو چکا تھا جس میں ایک معزز رئیس ذی علم کو فریقین نے منصف مان لیا تھا جب اس نے فیصلہ دیا تو لوگ حیران رہ گئے کہ اس نے صدر احناف ہو کر رفعیدین کو کیوں کر سنت مان لیا اور کیسے یہ کہہ دیا کہ دلائل کی رُو سے مولانا ثناء اللہ غالب رہے۔ کوئی رفعیدین کرے یا نہ کرے بہرحال رفعیدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

مولینا غلام محمد صاحب کو اس وقت بھی بہت خفت ہوئی تھی۔ مگر تاندلیانوالہ کی شکست نے تو دور دور تک اہلحدیث کا بول بالا کر دیا، اور حنفی عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ میاں تقلید کوئی دینی امر نہیں ہے، نہ ہی ضروری ہے جو کرلے کرلے جو نہ کرے وہ گنہگار نہیں ہے، یہ تو ہمارے عالم بھی مان گئے ہیں۔

مناظرہ بادرہ

بادرہ ریاست بڑودہ (گجرات کاٹھیاوار) میں ایک قصبہ ہے، جہاں

احناف نے یہ شور مچا رکھا تھا کہ غیر مقلد کافر ہیں۔ اہلحدیث بھی وہاں موجود تھے اور روز بروز ترقی کرتے جاتے تھے، اس لیے ان کی روک تھام کے لیے بریلویوں نے بہت شور مچایا۔ بالآخر مناظرہ کی ٹھہری۔

احناف نے بریلی سے مولوی حشمت علی لکھنوی کو بلایا اور اہلحدیث نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو دعوت دی۔ قرار پایا کہ مناظرہ تحریری ہو۔ فریقین آدھ آدھ گھنٹہ میں پرچہ لکھیں اور پندرہ منٹ میں حاضرین کو سنا دیا کریں۔ اس طرح ۲۱، ۲۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو دو دن یہ مناظرہ ہوتا رہا۔ فریقین نے بارہ بارہ پرچے لکھے۔ مسئلہ زیر بحث "تکفیر اہلحدیث" ہی تھا۔ بریلوی فاضل نے اہلحدیث کو کافر ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا مگر بجز عبارات "تقویۃ الایمان" (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کے ان کے کفر پر کوئی دلیل نہ دے سکا۔ مولانا نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جملہ اعتراضات کو حل کر دیا، جس کا اثر بہت ہی اچھا رہا۔ غالباً یہ مناظرہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا، مگر ہم نے تو اس کی پوری کیفیت اخبار اہلحدیث مطبوعہ جنوری، فروری ۱۹۲۶ء میں دیکھی تھی۔

مناظرہ قادر آباد

یہ مناظرہ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب میں ۲۸ر اپریل ۱۹۱۴ء کو شیعوں کے ساتھ ہوا۔ شیعوں نے اس علاقہ میں بہت شور مچا رکھا تھا، اہلحدیث اس علاقہ میں نام کو بھی نہ تھے اس لیے حنفی بھائیوں نے اپنے علماء سے مشورہ کرنے کے بعد مناظرہ کے لیے مولانا ثناء اللہ ہی کو منتخب کیا۔ مولانا جب وقت پر پہنچ گئے تو شیعہ بہت گھبرائے اور انھوں نے شرائط طے کرنے میں پس و پیش سے کام لیتا

چاہا۔ تاکہ کسی طرح مناظرہ ٹل جائے۔

چنانچہ ایک شرط یہ تھی کہ فریقین کوئی لفظ دلآزار استعمال نہ کریں گے۔ شیعہ مناظر نے اس سے انکار کیا اور کہا: "اس شرط کے ہوتے ہوئے ہم اصحاب ثلاثہ رضؓ کے ایمان پر بحث نہیں کر سکتے۔"

چنانچہ اس پر بہت لے دے ہوئی اور بالآخر مولانا نے انہیں منوا لیا کہ بحث ہو سکتی ہے۔ ایک شرط یہ تھی کہ جو فریق ہار جائے اور منصف اس کی شکست کا فیصلہ دے دے وہ فریق ثانی (غالب) کا مذہب قبول کر لے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ ہمیں اس شرط کے قبول کرنے سے تو کوئی انکار نہیں مگر حقیقت یہ ہے، کہ اگر ہم ہار گئے تو ہم واقعی سچے دل سے شیعہ ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ مگر جب شیعہ ہار گئے تو اس امر کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ سچے دل سے سنی ہونے کا اعلان کریں گے، یا اپنے عقیدہ تقیّہ کی رُو سے سنی بن جائیں گے۔ کیونکہ تقیّہ تو ان کے مذہب کا مستقل مسئلہ ہے اس پر شیعہ مناظر بہت سٹ پٹایا اور کہا کہ "اس سے ہماری ہتک ہوئی ہے۔ کیونکہ ہم کو تقیّہ کی آڑ میں منافق اور بے ایمان بنایا گیا ہے۔"

اس پر مولانا نے کہا کہ "میں نے آپ کا مسلک بیان کیا ہے اور آپ کے عقاید کی تبلیغ کی ہے۔ کیونکہ آپ کی مشہور کتاب "کلینی" میں لکھا ہے کہ دین کے دس حصوں میں نو حصے تقیّہ میں ہیں۔"

جب مولانا نے تقیہ کی قلعی کھولی تو شیعہ بہت نادم ہوئے، اور نصف مناظرہ کا مزہ اسی شرط میں آگیا۔

مسئلہ خلافت میں مولانا نے فرمایا کہ چونکہ ہم مدّعی ہیں اس لیے آخری تقریر ہماری ہوگی۔ شیعہ مناظر (سید احمد شاہ) اس پر بھی اڑ گیا کہ آخری تقریر آپ کی نہیں

ہو سکتی۔

آپ نے فرمایا: کہ "فنِ مناظرہ کی رُو سے ہماری ہو گی۔"

شیعہ مناظر بولا: "اگر آپ ثابت کر دیں تو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا!"

آپ نے فرمایا: "ایک ہزار روپیہ جمع کیجیے میں دکھانے کے لیے تیار ہوں۔"

آپ نے کتاب "رشیدیہ" نکالی اور صاحب صدر سے کہا "ایک ہزار روپیہ لے کر ان سے جمع کر لیجیے میں دکھانے کے لیے تیار ہوں۔"

اب شیعہ روپیہ کہاں سے لائیں۔ آپ نے فرمایا "پانچ سو دیدو، ایک سو ہی دے دو، آخر جب انعام کا اعلان کیا ہے، تو کچھ تو نکالو، چلو دس ہی نکالو۔"

مولٰینا جوں جوں اس پر زور دیتے، شیعہ نادم ہوتے اور عوام اس سے بہت متاثر ہوتے جاتے تھے۔ بالآخر مولانا نے "رشیدیہ" سے عبارت پڑھ کر سنا دی تو شیعہ مناظر بولا: "آخر یہ قرآن تو نہیں ہے۔"

مولانا نے فرمایا: "آپ قرآن کو بھی کب مانتے ہیں، چلو انعام رکھو میں قرآن سے دکھانے کے لیے تیار ہوں۔" مولانا نے حمائل ہاتھ میں لے لی اور فرمایا "میں قرآن سے دکھاتا ہوں کہ مدعی کی ایک تقریر زائد ہوتی ہے، چلو پانچ روپے ہی انعام رکھ لو۔"

جب شیعہ اس سے بھی رہ گئے تو آپ نے فرمایا: "اگر تم آخری تقریر لینا چاہتے ہو تو نفی خلافت کے مدعی بن جاؤ اور تقریر لے لو۔"

اس پر شیعہ مناظر بولا "بھی کوئی نفی کا مدعی بھی ہو سکتا ہے؟"

مولانا نے گرج کر فرمایا: "تمہارے مبلغِ علم کا تو یہ حال ہے کہ قرآن تک نہیں جانتے اور مناظرہ کے لیے میدان میں آجاتے ہو، سنو قرآن مجید

تثلیث کی نفی کرتا ہے، کیا پھر مدعی بن کر اس پر دلائل نہیں دیتا، شرک کی نفی کرتا ہے کیا اس پر دلائل نہیں دیتا؟"

شیعہ اگرچہ لاجواب ہو گیا۔ مگر بات پر اڑا رہا کہ "آخری تقریر آپ کی نہیں ہوگی۔"

آپ نے یہ سمجھ کر کہ اب یہ خالی نہ جانے پائیں ان کی ہر بات مان لی اور مسئلہ خلافت پر تقریر شروع کر دی۔ مگر دلائل اتنے اہم اور زبردست پیش کیئے کہ شیعہ مناظر انہیں توڑ نہ سکا اور خصوصاً "نہج البلاغہ" کی اس عبارت کو مولینا نے پیش کیا کہ دیکھو حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کو خود لکھتے ہیں کہ:

"مجھ کو مہاجرین اور انصار نے خلیفہ بنایا ہے، جنہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو خلیفہ بنایا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی آپ نے "کلینی" سے یہ دکھایا کہ "حضرت علیؓ اگر عمرؓ کو ایسا ہی سمجھتے تھے تو اپنی بیٹی اُمِ کلثوم کا نکاح ان سے کیوں کر دیتے؟ جب یہ سب کچھ تمہاری کتابوں میں موجود ہے تو پھر تم ان کی دیانت، امانت اور خلافت سے انکار کیوں کرتے ہو؟"

شیعہ مناظر جب اس کا کوئی جواب نہ دے سکا تو بولا کہ یہ سب عبارتیں بنو امیہ کے زمانہ سے ہماری کتابوں میں ملا دی گئی ہیں۔"

اس پر مولینا نے فرمایا "جب تمہاری کتابوں میں کھوٹ مل گیا ہے، تو پھر یہ ساری کتابیں بے سند ہو گئیں۔ جس طرح اگر کسی اسٹامپ میں کوئی ایک لفظ بھی مشکوک ہو جائے تو وہ سارا تمسک ہی نا معتبر ہو جاتا ہے۔ اس طرح اب تمہاری ساری کتابیں نا معتبر ہو گئیں۔"

بس پھر کیا تھا شیعوں کا رنگ اڑ گیا حتیٰ کہ شیعہ صدر کہہ اٹھا کہ "ہمارا

مناظر کمزور ہے اور سنّیوں کا مناظر بہت بڑا عالم، تجربہ کار اور جہاندیدہ فاضل ہے۔ اس لیے ہم پھر تیاری کر کے مناظرہ کریں گے۔"

چنانچہ وہ دن اور یہ دن کہ پھر اس علاقے میں شیعوں نے کبھی سر نہیں اٹھایا اور نہ ہی مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔

مباحثہ جبل پور

۳۱ رمئی یکم و ۲ جون ۱۹۱۵ء کو جبل پور میں آریہ سماج سے ایک عظیم الشان مناظرہ ہوا، مناظرہ دس دن قرار پایا تھا مگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے صرف تین ہی دن کی اجازت دی اس لیے تین ہی مسائل پر بحث ہوئی۔

۱۔ توحید فی الصفات۔

۲۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے یا ویدک دھرم۔

۳۔ مسئلہ تناسخ۔

مسلمانوں نے ہر چند کوشش کی کہ مناظرہ تحریری ہو جیسا کہ پہلے نگینہ اور دیوریا میں ہو چکا تھا۔ مگر آریہ سماجی نہ مانے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تحریری مناظرہ میں ہم جھوٹ نہیں بول سکیں گے، نہ ہی اپنی فتح کا نقارہ بجا سکیں گے۔ کیونکہ تحریری مناظرہ میں تو فریقین کے پرچے شائع ہو جائیں گے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ حق اور باطل کا اندازہ لگانے میں مختار ہو گا۔ اس لیے وہ تحریری مناظرہ پر کسی صورت بھی رضامند نہ ہوئے۔ اگر مسلمان بضد ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ مناظرہ ہی سے انکار کر دیتے۔ مگر مسلمان چونکہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے تقریری مناظرہ ہی مان لیا۔

آریہ سماج کے فرار کی دوسری دلیل یہ تھی کہ انہوں نے کہا کہ مناظرہ کا سارا خرچ مسلمان برداشت کریں ورنہ ہم مناظرہ نہیں کرتے۔ مسلمان یہ بھی مان گئے کہ کسی طرح مناظرہ ہو جائے۔ اور یہ اب بھاگنے نہ پائیں۔ چنانچہ مناظرہ ہوا، فریقِ ثانی کی طرف سے پنڈت بھوجدت جی آریہ مسافر آگرہ معہ اپنے فرزند ارجمند پنڈت دھرم بیرو پنڈت لکشمی دت آئے تھے۔ مولینا نے تین دن میں ان کی وہ گت بنائی اور ان کے مسائل و عقاید کی وہ دھجیاں اڑائیں کہ وہ عمر بھر اس مناظرہ کو یاد رکھیں گے۔

مسلمانوں کی اس فتح کا اثر صرف جبل پور ہی میں نہیں بلکہ سارے علاقے میں اتنا ہوا کہ پھر آریوں نے اس کے بعد مناظرہ کا نام نہیں لیا۔

مباحثہ ہوشیار پور

۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ہوشیار پور میں عیسائیوں سے آپ کا ایک شاندار مناظرہ ہوا، عیسائیوں کی طرف سے مناظر پادری جوالا سنگھ تھے جو بہت بڑے معقولی سمجھے جاتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ عیسائیوں میں سب سے زیادہ منطقی تھے اور بغیر منطق کے کوئی بات نہ کرتے تھے۔ مگر مولانا بھی منطق میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

پہلے مناظرہ میں پادری صاحب نے خدا کے علم پر بطریق معقول سوال کیا اور مولانا نے منطق ہی کی رُو سے اس کا جواب دیا اور خوب جواب دیا۔

پھر دوسرے مناظرہ میں مولینا نے مسیح کی ماہیت پر بطریق منطق سوال کیا اور پادری صاحب نے اس کا جواب دیا۔ مگر اس مناظرہ میں مولینا نے پادری صاحب

کو منوالیا کہ مسیح جس کو عیسائی لوگ ابن اللہ اور خدا کا اقنوم ثانی کہتے ہیں، اپنے وجود میں ممکن بالذات اور ہستی میں خدا کا محتاج تھا۔ موقعہ بموقعہ آپ کا آیات قرآنیہ پیش کرنا اور حسب حال اشعار پڑھنا عجیب لطف دیتا تھا۔ اور یہ مناظرہ تو خاص طور پر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، اس مناظرہ میں پادری صاحب جو الانگھ کی ساری شیخی کر کری ہو گئی اور مسلمان اسلام کی اس شاندار فتح پر بہت ہی خوش ہوئے۔

مناظرہ بُدھوآنہ

یہ مناظرہ احناف سے مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء مطابق ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ کو بمقام بدھوآنہ ضلع جھنگ ہوا۔ احناف کی طرف سے مولوی غلام حسین شاہ مظفر گڑھی مناظر تھے۔ اور مبحث مسئلہ تقلید شخصی تھا، احناف کی طرف سے حَکَم یا صدر مولوی غلام محمد کھوٹوی اور اہل حدیث کی طرف سے مولوی محمد یار صاحب محدث حویلی بہادر شاہ مقرر تھے۔ خاتمہ پر دونوں حَکَموں نے اپنے اپنے فیصلے بھی لکھ دیئے مگر افسوس کہ مناظروں کے پرچے تحریری نہ ہوئے، ورنہ ہمیشہ کے لیے سند ہو جاتے۔

یہ مناظرہ بوجوہات اپنے علاقے میں بہت اہمیت کی نظروں سے دیکھا گیا ہے اور ذی علم حاضرین نے اس پر محاکمہ بھی کیا جو اشتہار کی شکل میں چھپ گیا۔ مگر عوام نے مولانا ثناء اللہ کے اس ارشاد کو ہمیشہ کے لیے پلّے باندھ لیا کہ:

"اصول فقہ کی مشہور کتاب "جمع الجوامع" میں تقلید کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۱

کسی عالم کی بات کو دلیل جاننے کے بغیر مان لینا "

یعنی جب کوئی عالم کسی غیر عالم کو مسئلہ بتلائے تو وہ غیر عالم خاموشی سے سنے اور یہ نہ پوچھے کہ اس کی دلیل کیا ہے (پس ایسی صورت میں وہ مقلد ہوگا) اور اگر دلیل پوچھے گا اور دلیل کا علم حاصل کرے گا، تو تقلید سے نکل جائے گا۔ پس جو عالم فقہ کی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان میں چونکہ مسائل فقہ پر دلائل بھی مرقوم ہوتے ہیں پس ان دلائل پر اطلاع پانے سے کوئی حنفی مولوی مقلد نہیں رہ سکتا۔ پھر تقلید تقلید کی رٹ لگانا بے معنی نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کے بعد جب آپ نے رد المختار شامی جلد ا صفحہ ۵۳ کا یہ حوالہ دیا **فتحصل مما ذکرنا انه لیس علی الانسان التزام مذهب معین** "یعنی اس بیان سے ثابت ہے کہ کسی انسان پر ایک مذہب معین کی پابندی کرنی لازمی نہیں" — تو معاملہ اور بھی صاف ہو گیا۔ خصوصاً جب حنفی مناظر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا تو عوام نے تقلید کی حقیقت کو جان لیا اور اس کا غیر ضروری ہونا مان لیا۔ اس مناظرے سے پورے علاقے میں خوشگوار اثر رہا۔

مباحثہ حافظ آباد

یہ مباحثہ ۲، ۳ ستمبر ۱۹۲۸ء کو حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں عیسائیوں سے ہوا۔ پہلے دن عیسائیوں کی طرف سے پادری سلطان محمد پال پیش ہوئے، مگر جب وہ مولانا کی تاب نہ لا سکے تو دوسرے دن پادری عبدالحق پروفیسر این۔ آئی۔ یو اے، کالج سہارنپور کھڑے ہو گئے، مناظرہ پہلے دن "اسلامی توحید" پر ہوا اور دوسرے دن "الوہیت مسیح" پر، مگر دونوں مناظروں میں اہل اسلام کی فتح ہوئی، اور عیسائیو

کو شکست فاش ۔جس کی دلیل یہ ہے کہ عیسائی چھ ماہ تک اس مناظرہ کا تذکرہ "نورافشاں" میں کرتے رہے، اور چیختے چلاتے رہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے جو رپورٹ شائع ہوئی اس پر حافظ آباد کے ہندؤوں اور سکھوں کے دستخط بھی لے لیے گئے تھے، کہ عیسائی مناظر کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔ اس لیے ضروری تھا کہ عیسائی سٹ پٹاتے، شور مچاتے اور پھر مناظرہ کا چیلنج دیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر اس کا نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔

مناظرہ جلال پور پیر والہ

یہ مناظرہ ۵ راکتوبر ۱۹۲۸ء کو جلال پور پیروالا ضلع ملتان میں مسئلہ رفع الیدین پر ہوا۔ احناف کی طرف سے مولوی غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ مناظر تھے اور مولینا مرتضیٰ حسن دیوبندی ان کے معاون۔ اہلحدیث کی طرف سے مولانا ثناء اللہ مرحوم پیش ہوئے۔

یہ مناظرہ بڑا معرکے کا مناظرہ تھا اور ایک حد تک تحریری بھی تھا۔ اور فریقین نے تحریری طور پر مخدوم دیوان سید محمد غوث صاحب کو منصف بھی مان لیا تھا۔ دیوان صاحب اپنے علاقہ میں صاحب اثر ورسوخ ہونے کے علاوہ بہت بڑے جاگیردار اور صاحب علم وفضل بھی تھے۔ چنانچہ ان کا تحریری فیصلہ ان کی علمی فضیلت اور قابلیت پر دال ہے جو کئی صفحات پر ہے، ہم اس فیصلہ کے چند جملے جو امور تنقیح سے تعلق رکھتے ہیں بطور نمونہ نقل کیے دیتے ہیں، کیونکہ یہی سارے مناظرہ کی جان بھی ہیں۔ پورا فیصلہ کتابی صورت میں مطبوع ہے۔ اور اخبار اہلحدیث ۱۹ راکتوبر ۱۹۲۸ء میں بھی چھپ چکا ہے جو دیکھنا چاہے

وہاں پورا دیکھ سکتا ہے۔

نقل فیصلہ

۱۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے رسول کریمؐ کے نماز میں رکوع کے اول آخر رفع یدین کرنے کی بابت حدیث صحیح ترمذی ابو حمید ساعدیؓ سے جو پیش کی اور اس کے جواب میں مولوی غلام محمد صاحب نے اس سلسلہ کے ایک راوی عبدالحمید بن جعفر کو مطعون قرار دیا اور محمد بن عمر کا سماع ابو قتادہ سے ناممکن بیان کیا، اور عطا بن خالد کے واسطہ سے دیگر کتب سے ایک راوی کو اجمل مجہول قرار دیا اور کہا کہ علماء کا حاکم اور ترمذی کے متعلق فیصلہ ہے، کہ ان کی تصحیح و تحسین پر کوئی اعتماد نہیں۔ مولوی غلام محمد صاحب نے اپنے اس بیان پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جسے دیکھ کر یہ معلوم کیا جا سکے کہ مولوی صاحب کا بیان صحیح ہے یا غلط؟

۲۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے ابوداؤد کی جو حدیث پیش کی تھی نیز یہ بھی کہا کہ ابوداؤد کا اصول ہے کہ جس حدیث پر سکوت کرے وہ صحیح ہے جس کا جواب مولوی غلام محمد صاحب نے یہ دیا کہ جرح مفصل کے ہوتے ہوئے تصحیح مبہم قابلِ اعتماد نہیں۔ مگر یہاں بھی مولوی غلام محمد صاحب نے جرح مفصل کا حوالہ نہیں دیا بلکہ خود اپنی تقریر کو بغیر ثبوت دیئے جرح مفصل کے ابہام میں ڈال دیا۔

۳۔ اس کے بعد مولوی غلام محمد صاحب نے ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث سے مطلقاً رفع یدین کو تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ متنازعہ فیہ امر یہ ہے کہ رفع یدین حضورؐ نے آخر زندگی تک کی ہو جس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے

رفع الیدین کے بقا و دوام کے متعلق فرمایا کہ جملہ **ما کنت اقدمنا** دلالت کرتا ہے کہ یہ جھگڑا بعداز رسالت مآب کے ہوا جس پر مولوی غلام محمد صاحب نے کہا کہ جب صحابہؓ نے **صدقت** کہا تو پھر جھگڑا ہی کیا، یہاں پر مولوی غلام محمد صاحب نے آنحضرت کے رفعیدین کرنے کو تسلیم کرتے ہوئے صرف یہ کہا کہ یہ حدیث بقائے رفعیدین کو ثابت نہیں کرتی۔ مگر دیکھو شرائط نامہ کا فقرۂ اول جس کی رُو سے اس بات پر مناظرہ نہیں ہو رہا کہ دوام رفع یدین ثابت کی جائے بلکہ مطلقاً رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الرأس پر مناظرہ ہے۔

۴۔ جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے بیہقی کی حدیث پیش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر دم تک رفع یدین کرتے رہے، تو مولوی غلام محمد صاحب نے اس حدیث کے راویوں سے عصمہ بن محمد انصاری کو رجال کے حوالہ سے متروک اور عبدالرحمٰن بن خزیمہ کو ذہبی کے حوالہ سے وضع الحدیث کے ساتھ متہم بتایا، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔

۵۔ پھر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حدیث بخاری سے ابن عمر کی روایت بیان کی کہ وہ رکوع میں رفع الیدین کرتے تھے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں۔ مولوی غلام محمد صاحب نے یہ جواب دیا کہ حدیث مذکور کو فتح الباری میں نافع کی روایت سے موقوف کہا گیا ہے، حالانکہ فتح الباری میں جو روایت موقوف ہے وہ عبدالوہاب سے ہے، اور حدیث مذکور عبدالاعلیٰ سے ہے، جس کو بخاری مرفوع لکھتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث جو موقوف بیان کی گئی ہے وہ نہیں بلکہ مرفوع ہے، اور ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفعیدین کرتے رہے۔

۶۔ چونکہ رکوع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع الیدین کرنا ثابت ہو

چکا ہے، اور اس کے برخلاف مولوی غلام محمد صاحب نے رفع الیدین منسوخ ہونے کی کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ اس لیے رفع الیدین فعل رسول اللہ کا بحال رہنا ثابت رہا۔"

پس میں اپنے پروردگار عالم کو حاضر ناظر جان کر اپنے ایمان سے یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ رفع الیدین فعل رسول ہے اور سنت ہے۔

(دستخط) دیوان محمد غوث صدر مناظرہ جلالپور پیر والہ مرقومہ ۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مناظرہ حیدرآباد سندھ

آریہ سماج حیدرآباد سندھ نے اپنے سالانہ جلسے میں انجمن نصرت الاسلام کو چیلنج دیا کہ اگر وہ ہم سے مناظرہ کرنا چاہے تو مناظرہ کرلے۔ ادھر دیر ہی کیا تھی، چیلنج منظور کر لیا گیا انجمن نے بابا خلیل داس کو بہار سے، مولوی عصمت اللہ اور مولوی عبدالحق ودیارتھی کو لاہور سے مولوی شمس الحق صاحب کو پشاور سے اور مولانا ثناء اللہ کو امرتسر سے بلا لیا۔ اور آریوں نے بھی اپنے چیدہ چیدہ مناظر جمع کر لیے۔ مناظرہ ۱۲ سے ۱۷ جنوری ۱۹۲۹ء چھ دن تک ہونا قرار پایا اور اہل اسلام کی طرف سے قرعۂ فال بنام مولانا ثناء اللہ ہی نکلا۔

مسئلہ تناسخ پر مولانا نے پنڈت ستیہ دیو سے مناظرہ کیا اور الہامی کتاب کے موضوع پر جب مولانا نے یہ فرمایا کہ وید محرّف ہیں اور ان کی تحریف کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ویدوں کے متعدد ایسے نسخے ہمارے پاس موجود ہیں جن میں چند منتروں ہی کی نہیں بلکہ کئی کئی صفحوں کی کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ مگر بخلاف اس کے آپ قرآن کریم کے دو نسخے بھی ایسے پیش نہیں کر سکتے۔ جن میں عبارت کا باہم

اختلاف ہو۔ دلائل تو آپ نے بہت سے پیش کیے، مگر اس دلیل پر پنڈت دھرم بھکشو بھونچکے سے ہو گئے۔ کیونکہ اس کا کوئی جواب ہی ان کے پاس نہ تھا۔

الغرض یہ مناظرہ بڑا کامیاب رہا اور سندھ میں اس کے بعد پھر کوئی اتنا کامیاب مناظرہ نہیں ہوا۔

مناظرہ بھڑی شاہ رحمان

بھڑی شاہ رحمان متصل پنڈوریاں تحصیل وزیر آباد میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں جب شیعوں نے زور پکڑا تو سنیوں سے مناظرہ قرار پا گیا۔ سنیوں نے جب ادھر ادھر دیکھا تو مولانا ثناء اللہ کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ مناظرہ "ایمان اصحاب ثلاثہ رضؓ" پر تھا اور فریق ثانی کی طرف سے مرزا احمد علی کو جوان کے ہاں استاذ المناظرین اور رئیس المتکلمین ہیں بلایا گیا تھا۔

اس مناظرہ میں خود راقم الحروف کو بھی شرکت کا موقعہ ملا تھا، اور شیعہ مناظر کے استدلال سن کر استعجاب ہوا تھا۔ کہ یا الٰہا! کیا اس نوعیت اور اس قابلیت کے علماء بھی مناظر ہو سکتے ہیں۔

مولانا نے پہلے تو قرآن کریم کی آیات سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ایماندار ہونا ثابت کیا اور ثبوت میں خود شیعہ مفسرین کی تفسیریں پیش کر دیں۔ پھر حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے ثابت کیا۔ اور فرمایا کہ اگر وہ مسلمان نہ تھے تو حضرت علیؓ جیسے غیور انسان نے یہ نکاح کیوں دیا؟

پھر "فروع کافی" سے بتایا کہ امام ابو عبداللہ نے ایک عورت کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھا کر، اگر وہ ایماندار نہ تھے تو انہوں نے یہ حکم کیوں دیا؟

الغرض مولانا نے اس قسم کے کئی دلائل پیش کیے جن کو شیعہ مناظر نہ توڑ سکا نہ ان کی کوئی تاویل کر سکا۔ ہاں اگر کہا تو یہ کہا کہ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول منقول ہے کہ:

"اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کا کہا مان جاتا یعنی زلیخا سے بدکاری کر لیتا"
چونکہ یہ رسول اللہ پر افترا اور زنا کاری کا الزام ہے، اور صحیح بخاری سنیوں کی کتاب ہے اور اصحابِ ثلاثہ اور سنی ایک مذہب کے ہیں لہذا اس روایت کی بنا پر وہ کافر ہیں"

ایک مثل سنی تھی کہ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" مگر آج اس کی تصدیق ہو گئی کہ واقعی کسی کو کافر بنانے کے لیے ایسے استدلال بھی ہو سکتے ہیں۔ شیعہ بہت خوش ہوئے۔ سنی بھی حیران تھے کہ اب ہمارا مناظر اس کا کیا جواب دے گا۔ مگر مولانا نے ہنس کر فرمایا "مرزا صاحب! کاش! آپ نے قرآن پڑھا ہوتا۔ سنیے جناب! یہاں داعی سے مراد وہ شخص ہے جو بادشاہ کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے پاس قید خانہ میں بلانے کے لیے گیا تھا۔ اس کو حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ[1] "اے داعی! اپنے بادشاہ کے پاس جا اسے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے، جنھوں نے دعوت کے وقت ہاتھ کاٹ لیے تھے"

اس سے غرض حضرت یوسفؑ کی یہ تھی کہ میرے معاملے کی تحقیق ہو تاکہ میں الزام سے بری ہو جاؤں۔ اس پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت یوسف کے کمال صبر اور حوصلے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لَوْ لَبِثْتُ مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ۔ اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا،

---

[1] سورۂ یوسف آیت نمبر ۵۰

جتنی مدت یوسفؑ رہے، تو میں فوراً بلانے والے کے ساتھ چلا جاتا۔

یہاں داعی زلیخا نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو بادشاہ کی طرف سے حضرت یوسفؑ کو قید خانہ میں بلانے آیا تھا۔ چنانچہ حاضرین تو اس پر عش عش کر اٹھے مگر شیعہ مناظر وہی رٹ لگاتے چلے گئے کہ میں نہ مانوں، میں نہ مانوں۔

اس مناظرہ کا اثر بھی سارے علاقہ پر بہت اچھا رہا اور عوام الناس سمجھ گئے کہ شیعہ کیوں کر دھوکہ بازی اور تاویل سازی سے کام لیتے ہیں۔

یہ مناظرہ ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ہوا تھا۔

مناظرہ بٹالہ

بٹالہ جو قادیان سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اور قادیان کا دروازہ ہے۔ یوں تو یہاں سینکڑوں مناظرے ہوئے اور انجمن اہلحدیث کے ہر سالانہ جلسہ پر قریباً مرزائیوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ مگر پھر بھی ایک مناظرہ جو ۲۰ فروری ۱۹۳۲ء کو ہوا بہت شاندار رہا۔ اس مناظرہ کا موضوع تھا "مرزا صاحب کی عمر"۔

مولانا کے مدمقابل مولوی غلام رسول آف راجیکی تھے۔ مولانا نے فرمایا:

"آج میں یہ نہیں کہوں گا کہ مرزا صاحب کی ۷۵ اور ۸۰ سال کے درمیان تھی بلکہ یہ ثابت کروں گا کہ مرزا صاحب کی عمر ایک ہزار ۳۱ سال تھی۔ لوگ بھی حیران تھے اور خود مرزائی مناظر بھی حیران تھا کہ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں اور کیا دعویٰ کر رہے ہیں۔

مگر عوام کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب آپ نے خود مرزا صاحب کی تحریرات ہی سے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی مرزا صاحب نے اپنی عمر آپ ہی ایک

ہزار سال بتائی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کی کتابوں سے یہ نکال دکھایا کہ مرزا صاحب "لیکچر سیالکوٹ" میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے۔" اور تحفہ گولڑویہ ص۹۵ میں فرماتے ہیں، کہ "میں دنیا کے عمر کے چھٹے ہزار میں پیدا ہوا ہوں جبکہ چھٹے ہزار سے ۱۱ سال باقی تھے۔"

پھر فرمایا: "خلیفہ محمود نے اس کی تصدیق یوں کی ہے کہ "مسیح موعود (مرزا صاحب) نے ساتوں ہزار کا دور پورا کر لیا۔ دوسرا دور بھی آپ ہی نے شروع کیا۔ پہلے سات ہزاری دور کے آپ خاتم ہیں۔ دوسرے دور کے آپ ہی آدم ہیں۔ اب آئندہ آپ کی نسل سے انبیاء پیدا ہوں گے۔"

(الفضل ۱۴ ر فروری ۱۹۲۸ء)

مرزائی مناظر نے ہر چند کوشش کی کہ اس کی کوئی تاویل کرے مگر کچھ نہ بن سکا اور عوام مرزا صاحب کی اس بیہودہ اور اسی قسم کی دیگر تحریرات سے جو مولینا نے پیش کیں اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے نام سے بھی بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

مناظرہ الہ آباد

یہ مناظرہ الہ آباد یو۔پی میں ۴ ۔ ۵ راگست ۱۹۳۴ء کو عیسائیوں سے ہوا۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری عبد الحق پیش ہوئے موضوع بحث مسئلہ توحید و تثلیث تھا، اثباتِ توحید کے مدعی مسلمان تھے اور اثبات تثلیث کے عیسائی۔

پادری عبد الحق نے کچھ منطقی اصطلاحات حفظ کر رکھی تھیں۔ جنہیں موقعہ، بے موقعہ بیان کرتے رہتے تھے اور عوام سمجھتے تھے کہ پادری صاحب بڑے جید عالم ہیں، مگر مولینا کے سامنے ان کی منطق کی بھی کرکری ہو گئی، کیونکہ جب وہ

اپنے دعوٰی کی دلیل میں کوئی منطقی اصطلاح پیش کرتے تو مولانا اس کی وضاحت اور مثال طلب کرتے جو پادری صاحب پیش نہ کرسکتے۔ مولینا اپنے وقت میں خود اس کی صراحت فرماتے اور پہلے پادری صاحب کی مغلق تقریر کو عام فہم الفاظ میں بیان کرتے۔ پھر اس کا جواب دیتے۔ جس کا اثر اہالیانِ الہ آباد اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ پر اتنا پڑا کہ سب عش عش کر اٹھے۔

خصوصاً جب مولینا نے تثلیث کی تردید کی اور عوام کو بتایا کہ یہ توحید کے علمبردار تو الوہیت مسیح کے قائل بھی ہیں۔ تو پادری صاحب پریشان ہوکر بول اٹھے: "کون کمبخت الوہیت مسیح کا قائل ہے"۔

بس آپ کا یہ کہنا تھا کہ عیسائی دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ پادری صاحب یہ کیا کہہ گئے، اس پر مولینا نے انہیں خوب آڑے ہاتھوں لیا اور مناظرہ بڑی کامیابی سے اختتام کو پہنچا۔

مباحثہ میرٹھ

۱۲، ۳ مارچ ۱۹۳۵ء کو دارالعلوم عربیہ میرٹھ کا جلسہ ہوا جس پر مرزائیوں سے مناظرہ بھی ٹھن گیا۔ موضوع "مرزا صاحب کا آخری فیصلہ" قرار پایا"

مرزائیوں کی طرف سے اُب کے لاہوری پارٹی سامنے آئی، اور مولوی اختر حسین مبلغ اور مولوی عمرالدین شملوی پیش ہوئے۔ جنہیں مولینا ثناء اللہ نے ایسا پریشان کیا کہ وہ اس موضوع پر چل ہی نہ سکے۔

مولانا بار بار مرزا صاحب کے اس اشتہار کی یہ عبارت عوام کو سناتے تھے، کہ اے خدا میں تیرے تقدس کا دامن پکڑ کر عرض کرتا ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ

میں سچا فیصلہ فرما جو تیری نگاہ میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہلاک کر۔ آمین "

مولینا عوام سے پوچھتے کہ بھائیو! بتاؤ میں زندہ ہوں یا نہیں؟ اور مرزا صاحب قادیان میں مدفون ہیں یا نہیں؟ کیا مرزا صاحب جیسے مسیح موعود، مہدی معہود اور نبی کی دعا مردود ہوسکتی ہے؟ اگر ان کی دعا مردود ہے تو صاف صاف کہو وہ خود بھی مردود ہیں۔ ورنہ ہم تو کہیں گے کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر دیا۔

اس مباحثہ کا اثر عوام پر بہت ہی اچھا رہا اور اس علاقہ سے ایک حد تک مرزائیت کا قلع قمع ہو گیا۔

مناظرہ دینانگر

آریہ سماج دینانگر ضلع گورداسپور نے مرزائیوں کی چھیڑ چھاڑ سے کچھ دن بہت شور مچایا۔ اور مسلمانوں کو بار بار مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مرزائیوں نے مشہور کر رکھا تھا، کہ ہمارے سوا اور کون مناظرہ کرے گا؟ مسلمانوں نے مولینا ثناء اللہ صاحب کو بلایا اور یہ مناظرہ اتنا کامیاب رہا کہ آریوں کے ساتھ ہی مرزائیوں کا منہ بھی کالا ہو گیا۔

مناظرہ "ابطال وید" کے عنوان پر تھا، آریہ مناظر "آریہ مسافر" کا ایڈیٹر پریم چند تھا۔ مولینا نے "ابطال وید" پر وہ عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے کہ پریم چند حیران و ششدر رہ گیا۔ میدانِ مناظرہ میں تو وہ شکست کھا گیا۔ مگر بعدہٗ مدت تک اپنے اخبار میں اس کا تذکرہ کرکے آنسو بہاتا رہا اور جو جواب بوقت مناظرہ نہ

سوجھے تھے اخبار میں شائع کرکے اس کی تلافی کرتا رہا۔ یہ مناظرہ ۳ر اگست ۱۹۳۶ء کو ہوا تھا۔

مناظرہ وزیر آباد

پچھلے صفحات پر "بداہت و برجستگی" کے تحت مختصراً اس مناظرے کا ذکر آیا ہے،

اس مناظرہ میں جب حضرت مولانا نے قادیانیت کی عمارت ادھیڑنا شروع کی تو قادیانی مناظر پروفیسر سلیم جو نوجوان ہی تھا، بوکھلا گیا۔

اثنائے مناظرہ حسب عادت مولانا نے یہ شعر چست کیا ؎

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں کہ چپ رہو خدا کے لیے

اس پر قادیانیوں نے اودھم مچا دیا کہ یہ شعر مناسب نہیں۔ اور اس معاملہ کو بہت طول دیا۔ مولانا ظفر علی خاں جو اس مناظرہ کے ثالث تھے۔ انہوں نے کہا: "یہ شعر نامناسب نہیں بلکہ فحش سے پاک اور برمحل ہے۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: مطلب صرف اتنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ قیامت کے روز فریاد کریں گے:

"کہ خداوندِ عالم! مرزا غلام احمد سے پوچھ کہ اس نے مسلمانوں میں کیوں تفرقہ ڈالا؟ اور مرزا قادیانی منتوں سے کہیں گے کہ میاں خدا کے لیے چپ رہو یہاں تو نہ بولو"

اس برمحل شعر کی یہ دلچسپ تشریح سن کر حاضرین بڑے محظوظ ہوئے۔ اور

پوری محفل زعفران زار بن گئی۔ اور قادیانی کافی زچ ہوئے۔

قادیانی مناظر چونکہ نوعمر تھا ــــ موقع کا شعر آپ نے اس پر بھی چست کر دیا ؎

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن ان کا
دو جفا کاروں کے قبضہ میں ہے جوبن ان کا

قادیانی مناظر تاب نہ لا سکا اور میدان چھوڑ گیا۔ باطل سرنگوں ہوا اور حق کو فتح ہوئی۔

مشہور قلم کار مولانا ملک ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی لکھتے ہیں:

"ہمارا یقین ہے کہ اگر اس قسم کے دو تین مناظرے مختلف مقامات پر ہو جائیں تو پنجاب سے قادیانیت کا بیج اکھڑ جائے۔"

مناظرہ سیالکوٹ

سیالکوٹ شہر میں عیسائی مشن اور احناف کے مابین مناظرہ ہوا۔ عیسائی مشن نے اہل اسلام پر اعتراض کیا کہ "اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت محمدؐ صاحب میں چالیس مردوں کی طاقت تھی تو عائشہ صدیقہؓ میں یہ مجال کہاں کہ نو سال کی عمر میں اتنی طاقت برداشت کر سکے۔ مگر اہل اسلام اس کے جواب سے عاجز رہے۔

مولانا ثناء اللہؒ کو امرتسر سے بلایا گیا آپ نے دو ہی فقروں میں اس اشکال کو حل کر دیا۔

آپ نے عیسائی مشن سے سوال کیا: "اے عیسائی دوستو! ذرا بتاؤ۔ کہ

طاقت محدود زیادہ ہے یا غیر محدود؟
تو عیسائی مشن نے کہا: "طاقت غیر محدود زیادہ ہے"
حضرت مولانا نے فرمایا: عیسائی عقیدہ کے مطابق جب حضرت مریم علیہا السلام غیر محدود خدائی طاقت برداشت کر سکتی ہیں۔ تو کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محدود (چالیس مردوں کی) طاقت برداشت نہیں کر سکتی؟" — چنانچہ عیسائی مشن لاجواب ہو گیا۔
پھر کیا تھا۔ حضرت مولانا کا یہ کہنا ہی تھا کہ اہل اسلام نے آپ کو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اور عیسائی مشن خائب و خاسر ہو کر اپنی کتابیں اٹھا کر میدان مناظرہ سے چلا گیا۔

خاتمہ

مناظروں کا باب اتنا طویل ہے کہ اگر اسے مختصر سے مختصر بھی لکھا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اب ہم بیسیوں نہیں سینکڑوں وہ مناظرے جو ابھی تحریری صورت میں مل سکتے ہیں محض اختصار کے پیش نظر چھوڑ رہے ہیں۔ اگر قدرت نے موقعہ دیا اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو انشاء اللہ پھر کسی وقت اس موضوع پر تفصیلاً کچھ عرض کریں گے فی الحال تو سیرت کے اس باب کو نبھانے کے لیے اختصاراً کچھ اشارے دے دیئے گئے ہیں۔ جنہیں کافی سمجھنا چاہیئے۔

جماعتی انتشار

اگرچہ آپ کی تصنیفات اور تالیفات کا اجمالی ذکر پہلے ہوچکا ہے، اور یہ بھی لکھا جاچکا ہے، کہ آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جو تصنیف کا صحیح موقعہ اور محل پہچانتے اور بروقت کوئی کتاب لکھ دیا کرتے تھے، اور مخالف کی ہر تصنیف کا فوری جواب دینا بھی آپ ہی پر موقوف تھا۔

سوامی دیانند نے جب "ستیارتھ پرکاش" لکھی تو سب سے پہلے آپ ہی نے اس کا جواب دیا جو "حق پرکاش" کے نام سے شائع ہوا، اور اتنا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی کو جواب دینے کی ضرورت ہی نہ رہی، پھر جب راجپال نے "رنگیلا رسول" لکھی تو آپ ہی نے اس کا جواب "مقدس رسولؐ" بس دیا۔ علیٰ ہٰذا عیسائیوں کے جواب میں، شیعوں کے جواب میں، مرزائیوں اور بہائیوں کے جواب میں، حنفیوں کے جواب میں، منکرین حدیث کے جواب میں کبھی آپ نے تاخیر گوارا نہیں کی۔

خاکسار تحریک نے جب مذہبی لبادہ اوڑھا تو اسے بھی آپ نے نہیں چھوڑا اور مودودی جماعت (المعروف جماعت اسلامی) نے جونہی مسائل میں ذرا غلط قدم اٹھایا، وہیں آپ نے اسے ٹوکا اور جھنجھوڑا۔

الغرض آپ نے تصنیف وتالیف کے باب میں وہ کمال دکھایا جو کوئی اور مصنف نہیں دکھا سکا۔

ثنائی و غزنوی نزاع

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم آپ کی ایک ایک کتاب پر سیر حاصل بحث کرتے اور ذرا تفصیل سے رائے لکھتے مگر اس سیرت میں اتنی گنجائش کہاں ؟ اس کام کے لیے تو ایک مستقل کتاب درکار ہے ۔ تاہم اس باب میں ایک کتاب ایسی ہے جسے اگر چھوڑ دیا جائے تو شاید بعض احباب کے نزدیک سیرت ہی نامکمل کہلائے اس لیے ہم با دل نخواستہ اس پر لکھنے کے لیے مجبور ہیں ۔

اس کتاب سے ہماری مراد آپ کی تصنیف "تفسیر القرآن بکلام الرحمان" ہے، جو آپ کی سب سے پہلی علمی تصنیف ہے ۔ جس نے آپ کو بیرونی دنیا میں اجاگر کیا ۔ اور آپ کو مصر، عرب، عراق، شام میں مشہور کر دیا یہ کتاب ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی جو بیرونی دنیا میں تو بہت مقبول ہوئی، مگر اندرونی دنیا (جماعت اہل حدیث) میں اس کی اشاعت سے مخالفت کی ایک لہر دوڑ گئی اس کتاب میں آپ نے ایک آیت کی تفسیر دیگر آیات ہی سے کی ہے ۔ یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے ۔

علمی اور فنی نقطۂ نگاہ سے تو یہ تفسیر اس قابل تھی کہ ہم اس پر فخر اور ناز کرتے ۔ اور مصنف مرحوم کو داد دیتے کہ اس نے وہ کام کیا جو اب تک علمی دنیا میں کسی نے نہ کیا تھا ـــ مگر افسوس کہ اس طرف تو کسی نے خیال نہ کیا، مگر چند اغلاط کو سامنے رکھ کر اس کا پروپیگنڈا شروع ہو گیا ۔ اگر اغلاط کو اغلاط ہی کہہ دیا جاتا اور آپ کے مندرجہ عقاید کو غلط عقاید سے تعبیر کر لیا جاتا تو بھی کوئی بڑی بات نہ تھی ۔ مصیبت یہ ہوئی کہ آپ کے ان عقاید کی بنا پر آپ پر سنگین سے سنگین فتوی صادر کیا گیا آپ کو نہ صرف ملحد اور زندیق قرار دیا

گیا بلکہ خارج از اہلحدیث ٹھہرایا گیا۔ اور بعض تیز مزاج علماء نے تو کافر تک کہنے سے بھی دریغ نہ فرمایا۔ سب سے پہلے اس کام کا بیڑا خاندانِ غزنویہ نے اٹھایا۔ کیونکہ علمائے اہلحدیث امرتسر میں سب سے زیادہ اہمیت اسی خاندان کو حاصل تھی۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی[1] خلف حضرت مولانا عبداللہ صاحب غزنوی[2] اس گروہ کے امام اور پیشوا تھے۔ آپ نے ایک

---

[1] الملقب بہ "امام صاحب" بڑے عالم فاضل، جامع معقول و منقول، خاندان غزنویہ کے روشن چراغ، مدرسہ غزنویہ تقویۃ الاسلام کے بانیٔ اوّل، صاحب نسبت، صاحب دل، اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔ اپنے والد مولانا عبداللہ غزنوی کے صحیح جانشین تھے غزنی سے ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے آئے اور ہر قسم کی تکالیف و مصائب برداشت کرتے میں ان کے شریک رہے، صرف امرتسر ہی نہیں پنجاب بھر میں توحید و سنت کا بول بالا انہی کی ذات گرامی سے ہوا۔ اور مدرسہ کا علمی فیض تو دور دور ملکوں تک پہنچا۔ مولانا داؤد غزنوی انہی کے خلف الرشید اور انہی کے جانشین ہیں اور ان کے بعد یہ خاندان ختم ہوتا نظر آرہا ہے۔ آپ کا سن ولادت ۱۲۶۸ھ ہے اور تاریخ وفات ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ یوم جمعۃ الوداع قبل از اذان (غفر اللہ لہ)

[2] آپ ۱۲۳۰ھ میں قلعہ بہادر خیل ضلع غزنی افغانستان میں پیدا ہوئے، گاؤں کا نام گیرو تھا، اصلی نام محمد اعظم بن محمد بن محمد شریف غرزئی تھا۔ بچپن ہی سے تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہو گیا بالفاظ دیگر "پیدائشی ولی" کہیئے۔ آپ کے دادا مشہور ولی اللہ تھے، جب کچھ علم پڑھ لیا تو طبیعت توحید و سنت کی طرف مائل ہوئی۔ خواب میں صحیح بخاری کو غبار آلودہ دیکھا، تو خواب میں ہی اسے صاف کرنا شروع کر دیا تا آنکہ اس کا حرف حرف نمایاں ہو گیا، صبح اٹھے تو سچ مچ کہیں سے صحیح بخاری مل گئی۔ وہ پڑھی تو اس پر عمل بھی شروع ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا وہابی کا خطاب ملا۔ اور ان تکالیف و مصائب کا سامنا ہوا کہ الامان والحفیظ۔ کوڑے پڑے، درے لگے، قید ہوئے، حتیٰ کہ جلاوطنی کی سزا ملی اور امرتسر آکر ٹھہرے (باقی بر صفحہ آئندہ)

رسالہ "الاربعین فی انّ ثناء اللہ لیس علی مذاہب المحدّثین"
لکھا۔ جس میں بدلائل ثابت کیا کہ تفسیر میں چالیس غلطیاں ہیں اور ان میں سے بعض ایسی ہیں جن کی بنا پر مصنف کو معتزلی یا نیچری ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ اس پر ملک کے چیدہ چیدہ علماء کے دستخط حاصل کئے۔ اور اسے شائع کر دیا۔

مولینا ثناء اللہ صاحب نے اس کے جواب میں "الکلام المبین فی جوابِ الاربعین" نامی رسالہ لکھا جس میں بدلائل یہ ثابت کیا کہ یہ غلطیاں ایسی نہیں ہیں جن کی بنا پر یہ فتوے لگ سکے جو دیا گیا ہے۔ نیز یہ رائے یہ عقیدہ یا تفسیر میری نہیں ہے، بلکہ پہلے بزرگ بھی یہ چیز لکھتے چلے آئے ہیں۔

اس پر بات ٹلی نہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی اور دونوں طرف سے ضد سی قائم ہو گئی۔

وہ زمانہ ہمارے بچپن کا زمانہ تھا، اور ہمیں ان باتوں کی کوئی خبر نہ تھی۔ ہاں اتنا یاد پڑتا ہے، کہ میرے نانا مرحوم استاد پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم میرے والد بزرگوار مولینا عبدالحمید مرحوم سے فرمایا کرتے تھے کاش ثناء اللہ ضد چھوڑ دے اور تمام علماء کو اپنا گرویدہ بنا لے۔ صرف اتنی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دہلی میں حضرت میاں صاحب سے حدیث کی سند لی۔ حضرت میاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ نے مجھ سے حدیث پڑھی اور میں نے عبداللہ سے نماز سیکھی۔ واقعی ولی اور قطب تھے آپ سے بے شمار کرامات کا صدور رہا۔ راقم الحروف کے دادا مولانا عبداللہ المعروف غلام نبی الربانی ان کے مرید خاص تھے۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو انتقال فرمایا اور امرتسر ہی میں بیرونی دروازہ سلطان ونڈ دفن ہوئے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

سی بات پر سب اس کے مخالف ہو رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سب اس کا لوہا مانتے ہیں۔ بہرحال اگر علماء بضد تھے تو مرحوم بھی کسی صورت جھکنے پر آمادہ نہ ہوئے ؎

ملک الموت کو ضد ہے کہ ہیں جاں لے کے ٹلو
سر بسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

علماء کی کمیٹی

بالآخر مولینا نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ مسئلہ علماء کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا جائے، جو فیصلہ وہ دیں گے مجھے منظور ہو گا۔

چنانچہ مئی ۱۹۰۵ء کو جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ کے موقعہ پر یہ معاملہ تین علمائے کرام (مولینا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولینا شمس الحق ڈیانوی[1]

---

[1] آپ اہلحدیث کے چیدہ اور برگزیدہ علماء میں سے تھے۔ آپ کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا جس میں قیمتی اور نایاب مطبوعہ اور نادر قلمی کتابیں موجود تھیں۔ یہ اس لحاظ سے ہندوستان بھر میں اول نمبر تھا۔ آپ کے پاس عرب، مصر، بغداد، عمان، اور نجد سے طلبا پڑھنے کے لیے آتے رہے اور ہزارہا طلبا نے آپ سے علمی فیض اٹھایا۔ تصانیف میں غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد، ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی، شرح مقدمہ مسلم، افادۃ الرسوخ بمعرفۃ الشیوخ چھوڑیں اور کئی کتابوں کی شرحیں عربی میں لکھیں، رئیس اعظم ہونے کے باوجود نہایت خلیق، ہنس مکھ، کشادہ رو، حلیم الطبع، سخی مہمان نواز، عابد و زاہد اور دریا دل واقع ہوئے تھے۔ ۱۹ ربیع الاول مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو راہگرائے عالم بقا ہوئے اور ڈیانواں مدفون ہوئے۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ کو عظیم آباد پٹنہ محلہ رمنہ میں پیدا ہوئے تھے۔ نام محمد کنیت ابوطیب اور لقب شمس الحق تھا والد کا نام (باقی بر صفحہ آئندہ)

حضرت شاہ عین الحق[1] کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

کمیٹی نے پوری تحقیقات کے بعد اس پر ایک جامع محاکمہ لکھا، جو "فیصلہ آرہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

"اربعین کی چالیس اغلاط میں سے صرف چودہ نعاقب صحیح ہیں۔ اور ان چودہ اغلاط کی وجہ سے مولوی ثناء اللہ جماعت اہل حدیث سے خارج نہیں ہو سکتے۔"

اس فیصلہ پر ایک حد تک فضا میں کچھ سکون پیدا ہو گیا کیونکہ علمائے غزنویہ جو اس سلسلہ میں پیش پیش تھے صاحب اثر ضرور تھے، مگر صاحب قلم نہ تھے اس گروہ میں صاحب قلم مولانا محمد حسین[2] بٹالوی مدیر "اشاعت السنتہ" تھے، یا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: شیخ امیر علی بن مقصود علی تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رض تک منتہی ہوتا ہے۔ بچپن میں والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا تو آپ اپنے ماموں کے پاس ڈیانواں چلے گئے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی اور وہیں اقامت اختیار کر لی اور میاں صاحب مرحوم دہلوی اور شیخ حسین عرب سے اجازتِ عامہ حاصل تھی، تصانیف کے علاوہ فتاویٰ نویسی میں زیادہ شہرت پائی تھی۔ غفر اللہ لہ

حاشیہ صفحہ ھذا [1] افسوس کہ خادم کو آپ کے حالات نہیں مل سکے۔ آپ بھی نمایاں شخصیت کے مالک ہیں اور جماعت کے لیے درخشاں آفتاب تھے۔ (خادم)

[2] آپ کا وطن بٹالہ تھا۔ مگر قیام زیادہ تر لاہور ہی میں رہا پہلے بھاٹی گیٹ کی مسجد میں اقامت اختیار فرمائی، پھر چینیانوالی مسجد میں آگئے۔ لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔ "اشاعۃ السنتہ" کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی، لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم (باقی برصفحہ آئندہ)

مولینا فقیر اللہ صاحب مدراسی[۵۱] اور قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری[۵۲]

بقیہ صفحہ گذشتہ کیا گیا۔ قادیانی فتنہ کا سر بھی سب سے پہلے آپ ہی نے کچلا اور ہندوستان بھر کے علماء سے فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا، حکومت کی خدمت بھی کی، اور انعام میں جاگیر پائی۔ مگر انتقال پر اپنی تمام جائیداد اراضی فی سبیل اللہ بغرض تعلیم واشاعتِ دین وقف کر کے رجسٹری کر دی۔ قدرت نے جہاں آپ کو علم میں حصہ وافر عطا فرمایا وہاں زہد و تقویٰ بھی درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا، شب زندہ دار تھے تہجد ہی کی حالت میں فالج گرا اور انتقال فرمایا، ۸۵ سال عمر پائی ۲۹ رجنوری ۱۹۲۰ء کو وفات ہوئی جنازہ مولینا ثناء اللہ صاحب نے بٹالہ میں جاکر پڑھایا۔ آپ کے یہ شعر مجھے اب تک یاد ہیں جو اصول خمسہ کے نام سے معروف تھے ؎

اصل دیں آمد مسلماں را قرآں ۔ پس حدیث سرور پیمبراں

پس ازاں اجماع اصل اجتہاد ۔ از صحابہ سید خیر العباد

پس ازاں اجماع جملہ تابعین ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین!

پس ترا اقوال خلافیہ ہماں ۔ شد مقدم بر مقال دیگراں

حاشیہ صفحہ ھٰذا [۵۱] آپ موضع کٹھہ مصرال تحصیل خوشاب میں پیدا ہوئے ماں باپ نے نام فقیر محمد رکھا تھا مگر بعد میں فقیر اللہ نام مشہور ہو گیا۔ باپ کا نام فتح دین بن عبداللہ تھا قوم کے راجپوت تھے، ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا محمد تلمیذ میاں صاحب مرحوم و شیخ حسین عرب سے پائی۔ پھر دہلی چلے گئے میاں صاحب سے سند حدیث حاصل کی پھر میاں صاحب ہی نے بنگلور بھیج دیا وہاں ایک مدرسہ "نصرت الاسلام" کے نام سے جاری کیا کچھ عرصہ بعد وہاں سے مدراس تشریف لے گئے اور بقیہ عمر مدراس ہی میں گزاری اس لیے مدراسی مشہور ہوئے۔ تدریس میں بھی مدرسہ "احیاء الاسلام" کی بنیاد رکھی اور ساری عمر درس تدریس میں ہی گذار دی آپ نے بیشمار کتابیں لکھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ننگی تلوار تھے۔ سرحد کی جماعت مجاہدین سے بھی تعلق رہا اور صوبہ مدراس (باقی صفحہ آئندہ)

تھے۔ جنہوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے خلاف بہت کچھ لکھا اور کئی کتابیں شائع کیں۔ مگر فیصلہ آرہ کے بعد یہ تینوں حضرات بھی ٹھنڈے ہو گئے۔ مولینا ابوسعید بٹالوی تو "اربعین" کا جواب "کلام المبین" دیکھ کر آدھے ٹھنڈے ہو چکے تھے کاش یہ لکھ چکے تھے کہ "اربعین" کے پانچ حصے ہیں:-

ا۔ یہ الزام کہ تم (ثناء اللہ) دیدار الٰہی، معجزات وکرامات کے منکر ہو۔

۲۔ یہ کہ اس تفسیر میں کل مسلمانوں کا خلاف کیا ہے۔

۳۔ یہ کہ اس تفسیر میں تمام مفسروں کا خلاف کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے مجاہدین کے لیے رقوم بھجواتے رہے ایک بار خود بھی وہاں تشریف لے گئے "امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا بیان ہے کہ مجاہدین نے آپ کا شاندار استقبال کیا تھا۔ مرحوم نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی اہلیہ پنجاب کی تھیں جن سے دو صاحبزادے مولوی حافظ عبداللہ صاحب اور مولوی حافظ احمد سعید صاحب اور دو صاحبزادیاں (اہلیہ حافظ محمد صاحب گوندلانوالہ اور اہلیہ مولانا نجم الدین صاحب مرحوم اورنٹیل کالج لاہور) پیدا ہوئیں۔ دوسری شادی مدراس میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مدراسی کی ہمشیرہ سے کی جن سے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولینا عطاء اللہ سلفی پیدا ہوئے آپ نے ۹ شوال ۱۳۴۲ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور بنگلور میں سپرد خاک ہوئے۔ غفر اللہ لہ۔

۵۲ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ قاضی محمد صاحب اور قاضی یوسف حسین صاحب سے پائی پھر دہلی گئے تو حدیث میاں صاحب سے پڑھی حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کے مرید تھے۔ اس لیے خاندان غزنویہ کی حمایت میں مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ کی مخالفت کرتے رہے اور بہت کتابیں لکھیں۔ صاحب قلم تھے اور صاحب علم و فضل۔ اسلام کی تبلیغ اور جماعت اہل حدیث کی خدمت میں عمر بسر کر دی آپ کا قیام راولپنڈی میں رہا۔ وہیں انتقال فرمایا رحمہ اللہ۔

۴۔ یہ کہ تم نے بہت جگہ تفسیر میں حدیث نبوی کو چھوڑ دیا ہے۔
۵۔ یہ کہ تم نے معتزلہ وغیرہ اہل بدعت کا اتباع کیا ہے۔
سو منجملہ ان الزامات کے پہلے تین الزامات سے تم چھوٹ گئے، اور "الکلام المبین" میں ان کا جواب ادا ہوا، مگر چوتھے اور پانچویں الزام سے تم بری نہیں ہوئے۔ (اشاعت السنۃ جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴)

آخری دو الزاموں کے متعلق مولینا ابوسعید اپیل لے کر آرہ پہنچے اور منصفوں کے سامنے ایک مضمون رکھا جس کا عنوان تھا "اپیل فیصلہ آرہ"۔ منصفوں نے اس پر غور و خوض کے بعد اسے مسترد کر دیا۔ یعنی ان دو الزاموں کو بھی آپ سے اٹھا دیا۔ جس کا تذکرہ خود مولانا نے "اشاعۃ السنۃ" جلد ۲۱ کے صفحہ ۲۵۹ پر کیا ہے۔

مولانا ابوسعید کے بعد دوسرا مہر مولینا فقیر اللہ مدراسی اور مولینا عبدالاحد خانپوری کا ہے۔ آرہ کے بعد جب مدراس میں جلسہ ہوا تو پھر وہاں یہ مسئلہ چھڑ گیا اور کافی بحث و تمحیص کے بعد ایک "مصالحت نامہ" مرتب ہوا جس کا پورا مضمون یہ ہے:

مصالحت نامہ

"مصالحت نامہ درمیان جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری و جناب مولینا مولوی حاجی محمد فقیر اللہ صاحب پنجابی اور جناب مولینا قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

بمقام آرہ میرے حق میں میری تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے بعض مضامین کی وجہ سے علمائے اہلحدیث ہندوستان نے جو فیصلہ صادر

فرمایا ہے، میں اس کو مانتا ہوں اور میرا عمل درآمد اسی پر رہے گا۔ اگر اس کے علاوہ کبھی میری کوئی غلطی جو خلاف اصول محدثین اہل سنت والجماعت ثابت کی جائے گی۔ تو مجھ کو اس کے مان لینے اور رجوع کرنے میں تامل و عذر نہ ہوگا۔

دستخط ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری مرقومہ ۵ مئی ۱۹۱۸ء مطابق ۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ روز یکشنبہ۔

اس اقرار مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بعد ہم ان کو اہلحدیث برادر جان کر مصالحت کرتے ہیں؛

۱۔ دستخط فقیر اللہ بقلم خود

۲۔ عبدالاحد خانپوری عفا اللہ عنہ۔

اس مصالحت نامہ کی پوری کیفیت "روئداد جلسہ مدراس" میں درج ہے، چاہیے تھا کہ اس مصالحت کے بعد تفسیر کے متعلق ہمیشہ کے لیے خاموشی ہو جاتی۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری بد قسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ مولینا عبدالواحد صاحب غزنوی[1] مرحوم مولینا عبدالمجید صاحب ہزاروی[2] تقریباً اور مولینا ابوتراب عبدالحق

---

[1] آپ مولانا عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے بیٹے اور مولینا عبدالجبار غزنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ نہایت صالح مخلص متقی اور خدا رسیدہ انسان تھے، نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھا کرتے جس سے خشیت الٰہی طاری ہو جاتی اور دعائیں تو اکثر تضرع و زاری ہوا کرتی جس سے حاضرین پر بھی خاص اثر پڑتا آپ نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ مسجد چینیانوالی لاہور میں گذارا ہے، اور راقم الحروف کو بھی آپ کی صحبت کا بہت موقعہ ملا ہے

[2] آپ اگرچہ ہزارہ کے رہنے والے ہیں مگر عمر کا بیشتر حصہ پنجاب ہی میں گذر رہا ہے کچھ عرصہ امرتسر اور نواحی امرتسر میں بسر ہوا۔ ورنہ اکثر سیر و سیاحت ہی میں رہے نہایت مخلص متقی اور شب زندہ دار عالم ہیں اور خاندان غزنویہ کے اتنے گرویدہ کہ محض ان کی محبت میں مولانا ثناء اللہ کی مخالفت کرتے رہے آپ کی مخالفت میں ربانی صفحہ آئندہ

صاحب امرتسری[1] اور مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی[2] تحریراً اس معاملہ کو کھینچتے رہی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بھی خلوص نظر آتا ہے، ریا نہیں ہے، اللہ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین۔

[1] آپ ۱۸۷۰ء میں بمقام خاص پور ضلع امرتسر پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دیناتگری سے پائی پھر مدرسہ غزنویہ سے سند حاصل کرکے دہلی اور سہارنپور تشریف لے گئے۔ سہارنپور مدرسہ مظاہرالعلوم مولانا ثناء اللہ کے ہم سبق تھے طبی تعلیم بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائی اور طب میں حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم سبق رہے۔ حافظ قرآن تھے، عالم دین تھے، فاضل طب تھے۔ مگر طبیعت عجیب پائی تھی مولانا ثناء اللہ صاحب سے اکثر چھیڑ چھاڑ رہتی۔ آپ کے خلاف "الحق الیقین" نامی ایک کتاب بھی لکھی اور اخبار اہل سنت والجماعت میں جو آپ نے ۱۹۱۵ء میں جاری کیا تھا۔ گاہے گاہے مضامین بھی لکھ دیا کرتے۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب آپ کو درخور اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ حدیث "النکاح من سنتی" کے گرویدہ تھے، بارہ تیرہ نکاح کیے بہت سی اولاد ہوئی۔ آپ کے بڑے صاحبزادہ حکیم حاجی شمس الحق صاحب آپ کے صحیح جانشین ہیں، آپ دیدک طبیہ کالج امرتسر کے بانی ہیں۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور آگئے اور لاہور ہی میں ۲۱، ۲۲ اگست ۱۹۵۱ء کی درمیانی شب انتقال فرمایا لاہور میں جب مولانا ثناء اللہ صاحب کے انتقال کی خبر سنی تو مندرجہ ذیل مضمون کی ایک چٹھی ہمیں لکھی جو اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ ابھی مولوی عطاء اللہ صاحب مرحوم خلف مولوی ثناء اللہ صاحب کی شہادت کا صدمہ فراموش نہیں ہوا تھا کہ اس پر اس صدمہ عظیمہ کا اضافہ ہو گیا جس کے اظہار سے قلم وزبان قاصر ہے۔ مولوی صاحب مرحوم میرے ہم سبق تھے نہایت ذکی تھے آپ نے اسلام کی بہت خدمت کی آریوں، عیسائیوں، قادیانیوں، شیعوں اور بدعقیدوں کی تردید میں بہت سی کتابیں لکھیں فن مناظرہ میں تو ید طولیٰ رکھتے تھے اور فی البدیہہ جواب دیتے تھے اور اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اس زمانہ میں ایسے عالم کا اٹھ جانا ہماری شومئی قسمت ہے (ابو تراب عبدالحق امرتسری) [2] آپ کا اصلی (باقی صفحہ آئندہ)

چلے آئے۔ حافظ عبداللہ صاحب نے "اربعین کو از سر نو عربی جامہ پہنایا اور حجاز میں پہنچایا" تاکہ علمائے نجد اور سلطان ابن سعود ایدہ اللہ بنصرہ سے داد خواہی کی جائے۔ مولینا عبدالواحد غزنوی اور ان کے صاحبزادہ مولوی اسمٰعیل صاحب غزنوی سلطان کے منظور نظر تھے۔ انہوں نے بھی سعی فرمائی کہ سلطان اس معاملہ کو ہاتھ میں لے اور اس سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ دے۔ چنانچہ ان کی سعی

بقیہ صفحہ گذشتہ وطن کیرپور ضلع امرتسر ہے روپڑ میں کافی عرصہ رہے اس لیے روپڑی مشہور ہوگئے۔ امرتسر بھی قیام رہا آج کل لاہور ماڈل ٹاؤن میں ہیں ابتدائی تعلیم مدرسہ غزنویہ میں پائی پھر رام پور چلے گئے۔ ادب مولینا طیب مکی سے پڑھا، منطق فلسفہ مولانا اسحاق منطقی دہلوی سے اعانی مولانا غازی پوری سے۔ عربک کالج دہلی سے، مولوی فاضل کی ڈگری بھی حاصل کی۔ کئی کتابیں لکھیں اور مدت تک اخبار تنظیم اہلحدیث بھی شائع کرتے رہے، طبیعت زہد و ورع کی طرف زیادہ مائل ہے لکھنے کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ خصوصاً فتاوے بہت تحقیقی اور علمی انداز سے لکھتے ہیں۔ مشکوٰۃ کی شرح بھی لکھ رہے ہیں خدا تکمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آپ کے صاحبزادے تو علمی دنیا میں نام پیدا نہیں کر سکے البتہ دو بھتیجے حافظ عبدالقادر صاحب و حافظ اسمٰعیل صاحب تبلیغی لائن میں کافی شہرت کے مالک ہیں۔

نوٹ: مگر حافظ اسمٰعیل روپڑی انتقال فرما چکے ہیں خدا حافظ عبدالقادر روپڑی کو سلامت رکھے آپ فقیر منش ہیں اور جماعتی حلقے میں بڑا کام کر رہے ہیں۔ زبان میں اپنے مکرم بھائی کی طرح کافی تاثیر ہے۔ گفتگو کا انداز خوب ہے۔ مسلک اہلحدیث پر بہت اچھا بولتے ہیں اور حافظ اسمٰعیل صاحب روپڑی تو بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ بڑے معاملہ فہم حلیم الطبع اور ملنسار تھے ان کا انداز بیان منفرد تھا۔ ان سے مخالف اور دشمن بھی اثر لیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے بعد روپڑی خاندان بھی ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ مگر خدا کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ (فاروقی)

مشکور ہوتی۔

ابن سعود کا فیصلہ

سلطان ابن سعود ایدہ اللہ نے علمائے کرام کی ایک مجلس طلب کی جس میں عام علماء کے علاوہ مندرجہ ذیل خاص علما کرام بھی شامل ہوئے۔

۱۔ علامہ سید رشید رضا مصری

۲۔ شیخ عبداللہ بن بلیہد۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) حجاز

۳۔ شیخ محمد عبداللطیف نجدی

۴۔ بہجہ بیطار شامی

۵۔ شیخ عبداللہ بن حسن۔ امام حرم۔

باہمی گفتگو ہو جانے کے بعد جلالت الملک نے حکم دیا کہ فیصلہ لکھا جائے چنانچہ یہ فیصلہ لکھا گیا جس کا فوٹو کئی بار چھپ چکا ہے، ملاحظہ ہو (اہلحدیث ۸ جنوری ۱۹۳۷ء) اور اس کی تردید اب تک کسی فریق نے بھی نہیں کی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فی المجلس الشریف المنعقد علی ید الامام عبد العزیز ابن سعود قد حضر الشیخ مولوی ثناء اللہ وحضر معہ الشیخ عبد الواحد الغزنوی فطلب کل منہما الی الامام ایدہ اللہ ان ینظر فیما کان بینہما من النزاع بحضرۃ جماعت من العلماء وقد حصل الاتفاق بعد النظر فیما قالوا علی ان الشیخ ثناء اللہ قد رجع عما کان کتبہ فی تفسیرہ

من تاویل الاستویٰ وما فی معنا ذالك من ایات الصفات الذی تبع فیه المتکلمین واتبع ما قاله السلف فی ھٰذہ الباب واقربانه ھو الحق بلاریب و التزام ان یکتب فی تفسیرہ واما الشیخ عبد الواحد الغزنوی ومن معه ممن کان قد تکلم فی حق الشیخ ثناء الله مما یوجب الطعن علیه فانھم یرجعون عنه وان یحرقوا الاربعین التی کتبوھا فی حقه ورجع کل منھما الی تجدید عقد الاخوۃ واجتناب ماینا فی ذٰلك حصل القرار علیٰ ذٰلك وتبایعوا علیه علیٰ ید الامام والعلمأ الموقعین علیه والحمد لله علی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل وصلی الله علیٰ محمد واله وصحبه وسلم، ۲۷ ذی الحجة ۱۳۴۴ھ

ترجمہ: "اس مجلس میں جو امام عبدالعزیز بن سعود کی قیادت و صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں مولوی ثناء اللہ اور مولوی عبدالواحد غزنوی بھی شامل ہیں، بموجودگی دیگر علما گفت وشنید کے بعد یہ طے پایا اور اس امر پر اتفاق ہوا کہ مولوی ثناء اللہ آیت استوا اور دیگر آیات صفات میں سلف کی طرف رجوع کریں، چنانچہ انہوں نے اقرار کیا کہ "وہی حق ہے، میں آئندہ اپنی تفسیر میں یہ لکھ دوں گا۔"

اور یہ بھی طے ہوا کہ شیخ عبدالواحد غزنوی اور ان کے ساتھیوں نے جو مولوی ثناء اللہ کے خلاف طعن و تشنیع لکھی ہے، وہ اس سے رجوع کریں اور "اربعین" جو انہوں نے لکھی ہے اس کو جلا دیں۔ سب نے تجدید اخوت کا اقرار کیا اور اس پر اتفاق ہوا۔"

اس فیصلہ کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہ جھگڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو

جانا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا، فریق مخالف میں جو عنصر معقولیت پسند تھا وہ اسے مان گیا اور اس نے ایک حد تک اس فیصلہ کا احترام کیا اور مولانا داؤد غزنوی نے اپنے اخبار "توحید" مجریہ ۸ مارچ ۱۹۳۹ء میں صاف صاف لکھ دیا کہ:

"مولوی ثناء اللہ صاحب اور ہمارے درمیان جلالۃ الملک ابن سعود کے فیصلے کے بعد اب نزاع کی صورت باقی نہیں رہی۔"

کشاکشی

مگر دوسرا گروہ جس کے قائد مولوی اسمٰعیل بن مولٰنا عبدالواحد غزنوی تھے اپنی ضد پہ ڈٹا رہا اور آتے ہی "فیصلہ مکہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس نے جلتی پر تیل کا کام دیا، اور اس کے ہر قاری کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ معاملہ اب مسئلہ یا دین کا نہیں رہا۔ بلکہ ذاتیات کا جھگڑا بن گیا ہے۔

اگر سلطانی فیصلہ کے مطابق "اربعین" جلا دی جاتی اور مولوی ثناء اللہ صاحب بھی تفسیر کے دوسرے ایڈیشن میں مسئلہ "استوا علی العرش" کی اصلاح کر دیتے تو قصہ ختم ہو جاتا۔ مگر اربعین والوں نے نہ اربعین جلائی نہ ثناء اللہ کا قصور معاف کیا، بلکہ واپس آنے پر نجد و حجاز کے مزید فتاوٰی حاصل کرکے شائع کیے۔ جس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی لکھا کہ یہ عقیدہ صرف میرا ہی نہیں امام بیہقیؒ، امام رازیؒ، امام غزالیؒ، امام بیضاویؒ، حافظ ابن حجرؒ، شیخ ابن ہمامؒ اور فلاں فلاں امام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ ان سب پر فتوے صادر کیجیے ؎

نہ تنہا من دریں خانہ ہستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

بخدا عقیدہ کی رُو سے ہم بھی سلف صالحین ہی کے عقیدہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس باب میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے ہمنوا نہیں ہیں، مگر مولینا ثناء اللہ کے اس اقرار اور اعتراف کے باوجود مخالفین کی ضد اور ہٹ کو بھی کسی صورت جائز اور صحیح تصور نہیں کرتے جو انہوں نے اختیار کر رکھی ہے، مولینا نے بارہا صاف اور کھلے لفظوں میں لکھا کہ:

"میرا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ میں خدا اور رسول کے کلام کو سند اور حجت شرعیہ مانتا ہوں، ان کے سوا کسی ایک یا کئی اشخاص کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں جانتا، ہاں بطور قناعت کسی کے ساتھ توافق کرنا جائز جانتا ہوں اس کو دلیل "اقناعی" کہتے ہیں، میں نے اہلحدیث کا مذہب یہی سمجھا ہوا ہے۔"

(مظالم روپڑی صد ۵۶)

اس کے علاوہ آپ نے بارہا یہ بھی لکھا کہ:

"میرا اصول ہے کہ جس مسئلے میں سلف سے اختلاف چلا آیا ہو میں اس کی کسی جانب کو راجح سمجھ کر اختیار کر لیتا ہوں، مگر دوسری جانب کو غلط نہیں قرار دیتا بلکہ مرجوح سمجھتا ہوں۔ تفسیر میں میں نے جو اپنا مسلک بتایا ہے، اس کے خلاف میں دوسرے مسلک کو غلط نہیں جانتا۔ پس میری حیثیت اس وقت یہ ہے، کہ میں اپنے عقیدے کی صحت بتاؤں نہ کہ خلاف کی تردید کروں کیونکہ مجھے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ میں جماعت "سلف صالحین" سے الگ نہیں ہوں جو شخص مجھ کو "سلف صالحین" سے الگ سمجھتا ہے، وہ اپنی گردن پر بڑا بوجھ اٹھاتا ہے۔" (ایضاً)

پھر اس کے بعد حبیب مولینا عبداللہ روپڑی فریق ثانی کے ہائی کمانڈ کی حیثیت سے آپ کے سامنے آئے تو اس جھگڑے نے جماعت میں بہت اختلاف پیدا کر دیا۔ اور جماعت کے مختلف افراد نے مختلف حیثیتوں سے بار بار اسے مٹانے کی کوشش کی۔ کبھی نیاز مندوں نے جدوجہد کی۔ کبھی مولینا محمد دہلوی[۱] مولینا ابوالقاسم بنارسی[۲] بیچ میں آئے۔ کبھی امرتسر معاہدہ ہوا اور کبھی بٹالہ میں کبھی اہلحدیث کانفرنس فتح گڑھ میں مولانا عبدالقادر قصوری[۳] نے کوشش کی اور کبھی خواجہ عبدالحی[۴] صاحب نے سعی فرمائی۔ مگر نتیجہ ہر بار وہی "ڈھاک کے تین پات"

---

[۱] آپ کے حالات ص پر گزر چکے ہیں۔

[۲] آپ کا نام محمد کنیت ابوالقاسم لقب سیف الاسلام تھا آپ یکم شوال ۱۳۰۸ھ بدھ کی رات بنارس ہی میں پیدا ہوئے اور ۴ ربیع صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء کو جمعہ کے دن بنارس ہی میں انتقال فرمایا۔ آپ کا آبائی وطن کنجاہ ضلع گجرات پنجاب ہے۔ والد مرحوم مولینا محمد سعید محدث بنارس اقامت گزیں ہوئے اور آپ بنارسی مشہور ہو گئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولینا شمس الحق ڈیانوی شیخ حسین یمنی میاں صاحب دہلوی سے سندات حاصل کیں۔ ساری عمر درس و تدریس کا کام کیا قریباً ۲۹ بار بخاری و مسلم پڑھائی سات سو طلبائے نے آپ سے سند حاصل کی۔ بہترین مقرر اور مناظر تھے۔ ۵۰ کتابوں کے مصنف تھے ملکی سیاسیات میں بھی حصہ لیتے رہے۔ الغرض بے نظیر انسان تھے یغفر اللہ لہٗ۔ (خادم)

[۳] آپ کے حالات ص پر گذر چکے ہیں۔

[۴] آپ کا آبائی وطن ضلع گورداسپور میں ہے۔ توحید و سنت کی میراث وراثت میں پائی تھی قرآن کریم سے طبعاً ذوق تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ جامعہ ملیہ میں تفسیر کے پروفیسر تھے کچھ عرصہ علیگڑھ میں گذرا پھر دہلی آ گئے آج کل لاہور میں قیام فرما ہیں۔ قرآن کی تفسیر (باقی صفحہ آئندہ)

ہی نکلا۔

روپڑی اور ثنائی سمجھوتہ

آخری بار تو حافظ عبداللہ صاحب نے فیصلہ کی ایک صورت خود ہی پیش کی، جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نے منظور بھی کر لیا مگر۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ اس کی نقل یہ ہے:

مولوی ثناء اللہ صاحب سے فیصلے کی آسان صورت

"اگر مولانا ثناء اللہ صاحب یہ تسلیم کر لیں کہ تفسیر القرآن جو حدیث سے ثابت ہو، اور جو صحابہؓ نے کی ہو وہ میری تفسیر سے مقدم ہے، تو ہماری تفسیری نزاع ان سے ختم ہو جائے گی"۔

(عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ مورخہ ۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ)

بجواب دفعہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

"میں حدیثِ صحیح کی تفسیر اور تفسیر صحابہؓ کو بتشریح محدثین مقدم جانتا ہوں"

(ثناء اللہ بقلم خود ۰ ۴/۱۴ھ)

اب تو بات صاف اور واضح ہو گئی اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، اگر اب بھی کسی کے جی میں کوئی رمق باقی ہو تو اللہ ہی ہے جو اسے

بقیہ صفحہ گذشتہ لکھتے ہیں ماہر ہیں۔ چند سورتوں کی تفسیر چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہے، عملاً و عقیدۃً اہلحدیث ہیں اور اہلحدیث سے خاص انس رکھتے ہیں۔ گو اپنی مصروفیات کی وجہ سے جماعتی امور میں زیادہ حصہ نہیں لے پاتے۔ (خادم)

نوٹ: خواجہ صاحب موصوف بھی انتقال کر چکے ہیں۔ اللّٰھم اغفر لہ (فاروقی)

دور کرے۔ مگر اس جھگڑے، نہیں نہیں بلکہ رگڑے نے جماعت کو بہت نقصان پہنچایا، اس کا نظم ونسق تباہ و برباد ہو گیا، گو اپنی اپنی جگہ سبھی علمائے کرام کام کرتے رہے، مگر مجموعی طور پر جو کام ہونا چاہیئے تھا، وہ نہ ہو سکا اور نہ ہی جماعتی نقطۂ نگاہ سے جماعت اہل حدیث کو ملک میں وہ جماعتی پوزیشن مل سکی یا ملکی اور سیاسی مفاد حاصل ہو سکے جن کی توقع تھی، یا جن کے حصول کا اسے حق حاصل تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ہجرت و رحلت

ترکِ مال و ترکِ جان و ترکِ سر
در رموزِ عشق اوّل منزل است

آخر قدرت کے نوشتے پورے ہوئے! شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ کو جس فرضِ مہمہ کی بجا آوری کے لیے حق تعالیٰ نے مامور فرمایا تھا، جب وہ بڑی حد تک ادا ہو گیا تو حضرت کو سنتِ انبیاء کے مطابق ایک روز اپنا محبوب وطن چھوڑنا پڑا اور آپ ہجرت کر کے پاکستان میں اقامت گزیں ہو گئے۔

جن اسباب کے ماتحت آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے وہ کوئی ڈھکے چھپے نہیں، ہندوستان کی بندر بانٹ سے قریباً چھ ماہ بیشتر یعنی مارچ ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب کے اندر عناد و فساد کی جو آگ بھڑکی تھی، درحقیقت وہ نہتے اور بے بس مسلمانوں کے کاشانۂ امن کو خاکستر بنانے کے لیے شعلہ زن ہوئی تھی۔ تیا ولۂ آبادی کے وقت وہی اس کی لپیٹ میں آئے، اور خونِ مسلم کی وہ ارزانی دیکھنے میں آئی کہ جس کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

امرتسر میں فساد

امرتسر اور اس کے نواح میں چونکہ سکھوں کی کثیر آبادی تھی، جو مسلمانوں کو

تباہ و ہلاک کرنے کے لیے گروہ در گروہ مسلح ہو گئے تھے، لہٰذا وہاں کے اسلامیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے، انسان نما درندوں نے ان کے قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور تھوڑی ہی مدت میں لاکھوں بے گناہ حوالۂ تیغ و آتش کر دیئے گئے۔ انا للہ

قیام امن و سکون کے لیے دوسرے شہروں کی طرح امرتسر میں بھی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ ہندو، مسلمان، سکھ ان کمیٹیوں کے مشترک طور پر ممبر تھے۔ یہ کمیٹیاں دراصل محض برائے نام تھیں اور دکھاوے کے لیے قائم کی گئی تھیں۔ مسلمان اراکین تو فسادات کی روک تھام اور قیام اتحاد میں خلوص و نیک نیتی سے کام لیتے تھے، مگر غیر مسلموں کی نیت میں فتور تھا۔ وہ خفیہ طور پر فتنہ و شر پھیلانے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی سکیمیں سوچتے اور بظاہر امن قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت مولیٰنا چونکہ امن و آشتی کے بہت حامی تھے، اور صلح و سلام کے خوگر تھے، اس لیے آپ نے ان کمیٹیوں کا خیر مقدم کیا، خود بھی ممبر بنے، احباب کو بھی ممبر بنایا۔ فسادات کو روکنے اور امن قائم رکھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کمیٹیوں کے جلسوں، جلوسوں میں بڑے ذوق و شوق سے امن پرور تقریریں کیں، مصروفیت کی وجہ سے کسی اجلاس میں خود نہ جا سکتے تو اپنے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ کو بھیجتے، مولانا نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ اسلام سب سے زیادہ امن و عافیت کا داعی اور دافع فساد و عناد ہے۔ اتحاد و اتفاق، عفو و درگذر، صلح و آشتی کی جو تعلیم اس نے دی ہے، کسی اور مذہب نے نہیں دی۔

بالآخر کار یہ امن کمیٹیاں، جن میں غالب اکثریت غیر مسلم ممبروں کی تھی، ناکام

ثابت ہوئیں۔ ہندؤں اور سکھوں کی فتنہ پردازیوں نے مسلمان امن پسندوں کی کوششوں پہ پانی پھیر دیا۔ اور وہی غیر مسلم جو امن کمیٹیوں کے رکن رکین اور منتظم تھے، فسادات کی آگ پر تیل ڈالنے لگے۔

حضرت ابوالوفا رنے پھر بھی ہمت نہ ہاری، آپ اہل اسلام کی ڈھارس بندھاتے رہے اور غیر مسلموں کو امن و سکون کی الگ ہدایت فرماتے تھے۔

آپ نے اپنے خرچ سے ہزاروں پوسٹر، ہینڈ بل، اور اشتہارات تلقین امن کی خاطر چھپوا کر شائع کیے۔ شہر کے درو دیوار پہ لگائے۔ اسلامی انجمنوں کی طرف سے جلسے منعقد کرکے فریقین کو اتحاد اور امن سے رہنے کی تلقین فرمائی۔ لیکن۔ افسوس کہ ان مساعی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، فساد کی آتش فشانی دن بدن بڑھتی گئی۔ دشمنی کا زہر یوماً فیوماً سرایت کرتا گیا، اور اسلامیان امرتسر کو جینا محال ہوگیا۔ غارتگروں، لٹیروں، آتش زنوں، فسادیوں کی بڑی بڑی ٹولیاں مسلمانوں کو برباد کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ ان کے مقدس خون سے زمین لالہ زار بن گئی جس طرف نگاہ اٹھتی ہڈیاں اور پنجر ہی دکھائی دیتے۔ دن دہاڑے معصوماؤں کی عصمت لٹنے لگی۔ ظالموں نے پھول سے بچوں کو بھی ٹکڑے کر دیا۔ شہر میں ہر جگہ مسلمانوں کے مکان جل رہے تھے۔ ان کے اثاثے لُٹ رہے تھے۔ انہیں بے دریغ شہید کیا جا رہا تھا۔ مگر ابوالوفا مرحوم ان خطرناک حالات میں بھی شہر کا چکر لگاتے، پیدل اور تانگے پر سوار ہو کے پھرتے اور سب کو امن سے رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔

فرزند دلبند کی شہادت

جب آتش فساد بے قابو ہوگئی تو حضرت مولانا نے ہجرت کا قصد فرمایا۔

ارکان جماعت اور دیگر احباب سے مل کر ایک پروگرام مرتّب کیا، ایک مختصر سے اجلاس میں ترکِ وطن کی تجاویز پاس کر کے گھر تشریف لائے، اور پاس شدہ تجویزوں پر غور فرمانے لگے۔

جس گلی میں آپ کا مکان تھا، اس کی حفاظت کا ذمہ آپ کے اکلوتے فرزند مولوی عطاء اللہ نے لے رکھا تھا۔ اور فساد کے ایّام میں وہ اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے مکانوں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے آخری ہفتہ یعنی ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوؤں اور سکھ بلوائیوں کا ایک جتھا اس گلی کے قریب سے گزرا، مولوی عطاء اللہ صاحب حسبِ معمول نگرانی میں مصروف تھے، کہ کسی نے ایک مکان کی چھت سے دستی بم پھینکا جو مولوی عطاء اللہ کے بالکل قریب پھٹا۔ اور پھٹتے ہی ان کو شدید زخمی کر گیا۔ حضرت مولانا کو اطلاع ملی، تو آپ نے دو چار رفیقوں کی مدد سے انہیں چارپائی پر لٹایا، اور ہسپتال کو روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے، کہ مولوی عطاء اللہ شہادت پا گئے۔ اور بحالت روزہ مالکِ حقیقی سے جا ملے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ[1]

حضرت مولانا کو اپنے اکلوتے اور عزیز فرزند دلبند کی دائمی مفارقت سے جو صدمہ ہوا، وہ بیان سے باہر ہے۔ عصر کے وقت مولوی عطاء اللہ شہید ہوئے اسی وقت نماز جنازہ مسجد اہلحدیث میں پڑھائی گئی۔ امامت کے فرائض خود مولانا مرحوم نے ادا کیے، صرف دس اصحاب کو تجہیز و تکفین کا پرمٹ ملا

---

[1] مولانا کی شادی ۲۱ سال کی عمر میں ہوئی ایک فرزند عطاء اللہ اور ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ اہلیہ محترمہ کا انتقال آپ سے ۳ سال بعد سرگودھا ہی میں جا کر ہوا۔

سکا۔ انہوں نے آخری یادگار ثنائی کو کندھوں پر اٹھا لیا اور سپردِ خاک کر دیا اس تدفین کو غنیمت سمجھا گیا، اور خدا کا شکر لیا گیا۔ کیونکہ فساد کے زمانہ میں کسی متوفی اور شہید کا جنازہ پڑھنا اور اسے دفن کرنا بھی بیحد کٹھن تھا، ہزاروں بے گور و کفن لاشیں سڑکوں، بازاروں، گلیوں اور میدانوں میں پڑی سڑ رہی تھیں۔ کتے اور گِدھیں ان سے اپنے شکم بھر رہی تھیں، اور خطرے کے باعث کوئی شخص قبرستان جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھیے، کہ اس کی استعانت سے مولوی عطاء اللہ کا جنازہ بھی پڑھا گیا اور انہیں دفن بھی کر دیا گیا۔ تدفین کے بعد مولینا اپنے دولتکدہ میں آئے، اہل و عیال کے ہمراہ پانی سے روزہ کھولا اور صبر کا پتھر پیٹ پر باندھا۔

ترکِ مکان

اس حادثۂ فاجعہ کے بعد مخصوص احباب نے حضرت کو مشورہ دیا کہ آپ کا مکان جس بازار اور گلی میں ہے چونکہ وہ مسلمانوں کے لیے بے حد مخدوش و پرخطر ہے، اس لیے آپ فوراً اسے چھوڑ دیں۔ حضرت مولانا اور آپ کے اہل و عیال کے دل فرقتِ پسر سے تازہ تازہ زخمی ہوئے تھے اور آپ کا قلب مجروح زبان غم سے یہ نوحہ کر رہا تھا ؎

دردِ ہجراں در دلِ من کم تر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود من پسر گم کردہ ام

حضرت مولانا نے آخر مشورۂ احباب قبول فرمایا اور صرف مکان ہی نہیں سب کچھ چھوڑ کر چل پڑے۔ آپ خود، آپ کی اہلیہ محترمہ، پوتے پوتیاں، ان کے بچے، جس حالت میں اور جس لباس میں تھے، اسی میں ہر چیز وہیں چھوڑ کر

ممکل کھڑے ہوئے۔

مولانا مرحوم شہر کے مسلم رؤسا میں سے تھے، لاکھوں روپے کا سامان موجود تھا، ہزاروں روپے نقد، ہزارہا روپے کے زیورات صندوقوں میں بند تھے ہزارہا روپیہ کا کتبخانہ تھا یا رجپات کی کمی نہ تھی، مگر مولانا نے کسی چیز کو نگاہِ حسرت آمیز سے بھی نہیں دیکھا، نہ آپ کچھ اٹھایا نہ دوسروں کو اٹھانے دیا اس وقت صرف پچاس روپے آپ کی جیب میں تھے اور معمولی کپڑے زیب تن اسی حالت میں آپ معہ اہل و عیال مکان چھوڑ گئے، اور کسی دوسری جگہ شب باش ہوئے۔

آپ کا مکان کو چھوڑنا ہی تھا، کہ بدمعاش لٹیرے جو اسی انتظار میں گھات لگائے بیٹھے تھے، ٹوٹ پڑے اور تمام سامان، نقدی، زیور، وغیرہ لوٹ کر لے گئے، اور اس لوٹ کھسوٹ کے بعد مکان بھی نذرِ آتش کر دیا۔

لٹیروں نے اسی پر بس نہ کی، بلکہ آپ کا وہ عزیز ترین کتب خانہ جس میں ہزارہا روپے کی نایاب و قیمتی کتابیں تھیں، اور جن کو آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جمع کیا، اور خریدا تھا، جلا کر خاک کر دیں۔ کتابوں کے جلنے کا صدمہ مولانا کو اکلوتے فرزند کی شہادت سے کم نہ تھا۔ یہ کتابیں حضرت کا سرمایۂ زندگی تھیں۔ اور ان میں بعض تو اس قدر نایاب تھیں کہ ان کا ملنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا تھا، یہ صدمۂ جانکاہ آپ کو آخری دم تک رہا، اور حقیقت میں آپ کی ناگہانی موت کا سبب یہ دو ہی صدمات تھے، ایک فرزند کی اچانک شہادت اور دوسرے بیش قیمت کتب کی سوختگی۔ چنانچہ یہ دونوں صدمے تھوڑے عرصہ میں آپ کی جان لے کر رہے۔

ہجرت

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو یعنی "یوم آزادی" سے ایک روز بیشتر آپ اپنے وطن مالوف کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر ہجرت فرمائے پاکستان ہوئے۔ اور لٹ پٹ کر دارالکتب ثنائیہ، دفتر اہلحدیث، آٹھ دس مکانات، ثنائی برقی پریس، ذاتی کتب خانہ، کئی دوکانیں، ہزاروں کی نقدی، زیورات بیش بہا سامان پارچات وغیرہ لٹا کر، جلوا کر، فرزند کی شہادت کا صدمہ اٹھا کر آپ کسی نہ کسی طرح بعد مصائب و آلام لاہور پہنچے، اور چند روز وہیں قیام فرمایا۔

جماعت اہل حدیث گوجرانوالہ کو آپ کی ہجرت کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ آپ لاہور میں ہیں، تو چند اصحاب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو گوجرانوالہ لے آئے، کوئی چار ساڑھے چار مہینے آپ گوجرانوالہ میں رہے۔ پھر وسط جنوری ۱۹۴۸ء میں آپ سرگودھا تشریف لے گئے۔ کیونکہ سرگودھا میں آپ کے نام ایک پریس الاٹ ہو گیا، اور مکان بھی مل گیا تھا۔

آپ کا عزم مبارک یہ تھا، کہ سرگودھا رہ کر توحید و سنت کی اشاعت کا فرض ادا کیا جائے۔ قرآن و حدیث کی درس تدریس کا سلسلہ بھی یہیں جاری ہو۔ اور دین کی جو خدمات آپ امرتسر میں بجالاتے تھے، وہیں یہاں بھی سرانجام دیں۔ چنانچہ آپ نے پریس کا نام اپنے امرتسر والے مطبع کے نام پر "ثنائی برقی پریس" رکھا اور اس کا انتظام اپنے پوتے مولوی رضاء اللہ[۱] کے سپرد کیا، اور

---

[۱] آپ مدرسہ رحمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں آج کل سرگودھا ہی میں مقیم ہیں۔ آپ کے تین بھائی اور ہیں ذکاء اللہ، بہاء اللہ، ضیاء اللہ۔

خود اخبار "اہلحدیث" کو دوبارہ جاری کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، دو عظیم ترین صدموں کی وجہ سے آپ اپنے عزائم کو جامۂ عمل نہ پہنا سکے اور بات وہیں کی وہیں رہ گئی!

بے غرضی و بے نفسی

پاکستان میں لاکھوں پناہ گزین قیام پذیر ہیں، مگر ان میں سے کتنے ہیں جنہوں نے کسی غرض و طمع کا اظہار نہیں کیا۔ ایک مکان یا مناسب روزگار حاصل کرنا تو معمولی بات ہے، ہزاروں مہاجروں نے کئی کئی مکان اور کئی کئی کارخانے اپنے نام الاٹ کرائے، افسروں کی خوشامدیں کیں، حاکموں کے قدم چومے، ان کی کوٹھیوں کے طواف کیے، اور جائز ناجائز جس طرح بھی ہو سکا۔ اپنے نقصان پورے کر لیے، بلکہ بعض نے تو نقصان سے ہزار گنا زیادہ حاصل کیا۔ مگر مولانا ابوالوفا تھے، کہ پاکستان میں قدم رکھتے ہی چپ سادھ لی گورنمنٹ کے کسی متعلقہ دفتر میں کوئی مکان وغیرہ الاٹ کرانے کی درخواست نہ دی، اور اس قدر صبر و تحمل دکھایا جو اکثر کے نزدیک موجب حیرت ہے اور ناممکن بھی!

حضرت مولانا کوئی غیر معروف انسان نہ تھے، پاک و ہند کا بچہ بچہ آپ کے اسم گرامی سے واقف تھا، حاکم اور افسر آپ کو سر آنکھوں پہ بٹھاتے اور آپ کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے، لیکن جب آپ پاکستان تشریف لائے، تو کبھی افسر سے ملنے کی نہ کوشش کی، نہ خواہش۔ اور عجیب تر بات یہ کہ جن افسروں کی خدمت میں حاضر ہونے کو عوام ترستے اور طرح طرح کے پاپڑ بیلتے، وہ افسر خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ سے ضروریات کے

متعلق پوچھتے، خدمت کی تمنا ظاہر کرتے۔ مگر آپ بالکل خاموش رہتے۔ نہ تو حرفِ شکایت زبان پر لاتے، نہ کوئی تکلیف بیان کرتے، یہ صبر کی انتہائی منزل تھی جس پر مولانا علیہ الرحمۃ پہنچ چکے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ رسیدگانِ خدا اور خاصانِ الٰہی کے سوا اس منزل تک اور کوئی پہنچ بھی نہیں سکتا۔

ایک دفعہ احباب نے کہہ کہا کر آپ کو مسٹر حسن محمود ڈپٹی کمشنر کے پاس بھیجا، جو آپ کے محبِّ صادق اور معتقد بھی تھے۔ آپ طوعاً کرہاً گئے تو سہی۔ مگر اپنی تکلیفوں اور ضرورتوں سے متعلق ایک لفظ نہ کہا۔ اور یونہی مل ملا کر واپس لوٹ آئے۔

اسی طرح ایک بڑے حاکم آپ کی ملاقات کو حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی، کہ کوئی تکلیف ہو تو رفع کی جائے، کوئی ضرورت ہو تو پوری کی جائے اور یہاں تک عرض کی، کہ اگر آپ کوئی عظیم کارخانہ کوئی شاندار کوٹھی لینا چاہیں، تو فوراً تعمیل حکم ہو سکتی ہے، مگر حضرت کی بے نیازی اور بے نفسی ملاحظہ کیجیے، کہ زبان مبارک سے کچھ نہ فرمایا اور کیا تو یہ کہ انگشت شہادت آسمان کی طرف کھڑی کر دی۔ مطلب یہ تھا کہ مالکِ حقیقی کے سوا کون کسی کی تکلیفیں دُور اور ضرورتیں پوری کر سکتا ہے؟ اسے کوئی خودداری کہے یا بے غرضی مگر ہم تو یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ نے انتہائی رنج والم اور مصائب و نوائب میں بھی وہی درسِ توحید دیا، جس کے لیے خدائے واحد نے آپ کو مامور فرمایا تھا۔

اِتقاء و تورُّع

قیامِ پاکستان کے ایام میں جس قسم کی بے غرضی و بے نفسی کا آپ نے

اظہار فرمایا، اسی قسم کے زہد و ورع کا آپ سے ظہور ہوا، جب آپ پاکستان پہنچے تو کل پچاس روپے آپ کے پاس تھے، اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ جماعت اہلحدیث کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چلا، تو اکثر احباب نے امداد کی خواہش کی، مگر آپ انکار فرماتے رہے۔

ایک صاحب نے ارادہ کیا، کہ آپ کے سال بھر کے خرچ کے لیے غلّہ بھیج دیا جائے، جب مولانا کو معلوم ہوا کہ یہ غلّہ لُوٹ کا ہے تو صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا ایسی کوئی چیز مجھے نہ دی جائے جو مشکوک و مشتبہ اور لُوٹ مار سے حاصل کردہ ہو۔

ایک صاحب چند کرسیاں لے آئے اور مولینا کی قیام گاہ میں بدیں غرض رکھ دیں، کہ آپ سے کئی افسر اور بڑے بڑے آدمی ملنے آتے ہیں، انہیں بٹھانے میں تکلیف نہ ہو، مولینا کو علم ہوا تو آپ نے وہ کرسیاں باہر رکھوا دیں اور تحقیقات شروع کر دی، جب یقین ہو گیا، کہ یہ کرسیاں لُوٹ کی نہیں، تو اندر رکھنے کی اجازت دے دی۔

چنیوٹ (ضلع جھنگ) کی جماعت اہل حدیث نے زکوٰۃ کا ہزار پانچ سو روپیہ جمع کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے رقم دیکھی تو فرمایا، صاحب! کیا کہوں؟ نقصان بے اندازہ ہوا ہے، اور تکلیف بھی بہت ہے۔ مگر غیرت یہ گوارا نہیں کرتی، کہ زکوٰۃ لے کر کھاؤں، یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا اور تنگی سے وقت گزار لیا[1]

امرتسر کی زندگی میں مولانا بہت خوش پوش اور خوش خور تھے، اچھا پہنتے

---

[1] حالانکہ ان دنوں مولانا پر زکوٰۃ جائز تھی۔

اور اچھا کھاتے تھے۔ مگر پاکستان آئے، تو اکثر دیکھا، کہ کپڑوں میں پیوند لگے ہیں۔ اور پھٹی پرانی پوشاک کو حریر واطلس سمجھ کر پہن رہے ہیں۔ مسور کی دال اور خشک روٹی ہی سے پیٹ بھر لیا ہے۔ کبھی سالن نہیں ملا تو پیاز وغیرہ کی چٹنی ہی سے روٹی کھا لی ہے اور خدا تعالیٰ کا ہزار بار شکر ادا کیا ہے۔

ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے کہ کوئی واقف حال حاضر خدمت ہوئے دیکھا کہ دو خشک پھلکے رکھے ہیں، اور ان کے ساتھ مسور کی بن بگھاری دال اور تھوڑی سی چٹنی ہے۔ واقف حال نے یہ منظر دیکھا، تو آنسو نکل آئے۔ پوچھا: "حضرت! حالت بہ اینجا رسید؟ یعنی اب حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے؟"

فرمایا: "کوئی بات نہیں، یہ امتحان ہے جس کو پاس کرنا ہے۔ منعم حقیقی! مجھ سے قناعت کا امتحان لے رہا ہے، کوئی خیال نہ کرو۔ ؏

ہے شکر کی جگہ، کہ شکایت نہیں مجھے"

الغرض، جماعت کی طرف سے یا احباب و معتقدین کی جانب سے آپ کو کوئی امدادی رقم پہنچتی، غلہ یا کوئی دوسری چیز آتی تو حضرت محترم اس کی خوب تحقیقات کرتے کراتے کہ وہ لُوٹ یا زکوٰۃ وخیرات کی تو نہیں؟ اطمینان ہو جاتا، کہ ایسی نہیں، تو رکھ لیتے، ورنہ واپس کر دیتے، ایک مرتبہ کسی نے پوشاک بنوا کے بھیجی، آپ نے لے تو لی، مگر اس وقت نہ پہنی، جب تک یقین نہ ہو گیا، کہ کپڑا لوٹ کا نہ تھا۔

آپ نے کسی کے آگے دستِ سوال نہیں پھیلایا، پاکستان میں جب تک زندہ رہے، انتہائی صبر و قناعت سے گذارا کیا اور کبھی کسی سے یہ نہیں کہا کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے، فلاں تکلیف ہے، کوئی خوشی سے ازراہ اخوتِ اسلامی

دے دیتا تو لے لیتے، ورنہ خاموش رہتے۔ ــــــ

جماعت کے ذی استطاعت احباب کو جوں جوں پتہ چلا، انہوں نے آپ کی خدمت کی، بیرونجات کے احباب نے منی آرڈر بھیجے، قرب وجوار کے احباب خود حاضر ہوئے، کسی کی خدمت قبول کرلی کسی کی نہ کی۔ خود نیاز مند نے بھی سو روپے کی قلیل سی رقم پیش کی تو فرمایا تم میرے بھانجے ہو، مجھ سے چھوٹے ہو، مجھے چاہیئے تھا کہ تمہیں کچھ دیتا اور تم الٹا مجھے دے رہے ہو، میرے اصرار پہ قبول تو فرمالیا، مگر بھرے دل سے فرمایا، اچھا اگر میری وساطت سے کسی موقعہ محل پہ لگ گیا تو تمہیں بھی اجر ہوگا۔

آپ ایسی حالت میں بھی غربا و مساکین کا خاص خیال رکھتے تھے۔ تکلیف و عسرت کے ایام میں بھی جود وسخا کا سلسلہ منقطع نہیں کیا، جو رقم آتی، اس میں سے محتاجوں کو دیتے اور دل کھول کر دیتے۔ باوجودیکہ آپ خود ہر چیز کے ضرورتمند تھے، لیکن محتاج دوستوں کی ضرورتیں پوری کرتے، انہیں بدست خود دیتے یا بذریعہ منی آرڈر بھیجتے اور کسی وقت فراموش نہ کرتے۔ آپ نے سو سو روپے کے منی آرڈر بھی ارسال کئے ہیں، اور دس دس، بیس بیس روپے کے فارم تو عام ہو جاتے تھے۔[2]

---

[1] آپ میرے نانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادیؒ کے شاگرد تھے اس بنا پر فرمایا کرتے کہ تمہاری والدہ میری ہمشیرہ تھی۔

[2] یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ ۱۰/ روپے بہت قیمت رکھتے تھے آج کل کے دو صد کے برابر ہوں گے (فاروقی)

علالت

یوں تو مولانا پاکستان میں آتے ہی بیمار رہنے لگے تھے، ضعیفی میں ناقابل برداشت صدمے جھیلنے پڑے۔ اکلوتے لخت جگر کی دائمی جدائی نے اور بھی نڈھال کر دیا۔ سب سے زیادہ غم آپ کو قیمتی کتابوں کے ضائع ہونے کا تھا۔ جب یہ صدمات یاد آتے تو مزاج مبارک پر نہایت مضعف اثر پڑتا، کمزور پہلے ہی تھے۔ اب نقاہت و نحافت نے غلبہ کر لیا۔ کئی قسم کے عوارض مسلط ہو گئے۔

لیکن جب آپ سرگودھا تشریف لے گئے تو صدمات کی یاد نے دل و جگر پر گھرے چرکے لگائے۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ ۱۲ ر فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر دائیں جانب فالج کا حملہ ہوا، حملہ مرض نہایت شدید تھا، سماعت، شناخت اور تکلم کی قوتیں زائل ہو گئیں، احباب و اعزا نے علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یونانی اور ڈاکٹری علاج ہوتے رہے، بالآخر کچھ پہچاننے لگے، مگر بول نہ سکتے تھے کوئی کان لگا کر سنتا تو" یا اللہ، یا اللہ" سنائی دیتا۔

رحلت

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے اٹل قانون سے کون مستثنیٰ ہے، جرثومۂ غیر مرئی سے لے کر فیل قوی الجثہ تک سب اس آئین ابدی کے تحت ہیں ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

اسی ازلی وابدی قانون کے ماتحت جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو عموماً یہ حادثہ عظیمہ پیش آیا کہ امام المناظرین، عالم بے بدل، فاتح قادیان اور جماعت کا محبوب رہنما اور برّ صغیر کا لاثانی مجاہد یعنی شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ، شرک و بدعت سے چاک شدہ قلب و جگر کو سینے والا رفوگر سوا مہینہ صاحب فراش رہ کر ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء بروز دوشنبہ بوقت صبح عالم فانی کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر رہگرائے عالم جاودانی ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آہ! ؎

چاک کے تقدیر کو ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سینتی رہے

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریروں اور وعظوں میں یہ اشعار بکثرت پڑھا کرتے تھے ؎

مارا دیارِ غیر میں لا کر وطن سے دُور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم



شہر میں چین، نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے! تیر مسافر کو کہاں ملتی ہے

چنانچہ حضرت کی یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی، آپ غریب الدیار تھے، بے وطن تھے، ابھی مستقل سکونت کے انتظامات مکمل نہیں ہونے پائے تھے، کہ پیام اجل آپہنچا۔ اور وہ شیرِ اسلام و ضیغم ملّت، جس کی دہاڑ سے روباہانِ شرک اور شغالانِ کفر دُم دبا کر بھاگتے تھے، وہ علوم دینیہ کا آفتاب درخشاں جس کی نورانی کرنیں توحید و سنّت کی روشنی پھیلاتی تھیں، ہمیشہ کے لیے ہماری

نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

خاصان حق کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے، درست ہوتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے، حضرت العلام قاضی محمد سلیمان ؒ پٹیالوی مصنف "رحمۃ للعالمین"، خود شاعر تھے وجد آفریں شعر موزوں فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار مرحوم نے ایک نظم کہی، جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

میرا مرقد مرے احباب کے سینے ہوں گے
تو وہ خاک کو مت جانیو تربت میری

یہ شعر کہنے سے کئی سال بعد آپ حج پر تشریف لے گئے، واپسی پر طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور آپ نے عرشہ جہاز پر رحلت فرمائی، بحری قانون کے مطابق آپ کی نعش مبارک سمندر کی نذر کر دی گئی، اور اس طرح قاضی صاحب مغفور کی یہ پیشگوئی حرف بحرف درست نکلی، کہ ان کی قبر کہیں نہ ہو گی۔ ان کے احباب کے سینے ہی ان کا مرقد کہلائیں گے۔ وہ سینے جن میں اُن کی یاد اب تک تڑپ رہی ہے۔

اسی طرح مولانا ابوالوفاؒ کی زبان مبارک پر جو اشعار جاری رہتے تھے وہ بھی ٹھیک نکلے۔ اور آپ کا اکثر یہ کہنا کہ ؎

مارا دیار غیر میں لا کر وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

غور کیا جائے تو سو فیصدی ٹھیک ثابت ہوا، درحقیقت اِن بزرگوں نے "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" کہنے والی نبوت کا ذبہ جعلیہ کے گستاخ منہ پہ وہ چپت رسید کی ہے، کہ وہ مکہ اور مدینہ ایسے مقدس مقام میں نہیں، بلکہ لاہور میں ہیضہ سے ہلاک ہو کر اولی الابصار کو ایک درس عبرت دے جائے

کہ جھوٹی پیش گوئیاں کرنے والوں کا انجام ــــ دردناک انجام آخر کار یہ ہوتا ہے۔

عالم گیر ماتم[1]

جس روز حضرت نے وفات پائی، اسی روز یعنی ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو پاکستان ریڈیو پر آپ کی رحلت کی خبر براڈکاسٹ ہوئی۔ تلغرافی کے آلات حرکت میں آئے، اور بجلی کی طرح پاک وہند کے طول وعرض میں مہر العلوم کے غروب ہونے کی خبر پھیل گئی۔ آپ کی فوتیدگی کی اطلاع جس جس نے سنی۔ سراسیمہ رہ گیا۔ ملت اسلامیہ اپنے اس ناقابل تلافی نقصان پر سوگوار ہوئی۔ پاکستانی اور بھارتی جرائد نے ماتمی مقالے لکھے، دونوں مملکتوں میں تعزیت کے اجلاس منعقد ہوئے۔ آپ کے مخالفین واعدار نے بھی رنج وافسوس کا اظہار کیا۔ علاوہ بریں تمام اسلامی ممالک میں بھی آپ کا ماتم منایا گیا۔ سچ ہے، مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ ایک عالم اسلام کی موت گویا سارے جہان کی موت ہوتی ہے۔ پھر عالم بھی وہ، جو باعمل تھا، سنت نبوی پر عامل تھا، صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھا۔ جس نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک دین مقدس اور ملت حنیف کی خدمت کی۔ اس کو کفار واشرار کی مہلک فتنہ انگیزیوں سے بچایا، تمام عالم اسلام اس کے لیے کیوں سوگوار نہ ہوتا؟

آہ! سہ

---

[1] ماتم بمعنی رنج وافسوس۔ رونا پیٹنا اور واویلا مراد نہیں۔ کیونکہ وہ تو حرام اور ممنوع ہے۔ (فاروقی)

قوم کا اک چراغ تھا، نہ رہا
ایک عالی دماغ تھا، نہ رہا

جماعتی نقصان اور اس کی تلافی

شیخ الاسلام حضرت ابوالوفاؒ کی رحلت سے جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو عموماً جو نقصان پہنچا ہے، وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ دین وملت کے ایسے پرخلوص خادم شاذ ونادر پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ لاکھوں سال پخت وپز کے بعد الماس بنتا ہے۔ اور آفتاب کی روشنی سینکڑوں برس کی مسافت طے کرکے زمین تک پہنچتی ہے، بقول مفکّر اسلامؒ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا نے ساٹھ سال تک متواتر اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں، توحید ورسالت کے احیاء، اور کتاب وسنت کے بقاء میں جو مساعیٔ جمیلہ بروئے کار لائی ہیں وہ اس قابل نہیں کہ کبھی فراموش ہوجائیں۔ آپ نے شرک وبدعت کے استیصال کے لیے اپنی حیات عزیز وقف کردی، اور مناظرہ ایسے مایہ ناز فن میں جان ڈالی۔ یہ آپ کا کمالِ مناظرت ہی تھا جس کی بدولت ہندوستان کے کافر ومشرک اکثریت جو اسلام کو نیست ونابود کردینا چاہتی تھی، غلبہ نہ پاسکی۔ اور مسلمان اس کفرستان میں سکھ کا سانس لینے لگے۔ بیسویں صدی کے نازک ترین دور میں آپ کا ظہور مصلحانہ ومجددانہ حیثیت کا سرمایہ دار ہے، اور بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اگر آپ اس پرآشوب زمانے میں مامور نہ ہوتے تو ہندوستان سے توحید ختم ہوچکی ہوتی اور اسلام ایک

افسانہ پارینہ سمجھا جاتا۔ آپ کی وفات سے تو مناظرے کا میدان بالکل خالی ہوگیا، بالفاظ صحیح یوں کہنا چاہیئے کہ آپ کے بعد مسلمانوں سے ذوقِ مناظرت[1] ہی ختم ہوگیا، اور خدا معلوم کب تک ختم رہے گا۔

ہمارا فرض

یہ بات اگرچہ قدرتی ہے، کہ جو حُسن و خوبی ایک میں ہوتی ہے، وہ دوسرے میں نہیں پائی جاتی، مگر ہمیں جی نہیں چھوڑنا اور ہمت نہیں ہارنا چاہیئے، ہمیشہ بقار خدا ہی کی ذات کو ہے، اس عالم فانی میں جو پیدا ہوا آخر اسے ایک دن مرنا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

اس لیے ہمارا یہ فرض ہے اور اولین فرض ہے کہ جس مشن اور جس کام کو حضرت شیخ الاسلامؒ چھوڑ گئے ہیں، اللہ کا نام لے کر ہم اسے اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائیں۔ مرحوم نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اسے جاری رکھیں۔ اس پر خود بھی عمل کریں، دوسروں کو بھی چلائیں، اور اپنے کردار سے ثابت کر دیں کہ ثنار اللہ مرا نہیں زندہ ہے، یا جب تک اس کا کام جاری رہے گا، اس کا نام بھی زندہ

---

[1] بیشک آپ کے بعد اکا دکا مناظرے ہوتے رہے مگر وہ اس شان کے نہیں تھے جیسا کہ آپ کے ہوتے تھے۔ آپ مسکرا مسکرا کر مناظرہ کیا کرتے تھے۔ گھبراہٹ اور عجلت نام کی کوئی چیز آپ کے چہرے پر نہ ہوتی تھی۔ آپ علم کے شناور، کتاب و سنّت کے غوّاص، اصول مناظرہ سے اچھی طرح آگاہ، بے مثال حاضر جواب اور مذاہب عالم پر گہری نظر رکھتے تھے۔ (فاروقی)

رہے گا۔ کہ نام ہمیشہ جسم اور وجود سے نہیں، کام اور کردار سے زندہ رہتا ہے اور حیاتِ ابدی پاتا ہے۔ ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آخر میں حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر فرزند اسلام کو توحید پر چلنے، کتاب و سنت سے لو لگانے اور دین و ملت کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے اور ہم نے جس مقصد اور جس غرض سے مولانا کے حالات مرتب کیے ہیں، خدا کرے کہ ہر مسلمان ان سے فائدہ اٹھائے، آپ کے اقوال و افعال سے مستفید ہو، ان کے نقشِ قدم پر چلے[1] کہ اسلام اور اس کی ملت کا نام بلند و رفیع نظر آئے۔ آمین ثم آمین و آخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

---

[1] یعنی جس طرح توحید و سنت کی آپ نے خدمت و اشاعت کی ہے، اس طرح کرے۔ (فاروقی)

حصۂ نظم

اشعارِ تعزیت

مولینا مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبر سُن کر بہت سے احباب نے تعزیتی خطوط بھیجے، نظمیں لکھیں اور کئی اخبارات نے اس حادثہ فاجعہ پر مستقل مقالے لکھے جن کا اندراج تو یہاں موزوں تھا، مگر ہم طوالت کے خوف سے اخباری مضامین حذف کر رہے ہیں اور محض حصہ نظم شامل اشاعت کرتے ہیں تاکہ یہ بطور یادگار محفوظ رہے اور منظومات کے شائق اس حصہ سے لطف اندوز ہوں۔

دل میں جتنے درد ہیں پورے سنا سکتا نہیں

از مولینا عبد الحکیم صاحب مجاز اعظمی

دل میں جتنے درد ہیں پورے سنا سکتا نہیں!
اب رُلا سکتا ہوں میں لیکن ہنسا سکتا نہیں
نالہ و فریاد کرتا ہوں تو بھر آتا ہے دِل
اور خاموشی میں سو سو بار بھر آتا ہے دِل

لے زمیں تیرے شکم میں اپنا دل بوتا ہوں میں
آسماں تو روک لے بارش کہ اب روتا ہوں میں
اے امانِ مسلماں! اے سرورِ ہندوستاں
اے شفیقِ دشمناں! اے چارہ جوئے دوستاں
اے زبانِ بے زباں! اے مایۂ بے مائگاں!
غازیٔ حسنِ بیاں! اے شوکتِ منبر وستاں
آ! کہ میری چشمکِ بے نور بہ جانے کو ہے
سوزشِ دردِ جدائی آگ بھڑکانے کو ہے
یوں تو ساقی بھی ہیں ہر ہر گام پر مینا بھی ہے
نعمتیں ہیں، مجلسِ احبابِ دیرینہ بھی ہے
مورچھل کے زمزمے ہیں بسترِ آرام بھی
قصرِ رعنائی بھی ہے مفروشاتِ مشک آشام بھی
آہ! روح کالبدِ اسلامیاں تو ہی نہیں
اُف گلِ گلزار تیرے جسم میں بو ہی نہیں
تکتے ہیں تارے شبانہ ماہِ عالمتاب کو
ڈھونڈتا پھرتا ہے ہندوستاں شہ پنجاب کو
سارے اعضائے جوارح سے جو نسبت سر کو ہے
ہاں وہی اہلِ خرد سے شیخ امرتسرؒ کو ہے
سر نہیں تو معنیٔ جیواں کوئی جیواں نہیں
بعد مرگ بوالوفاءؒ کچھ علم میں اب جاں نہیں

ہاں مگر انسان مرنے ہی سے مر جاتا نہیں !
نقش لوحِ دل پہ رہ جاتا ہے پر جاتا نہیں
مل نہیں سکتا ہمیں حنیفِ خدا کس نے کہا
مر کے مٹ جائیں گے حضرت بوالوفا کس نے کہا
تشنہ کامانِ وطن ! اب بھی ساقی زندہ ہے
چشمِ عبرت کے لیے تابندہ ہے پائندہ ہے
یاد آجایا کریں گے "ترک[1]" کی تعبیر میں
ڈھونڈھ لوں گا جب کبھی ہو گا کسی "تفسیر[2]" میں
دیکھنا چاہے گا دل جب جاہلوں کے رنگ کو
مرکبِ تازی اڑے گا قادیاں کی جنگ کو
اور جب تثلیث کی یلغار ہو توحید پر
تیغ "اسلام[3] و مسیحیت" اُٹھے تائید پر
پھر کبھی حرکت ہو گر باطل کی مردہ لاش میں
چارہ ڈھونڈے دستِ مسلم سیفِ حق[4] پرکاش میں

---

[1] حضرت مولانا کی معرکۃ الآراکتاب "ترکِ اسلام بجواب ترکِ اسلام" کی طرف اشارہ ہے جس نے غازی محمود دھرم پال جیسے انتہائی بے دین پر بابِ اسلام کھول دیا۔

[2] حضرت واصل باللہ رحمہ اللہ کی مستند تفسیر ثنائی کی طرف اشارہ ہے۔

[3] مولانا کی بلند پایہ کتاب ہے جس نے اسلام کو بمقابلہ مسیحیت اونچا کیا۔

[4] حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی باطل شکن کتاب بجواب "ستیارتھ پرکاش" ہے اس نے آریوں کے سینکڑوں اعتراضات کے جواب دیئے اور امتِ محمدیہ کو سکھلائے۔

کہ ہو اَلقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعضُہٗ بَعضًا کی چاہ
ڈال تفسیر[1] ثناء اللہ پر غائر نگاہ
آئے گر تبخیر بد، غارت گر بوئے رسولؐ
دوڑ کر باغ "مقدس"[2] سے اٹھا تھوڑا سا پھول
جھانک اسے چشمِ تصور! بڑھ "نگینہ"[3] کی طرف
دیکھ غرّاتے ہوئے شیرِ نرینہ کی طرف
درد اپنے سب کہے جاتا ہوں اور بیہوش ہوں
رو کے خود اور دل کو رُلواتا ہوں اور بیہوش ہوں
طول کھینچا کس قدر خونباری تقریر نے
ایسا ہی عنوان پیدا کر دیا تقدیر نے
اُف مجاہد اک شور ہے "سرگودھا[4] پنجاب" میں
درد بھر جاتا ہوں یاں خاموشیٔ بیتاب میں

---

[1] مفسرِ اسلامؒ کی عربی تفسیر ہے جس پر علمائے اقطاب و مشاہیر قدماء کی تقریظات و تحریرات بھی ہیں اس کا نام تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے اور اسے منہاج خیر القرون ہونے کا شرف حاصل ہے ۱۲ منہ۔

[2] مولانا کی مشہور تصنیف "مقدس رسول" بجواب "رنگیلا رسول" اس کی عظمت اسی سے سمجھئے کہ مولانا نے بارگاہِ ذوالجلال میں اس کے ذریعے نجات ہونے کی امید کی ہے ۱۲ منہ

[3] مناظرہ نگینہ ۱۹۰۳ء مولانا کی مناظرانہ قابلیت کے اظہار کا پہلا میدان ہے یہ مناظرہ آریوں سے ہوا تھا اور ایک ہفتہ تک ہوتا رہا، بالآخر مطلع حق کا طالع منیر سوادِ باطل پر چھا گیا۔

[4] یہ وہ مقام ہے جہاں شیخ الاسلام کا انتقال ہوا ۱۲ منہ

تھی بیاں میں جس کے دریا کی روانی کون تھا

از مولینا ابوالبشیر محمد حبیب اللہ صاحب نشتر دیوریہ

اے ثناء اللہ اے شیرِ خدائے لم یزل
قاسمِ علمِ الٰہی پیکرِ علم و عمل!
ارتداد و کفر و بدعت کو دبا تو نے کچل
سرنگوں قدموں پہ تیرے ہو گئے لات و ہبل
سرزمینِ ہند میں تو نے اُجالا کر دیا
سرحدوں میں کفر کی طوفاں برپا کر دیا
اے کہ تیری ذات دنیا کے لیے انعام تھی
اے کہ تیری ہر صدا اسلام کا پیغام تھی
نغمۂ توحید کو گایا عجب انداز سے
راہِ حق پر آ گئے لاکھوں تری آواز سے
نرغۂ اعداء میں صدمے پے بہ پے سہتا تھا تو
خیر خواہی میں نگراں ان کی ہیں ہمہ رہتا تھا تو
صاف ستھری بے لگی لپٹی سخن کہتا تھا تو
موجِ خود رائی میں کب اے شیرِ رب بہتا تھا تو
دردِ دل اپنا بیاں کرتا تھا سب کے سامنے
ہاں مودّت پیش کرتا تھا غضب کے سامنے

حق بیانی کا نہ چھوڑا تو نے دامن تا حیات
کھا گیا تجھ سے فروغ کذب صدہا بار مات
دن کو کہہ دیتا تھا دن اور رات کو بے لوث رات
حق تعالیٰ تجھ سے کہلاتا تھا کتنی صاف بات
سرزمین ہند میں خدمت گزارِ دیں تھا تو
باغبانِ گلشنِ دیں پاسدارِ دیں تھا تو
شیرِ غراں کی طرح میدان میں جب آ گیا
آہوئے ہر دشت باطل کا قدم تھرّا گیا
اپنا اندازِ بیاں جس بزم میں دکھلا گیا
ہر لبِ تقریر ساکت ہو گیا تو چھا گیا
اللہ اللہ کس قدر زورِ بیاں رکھتا تھا تو
خامۂ تحریر کس درجہ گراں رکھتا تھا تو
تو مناظر تو مفسر تو محدث باکمال
تاب تھی کس آنکھ میں دیکھے ترا رعب و جلال
قادیانی و بہائی ہو گئے تجھ سے نڈھال
تیرے آگے آریوں نے بھی دیئے ہتھیار ڈال
مسلم و کافر جو آئینِ خدا سے دُور تھا
ان کو راہِ راست پر لانے کو تُو مجبور تھا
تیری ہستی تھی مسلمانوں کے حق میں وہ سپر
تیغِ باطل کا نہ ہوتا تھا کبھی جس پر اثر

قلبِ شیطاں پر تری ہیبت تھی چھائی اس قدر
تھرتھرا اٹھتا تھا ظالم تیری صورت دیکھ کر
جب سجی محفل کوئی ابلیس کی تزویر سے
پھونک ڈالا تو نے اس کو آتشِ تقریر سے
اسے گُلِ گلزارِ وحدت تیرا ثانی کون تھا
تھی بیاں میں جس کے دریا کی روانی کون تھا
جس کے سر پر تھا لوائے کامرانی کون تھا
کر دیا جس نے الگ دودھ اور پانی کون تھا
اسے ثناء اللہ! تیرے بعد اب کوئی نہیں
کون ہے وہ آنکھ تیرے غم میں جو روئی نہیں
عالمِ شیریں بیاں ہم میں جو تھا جاتا رہا
صدرِ بزمِ عالماں ہم میں جو تھا جاتا رہا
زینتِ ہندوستاں ہم میں جو تھا جاتا رہا
ہائے میرِ کارواں ہم میں جو تھا جاتا رہا
چل بسا وہ ناخدائے کشتیٔ اسلام حیف
حیف بر ما حیف بر با گردشِ ایام حیف
ہائے دنیا سے چراغِ بزمِ ایماں گم ہوا
واقفِ ہر نکتۂ آیاتِ قرآں گم ہوا
گل تو ہیں لاکھوں مگر حسنِ گلستاں گم ہوا
ہے چمن اجڑا ہوا، کیفِ بہاراں گم ہوا

ہے اُداسی ہر طرف پھیلی ہوئی چھائی ہوئی
گُلشنِ ہستی کی ہے ہر شاخ مرجھائی ہوئی
آریوں کو کون دے گا اب جواب لاجواب
قادیانی سے کرے گا کون بڑھ بڑھ کر خطاب
بحث میں عیسائیوں سے کون ہو گا کامیاب
کون دکھلائے گا ہر گمراہ کو راہِ صواب
زندگی میں کون بتلائے گا رازِ بندگی
کون ہو گا بہرِ مسلم موجبِ خُرسندگی
ہر مخالف سے کرے جو گفتگو وہ کون تھا
راہِ حق میں جو کرے خوں سے وضو وہ کون تھا
وقف ہو بہرِ خدا جس کا لہُو وہ کون تھا
فی زمانہ تھا جو دیں کی آبرو وہ کون تھا
تھا یہی وہ مردِ میداں جس کا ماتم آج ہے
جس کی رحلت سے اسیرِ غم یہ عالم آج ہے
جس پہ نازاں تھا چمن وہ پھول ہی مرجھا گیا
آفتابِ رشد و عرفان و ہدیٰ گہنا گیا
اے مناظر ہائے تو باغِ جہاں سے کیا گیا
نیرِ غم سے اپنے شیداؤں کا دل برما گیا
اے مسافر تیز رفتاری تجھے اچھی نہ تھی
چھوڑ دینی جائے سرداری تجھے اچھی نہ تھی

اور جینا تھا تجھے اے خضرِ راہِ مستقیم
یوں نہ ہوتا تھا تجھے بیتابِ جناتِ نعیم
تیرے شیداؤں کے سر پر گر پڑا کوہِ عظیم
مختصر یہ ہوگئی تیری جماعت اب یتیم
خُلد بھی تیرے لیے تو خُلد کا بیتاب تھا
نیّرِ مقبولِ دو عالم ضیغمِ پنجاب تھا



تیری فرقت کے غم میں تیرے غمخواروں پہ کیا گزری

از مولانا محمد داؤد صاحب راز شکراوی

بتا اے بلبلِ نالاں! یہ گلزاروں پہ کیا گزری
یہ ٹوٹا کوہِ غم کیسا؟ یہ کاشانوں پہ کیا گزری
سنا جب بوالوفا کی موت کو ٹوٹے ہوئے دل نے
بتاؤں کیا؟ دماغ اور قلب اور آنکھوں پہ کیا گزری
تجھے اے کاش تصویرِ وفا جا کر کوئی کہہ دے
تیری فرقت کے غم میں تیرے غمخواروں پہ کیا گزری
بجھایا موت کے ہاتھوں نے جب شمعِ حقیقت کو
دلِ ناشاد بتلا دے کہ پروانوں پہ کیا گزری

جہاں بہتے تھے دریا فیض قرآن اور سنت کے
وہاں ہے ہُو کا عالم! یہ خدا خانوں پہ کیا گزری

جہاں پر علم و فن کے موتیوں کی جگمگاہٹ تھی
وہاں کچھ بے خبر؟ ان گوہر افشانوں پہ کیا گزری

ہو چشم زدن میں کیا سے کیا، خوب انقلاب آیا
کہوں کیا؟ ہے یہ دیر و حرم والوں پہ کیا گزری

کہاں ہیں ہائے مولانا ثناء اللہ سے فاضل؟
کہ جن کی موت سے وحدت کے مستانوں پہ کیا گزری

خبر بھی ہے تجھے اے آسمانِ فضل کے تارے!
جدائی سے تری! ترے ثنا خوانوں پہ کیا گزری

صراحی ہے نہ پیمانہ! سبُو ہے اور نہ خُم خانہ
بتا پیرِ میخانہ! یہ میخانوں پہ کیا گزری

مٹائے ہائے چرخِ بے وفا؟ نقشِ وفا تُو نے
کہاں کتبِ ثنائی ہیں؟ وہ اخباروں پہ کیا گزری

کہاں درسِ ثنائی ہے؟ کہاں جامع ثنائی ہے؟
اے ذاتِ قادرِ برحق؟ یہ حق والوں پہ کیا گزری

اے رازؔ ناتواں صبر و سکون ہر حال بہتر ہے
بھلا دیجئے خزاں کے وقت، گلزاروں پہ کیا گزری

(۴)

بخشے اللہ انہیں خوب تھے شیخ الاسلامؒ

ازعلامہ صدیقی سعیدی بستوی

یوں تو اٹھتے ہیں زمانے میں سبھی خرد و کلاں
آمد و رفت پہ قائم ہے نظام دوراں
ہے مگر راز جو آتے ہیں وہ جاتے ہیں کہاں
کرتے شاید ہیں وہ آباد کوئی اور جہاں
کھینچتی ہے کسی عالم کی ضرورت ان کو
جس سے ملتی نہیں اک دم کی بھی مہلت ان کو

اُٹھ گئے بزم طرب سے وہ وفا پیشہ تمام
کیا ہی خوش بخت تھے وہ جن کو تھا فکر انجام
دے گئے ہم کو جو خالق کا نرالا پیغام
بخشے اللہ انہیں خوب تھے شیخ الاسلام
زندگی جن کی تھی دنیا کے لیے آئینہ
مل گیا قرب خدا ان کو مبارک زینہ

کلمۂ حق کے لیے جن کی زباں وقف رہی
رنج ہر طرح سہے، پھر بھی نہ کی اس میں کمی

اہلِ باطل نے گڑاسے سے کیا جب زخمی
بڑھ گئی حق کی حمایت میں طبیعت ان کی
غم بہت تھا مگر اب اس کا ہمیں غم ہی نہیں
دامنِ حسنِ عمل ان کا ذرا نم بھی نہیں!

سایۂ حق میں عجب نشو و نما کی جس نے
کلمۂ حق کی ہر اک ڈیوٹی ادا کی جس نے
روحِ باطل کی بہر طور فنا کی جس نے
مایۂ نازِ شریعت کی ادا کی جس نے
موت کے منھ میں مباہل کو چڑھا کر چھوڑا
خاک میں کافر و مرتد کو ملا کر چھوڑا

یوں زمانے میں تھیں قرآں کی بہت تفسیریں
چھوڑ کر شیخ نے آیات کی سب تقدیریں
کی ہیں قرآن سے قرآن کی وہ تعبیریں
یاسیح ایں ہوتے ہوئے جس کے سب ہی تحریریں
وہ کیا کام زمانے سے نمایاں ہو کر
خوب باطل کو مٹایا رخِ قرآں ہو کر

زندگی وجہِ تغافل نہ بنی جس کے لیے
رزم گاہِ بزم بھی باطل کی رہی جس کے لیے

ہو وہ تقریر کہ تحریر سب ہی جس کے لیے
ہاں وہ پروانہ تھا قسمت کا دھنی جس کے لیے
شمع اسلام کی تو آنکھ ادھر روتی ہے
اس پہ روتا ہے وہی جس کی گذر ہوتی ہے

دیکھنا شانِ خدا ! کیسے قلم والے تھے
سامنے جن کے نہیں کچھ بھی علم والے تھے
پرخچے ان کے اڑائے جو بھرم والے تھے
اپنے ہی زعم میں جو قول و قسم والے تھے
دھرم کی بات سمجھتے نہ تھے اور دھرمی تھے
بات آتی نہ تھی اور اپنے تئیں نرمی تھے

دیکھنا ! کیسی ہے تفسیر ثنائی کی ادا
دینِ اسلام کی ہر رنگ سے ہے عقدہ کشا!
اس میں زہر آب کہیں ہے تو کہیں آبِ بقا
دشمن و دوست سب ہی کے ہے مرض کی وہ دوا
دیکھیے شانِ خدا ہاتھ لگا کر اس کو
خضر سے کیجیے ملاقات اٹھا کر اس کو

تھا تو توحید و رسالت پہ فدا "اہل حدیث"
نکتہ داں یاروں کے حق میں تھا صِلا "اہلِ حدیث"

طرزِ تبلیغ نرالی تھی خدا کی خاطر
محوِ خدمت ہی رہا دینِ ہدیٰ کی خاطر

(۵)

اے مناظرِ ہند کے، بڑھ لے کے اسلامی عَلَم

مولینا ڈاکونڈوی سے خلف مولانا عبد الغفور صاحب بسکوہری

اے زعیمِ قوم و خیرِ امتِ خیر الامم
کاش آجائے تیرا پھر سے وجودِ محترم
تو گیا جنت، جہنم بن گیا موطن ترا
تو مرا کیا، کفر کا ہونے لگا ہر سُو جنم
چاہیئے تیری سراپا خیر ذات اس عہد کو
پھر رہے ہیں گرگِ شر ہر ہر جگہ ہر ہر قدم
پھر دیوبندیا اور تگینہ کا مصاف گرم ہے
اے مناظر ہند کے، بڑھ لے کے اسلامی عَلَم
پھر رہے ہیں منکرینِ حق کیے سر کو بلند
لے کے آجا اپنی پھر تیغ زباں، سیفِ قلم
پھر ترا پر کاش روشن کاش ہو اکاش سے
تا کہ کر لے اقتباس نورِ چشم ہر صنم
بارشِ نوکِ قلم برسا دے واواتِ حدیث
نارِ بدعت کر رہی ہے خرمنِ سنت بھسم!

پھر اڑے یکبارگی طیارۂ "اہل حدیث"
قادیاں کے قلعے پر برسا دے جو جا کر کے بم
ایک تیرے نعرۂ حق کی فقط اب دیر ہے
ورنہ باطل کا ابھی اک دم میں گھٹ جاتا ہے دم
تیری ذاتِ فرد تھی اپنے لیے اک اجتماع
تجھ کو پا کے مضطرب ہوتے نہ تھے ہم ہو کے کم
محفلِ ملت جمی ہے دیکھ سب شیدا ترے
منتظر سننے کو ہیں تیرے مواعظ اور حِکَم
ہے پڑی خالی وہ کرسئ صدارت اک طرف
دیر سے ہے چشم بوالقاسم[1] تیری فرقت میں نم
مؤتمر چپ ہے ادھر خاموش تیری کانفرنس
وہ کھڑا برساتا ہے عبدالوہاب[2] اشک الم
اب نہیں ہرگز لڑیں گے تیرے پروانے کبھی
آ تو جا یکبار روشن پھر ہو اے شمع حرم
روح تیری پھونک دے گی، روح جسم دیں میں پھر
اور جولانی کرے گا تیرے ذاکر کا قلم

---

[1] حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی جو اس وقت زندہ تھے مگر اب وہ بھی مرحوم ہیں انا للہ۔ آپ بڑے اونچے پائے کے عالم تھے۔

[2] حضرت مولانا عبدالوہاب آروی صدر مجلس عاملہ اہلحدیث کانفرنس مدظلہ العالی شہرہ آفاق ہستی تھے۔

(۶)

آج ہر فردِ بشر غم میں ہے ان کے مغموم

از مولینا ابوالخیر عبد الصمد اختر چودھپوری سے

آج ہر سمت یہ کیوں چھائی ہوئی ہے حسرت
کر گئے کون صد افسوس جہاں سے رحلت
شیرِ پنجاب جو مولانا ثناء اللہ تھے
ہو گئے آج وہ دنیائے دنی سے رخصت
پیر کا دن تھا وہ اور تین جمادی الاول
اور تیرہ صد شصت سٹھ ۱۳۶۷ کا تھا سن ہجرت
تھے وہ اسلام کے مشہور مناظر واللہ
آہ دنیا سے کیا کوچ سدھارے جنت
آفتاب علم کا صد حیف ہوا آج غروب
چھا گئی علم کی دنیا پہ ہر اک سو ظلمت
شیخ الاسلام کہا جاتا تھا ان کو ہر سو
علم اور فضل میں تھی ان کی جہاں میں شہرت
اہل توحید کے سردار تھے سرتاج تھے وہ
دے چلے آج جماعت کو وہ دردِ فرقت
اپنی تحریر سے تقریر سے سبحان اللہ
نقش کر دیتے ہیں وہ اسلام کی دل پر عظمت

بات کرتے تھے ہر اک سے وہ نہایت شیریں
سب سے اخلاق سے ملنے کی تھی ان کی عادت
غیر مسلم بھی ہیں اخلاق کے اُن کے مدّاح
جو کہ منصف ہیں سب ہی کرتے تھے ان کی عزت
اُن کے اخلاق کریمہ کا ہے شہرہ ہر سُو
دل میں ہر شخص کے ہے اُن کی نہایت وقعت
اپنے اخبار و تصانیف سے کرتے تبلیغ
عمر بھر دین کی کرتے رہے دل سے خدمت
روز و شب دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے
مقصدِ زیست یہی ان کا تھا دین کی خدمت
آریہ وہ ہو کہ عیسائی و مرزائی ہو
ان کو حاصل تھی ہر اک فرقہ پہ فتح و نصرت
بحث میں اپنے مخالف کا وہ کرتے منہ بند
جس نے آپ سے کی بحث اٹھائی ذلّت
اہلِ باطل کے مقابل میں وہ جب بھی نکلے
حق کی جانب سے ہوئی ان کی ہمیشہ نصرت
آہ! اسلام کے وہ مردِ مجاہد غازی
کر سکی جن کو نہ مرعوب عدو کی کثرت
آج ہر فرد بشر غم میں ہے ان کے مغموم
اُٹھ گئی آہ! جماعت سے مجسّم برکت

جب کہ آماجگاہ فتنہ بنا امرتسر
جانب گوجرانوالہ ہوئی ان کی ہجرت
ان کے اکلوتے جو فرزند عطاء اللہ تھے
پی کے وہ جام شہادت کا سدھارے جنت
گھر کتب خانہ پریس، آہ سبھی ختم ہوئے
امتحان ان پہ آئے تھے خدا کی قدرت
آخری عمر میں پہنچے انھیں کیسے صدمات
مرحبا اس پہ بھی ہارے نہیں اپنی ہمت
آہ سرگودھا میں پھر جا کے ہوئے آپ مقیم
اور وہیں آپ کو حاصل ہوئی موتِ غربت
ہے دعا اختر مغموم کی تجھ سے یارب
قبر پہ ان کی ہمیشہ ہو نزولِ رحمت

---

(۷)

تو مناظر وہ ایک یکتا تھا

از حضرت ساحر بن مولینا اقتدار احمد سہسوانی

مولوی بوالوفا ثناء اللہ — آہ شیرِ خدا ثناء اللہ
خلد میں ہے نزولِ رحمتِ حق — تیرے اوپر سدا ثناء اللہ
فرقۂ ناجیہ کی جانب سے — حق کا حامی رہا ثناء اللہ

ایک مدت سے اس جماعت کا ۔۔۔ تو ہی تھا پیشوا ثناء اللہ
تو نے اپنی زباں سے اللہ کا ۔۔۔ بول بالا کیا ثناء اللہ
حکم مانو حدیث و قرآں کا ۔۔۔ تھا یہ مذہب تیرا ثناء اللہ
حق کی تائید ردِ باطل تھا ۔۔۔ تو نے جو کچھ لکھا ثناء اللہ
تو مناظر وہ ایک یکتا تھا ۔۔۔ رد نہ جس کا ہوا ثناء اللہ
دل میں ہر ایک وہ بیٹھ گیا ۔۔۔ تو نے جو کچھ کہا ثناء اللہ
تیرا اخبار بھی تری ہی طرح ۔۔۔ تیغِ اسلام تھا ثناء اللہ
موت عالم کی موتِ عالَم ہے ۔۔۔ صادق اب آگیا ثناء اللہ
تو مرا، نام تیرا زندہ ہے ۔۔۔ مرحبا مرحبا ثناء اللہ
بندۂ کبریا ثناء اللہ ۔۔۔ عاشق مصطفےٰ ثناء اللہ
فرقِ باطلہ کے رد کے لیے ۔۔۔ ہند میں صرف تھا ثناء اللہ
بانیٔ کنفرنس اہل حدیث ۔۔۔ ناظم بھی اس کا تھا ثناء اللہ
نازشِ دارِ علم دیوبند ۔۔۔ شیر پنجاب تھا ثناء اللہ
تو محدث بھی تھا، مفسر بھی ۔۔۔ تو مناظر بھی تھا ثناء اللہ
تو وہ سحر البیاں مناظر تھا ۔۔۔ رد نہ جس کا ہوا ثناء اللہ
کوئی بھی ہو مناظرہ کے لیے ۔۔۔ تو بلایا گیا ثناء اللہ
زندگی بھر حمایتِ اسلام ۔۔۔ تھا ترا مدعا ثناء اللہ
آج ہر ایک کی زباں پہ ہے ۔۔۔ اس جہاں سے گیا ثناء اللہ
ہو گئی اک بڑی کمی ہم میں ۔۔۔ تو جو ہم سے گیا ثناء اللہ
صدقِ دل سے یہ ہی ہے ساحر کی ۔۔۔ تیرے حق میں دعا ثناء اللہ
خلد میں تو ہے تجھ پہ نازل ہے ۔۔۔ رحمتِ کبریاء ثناء اللہ



شیر دل انساں، فاتح قادیاں، ابوالوفاء

اثر خامہ جناب خالد اختر افغانی سوہدروی

اے محدّث، اے مناظر، اے صحابہؓ کے مثیل!
تیری ہستی تھی حدیث پاک کا عکسِ جمیل
السلام اے ابن بدروں و قلاطوں کے عدیل
نور بھر دے قبر میں تیری خداوند جلیل

شیر دل انسان، فاتح قادیاں، ابوالوفاء
ملّتِ مرحوم میں اب کون ہے ہمسر ترا
السلام اے ضیغم اسلام، فاتح قادیاں!
عزم و استقلال کی تصویر "میر کارواں"

اے حدیثِ پاک اور قرآن کی شرحِ جوان
تجھ سے کانپے آریہ، لرزے عیسائی بیگماں
تو لڑا حق و صداقت کے لیے مردانہ وار
زندہ باد ابوالوفا، اے قائدِ والا تبار

جب زمینِ ہند گہوارا بنی الحاد کا
شرک اور بدعت کا جب چاروں طرف چرچا ہوا
اٹھ گئی جس وقت تمیزِ روا و ناروا
بدعتوں کی پُر خطر چلنے لگی جس دم ہوا!

تلملا کر تو اٹھا پھر بہرِ تبلیغ جہاد
مرحبا اے نیک طینت، پاک خو عالی نژاد[1]
آج بھی تیری ضرورت ہے ہمیں والا تبار
شرک کا سر آج بھی اونچا ہے باصد افتخار
ہیں خدا والوں پہ پھر اب تنگ یہ لیل و نہار
مشرکوں کا آج بھی ہے زور اے عالی وقار
ایمان کی شمعیں بجھائی جا رہی ہیں آج بھی
اسلام کو آنکھیں دکھائی جاتی ہیں آج بھی
چھا رہی ہے ہر طرف الحاد کی کالی گھٹا
شرک اور بدعت کا ہر سو دور دورہ ہو گیا
پھر سیہ قسمت، مسلماں تارکِ قرآں بنا
چھوڑ دی اسلامیوں نے سنتِ خیر الوریٰ
اٹھ مبلغ، اٹھ مناظر، بہرِ تبلیغِ حدیث
کر رہے ہیں شرک و بدعت عام ملعون و خبیث



---

[1] مولینا نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ میں پہلے کشمیری برہمن تھا، اب مولوی بن کر عالی نژاد بن گیا ہوں۔

۹

آپ شیخ الازکیا حجۃ الاسلام تھے

از مولینا محمد داؤد راز شکراوی

دین پرور اے ثناء اللہ عالی مقام
آپ کو اللہ نے بخشا تھا کار رہبری

آپ شیخ الازکیا، حجۃ الاسلام تھے
آپ کے حق میں تھا زیبا تر لباس سروری

ٹھہر جائے سامنے باطل میں طاقت ہے کہاں
آپ کے آگے بھلا کیا شے تھا سحر سامری

جبکہ اسلامی صداقت آپ کرتے تھے بیان
سرنگوں ہو کر کے رہ جاتی تھی بزم کافری

جب کبھی آتا تھا باطل سر اٹھا کر سامنے
آپ کی تقریر تب ہوتی تھی ضرب حیدری

آپ کا اسم گرامی سن کے اہل قادیاں
سر جھکا لیتے تھے وہ مثل بتان آزری

آپ آتے تھے عصائے موسوی بن کر جہاں
خاک ہو جاتی تھی پھر قادیاں کی ساحری

آپ تھے لاریب اقلیم قلم کے تاجدار
آپ کی تحریر ہوتی تھی زوائد سے بری

خرمنِ بدعت کے حق میں آپ تھے برقِ طپاں
اہلِ سنت کے لیے تھے آپ بوئے عنبری
آپ کے اوصاف میں لکھتے قصائد بے شمار
آج دنیا میں اگر ہوتے نظامی انوری
آپ کی خدماتِ دینی قابلِ تحسین تھیں
آپ کے حق میں دعا گو ہوں نہ کیوں جن و پری
باغبانِ گلشنِ توحید سنت آپ تھے
اے مسیحا آپ کے دم سے یہ کھیتی تھی ہری
ہو بیاں مجھ سے بھلا کب آپ کے اوصاف کا
ہو سکے خورشید اور ذروں میں کیوں کر ہمسری
اے فقیہہ وقت! اے گنجینۂ علم و عمل
آپ کو بخشا تھا حق نے اوجِ ماہ و مشتری
آپ میدانِ صداقت کے تھے نامی شہسوار
بے حقیقت تھی یہاں پر شہرت اسکندری
طول مستحسن نہیں ہے اہلِ دانش کے لیے
میں اٹھاؤں کیوں نہ اب دستِ دعائے بہتری
دونوں عالم میں الٰہی! آپ کو رکھ بامراد
ساز کے دل سے یہ نکلی ہے دعائے خوشتری

(۱۰)

وہ ہر میدان کا غازی مجدّدِ تھا زمانے کا

از مولٰینا نور حسین گھرجاکھی رح

خدا کا نیک بندہ جب کوئی دنیا سے جاتا ہے
زمین و آسماں تو کیا عرش بھی کانپ جاتا ہے
زمیں سہمی ہوئی تھی آسماں آنسو بہاتا تھا
کہ یہ غازی خدا کے دین کا ڈنکا بجاتا تھا
وہ سورج علم کا غائب ہوا یکسر نگاہوں سے
وہ نوری چاند غائب ہو گیا یکدم نگاہوں سے
وہ عالم تھا، مجاہد تھا، محدّث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی مجدد تھا زمانے کا
ہمیشہ اہل بدعت کو نبیؐ کی راہ بتاتا تھا
یہ غازی ہر جگہ توحید کے دریا بہاتا تھا
ادھر توحید فی التثلیث کو باطل بتاتا تھا
قدامت روح و مادہ کے ادھر پرزے اڑاتا تھا
دیانندی پلندے کا اسی نے راز پھوڑا تھا
دھرمپالی مکائد کو اسی نے مار توڑا تھا
نبوت قادیانی کو کبھی رگڑا لگاتا تھا
وہ تاویلی قلعہ ان کا دلائل سے گراتا تھا

جوانمردی سے ہر اک معرکے میں پہنچ جاتا تھا
وہ ہر میدان میں آتا ہوا جرأت دکھاتا تھا
وہ بحرِ علم تھا جس وقت طغیانی میں آتا تھا
مناظر بالمقابل کا کلیجہ کانپ جاتا تھا
مناظر تھا، مجاہد تھا وہ سب علموں میں اعلم تھا
غرض وہ قوم اپنی میں سپہ سالارِ اعظم تھا
زباں عربی و اردو میں لکھی ہیں چار تفسیریں
خزینہ علم و حکمت کا، گل و گلزار تفسیریں
مفسّر تھا کلام اللہ کا وہ محبوب حقانی
وہ اپنے دور کا رازی و ابن تیمیہؒ ثانی
وہ گنجینہ محبت وہ الفت کا خزانہ تھا
محبت ان کا شیوہ تھا وطیرہ عالمانہ تھا
نگاہوں میں تبسّم تھا زباں میں خوش بیانی تھی
شریفانہ تکلّم تھا، سمندر سی روانی تھی
کبھی اس نے نظر ڈالی نہ تھی اسبابِ زینت پر
"خدا رحمت کرے اس پاک بازو پاک طینت پر"
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا بحرِ ہستی میں
بالآخر سو گیا آ کر وہ سرگودھا کی بستی میں
وہ علم و فضل کا سورج قوی پنجہ مناظر تھا
وہ "فاتحِ قادیاں" اسلام کا اک گوہرِ نادر تھا

قوی پنجہ مناظر
۱۳۶۷ھ

از نامی

اہلحدیث را امام ہیہات درجہاں رفت تاریخ سالش برآمد ز لب
"فاتح قادیان" رفت۔
۱۳۶۷ھ

از سعید

بہر تاریخ او سعید بگفت رفت وائے مفسر قرآنی
۱۳۶۷ھ

از دور صدیقی

تھی دورؔ مجھے فکر تاریخ اس شیخ و مجاہد کی ہر دم
ہاتف نے یکایک دی ندا لکھ دے برجستہ "ہو المغفور"
۱۳۶۷ھ

رسم الخط

اب خاتمہ پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مولانا کے رسم الخط کا ایک نمونہ بھی دے دیں۔ کیونکہ یہ چیز بھی ان کی سیرت سے ایک گونہ تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ آپ کے بہت سے خطوط ہمارے پاس محفوظ ہیں مگر عدم گنجائش کی وجہ سے یہ مختصر سا خط درج کیا جا رہا ہے:-

دفتر اخبار اہلحدیث امرتسر

مورخہ ۲۸/۱ ۱۲

بخدمت شریف: عزیزی مولوی عبدالحمید سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بوعلاج علی جو چیز مانگیں رسید لیکر وہ دیدیں جلدی واپس کیجاویگی امید ہے آپ خیریت سے ہونگے اور ضرور کارروائی سے اطلاع دینگے

راقم [illegible]

صنفِ نازک کے موضوع پر اردو زبان میں

پہلی جامع اور مدلل کتاب

تحفۃ العروس

تالیف

محمود مہدی استانبولی

معاشرہ کی

مہلک بیماریاں

اور اُن کا علاج

تالیف

شیخ احمد بن حجر

مکتبہ قدوسیہ

اہل حدیث مارکیٹ

غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ پوری نصف صدی تک ہر اس قوت کے سامنے سینہ سپر رہے جو اسلام، شارع اسلام اور حاملین اسلام پر حملہ آور ہوتی رہیں اس راہ میں مصائب نے ان کا راستہ روکا، شدائد اور تکلیفیں انہیں جھیلنا پڑیں، رنج و محن میں وہ مبتلا کیے گئے لیکن ان کے قدموں میں ڈگمگاہٹ نہ آسکی اور وہ برابر زلف جاناں کی بلائیں لیتے آگے بڑھتے رہے۔ دشمنان دین حنیف کے ہر وار کو مردانہ وار روکا اور آخری لمحات تک بڑی پامردی، استقلال اور چوکسی سے شریعت بیضا کی سرحدوں کی حفاظت کرتے رہے۔

شیخ الاسلام کے نقوش کو دیکھ کر ایک انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ خداوند کریم نے آپ کو کس بے پناہ قوت حفظ ملکہ تحریر اور زور آوری تقریر سے نواز رکھا تھا، رہ گئے مناظرات، مباحثات اور مناقشات تو یہ بات بلا مبالغہ اور بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ برصغیر ہند و پاک نے اس میدان میں کوئی سپوت ان ایسا پیدا نہیں کیا۔ ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرت سری رحمۃ اللہ علیہ ان اعاظم رجال میں سے تھے جن ایسوں کے بارہ میں مشہور عربی شاعر متنبی کہہ گیا ہے:۔

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتی فعجزن عن نظرائه

کہ ایسی جلیل القدر ہستیاں روز روز دنیا میں نہیں آتیں اور جب وہ دنیا کو اپنے وجود سے رونق بخش دیتی ہیں تو دنیا ان کی مثال لانے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ آپ بلاشبہ برصغیر ہند و پاک میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل اور سب سے بڑے محافظ و مدافع تھے۔